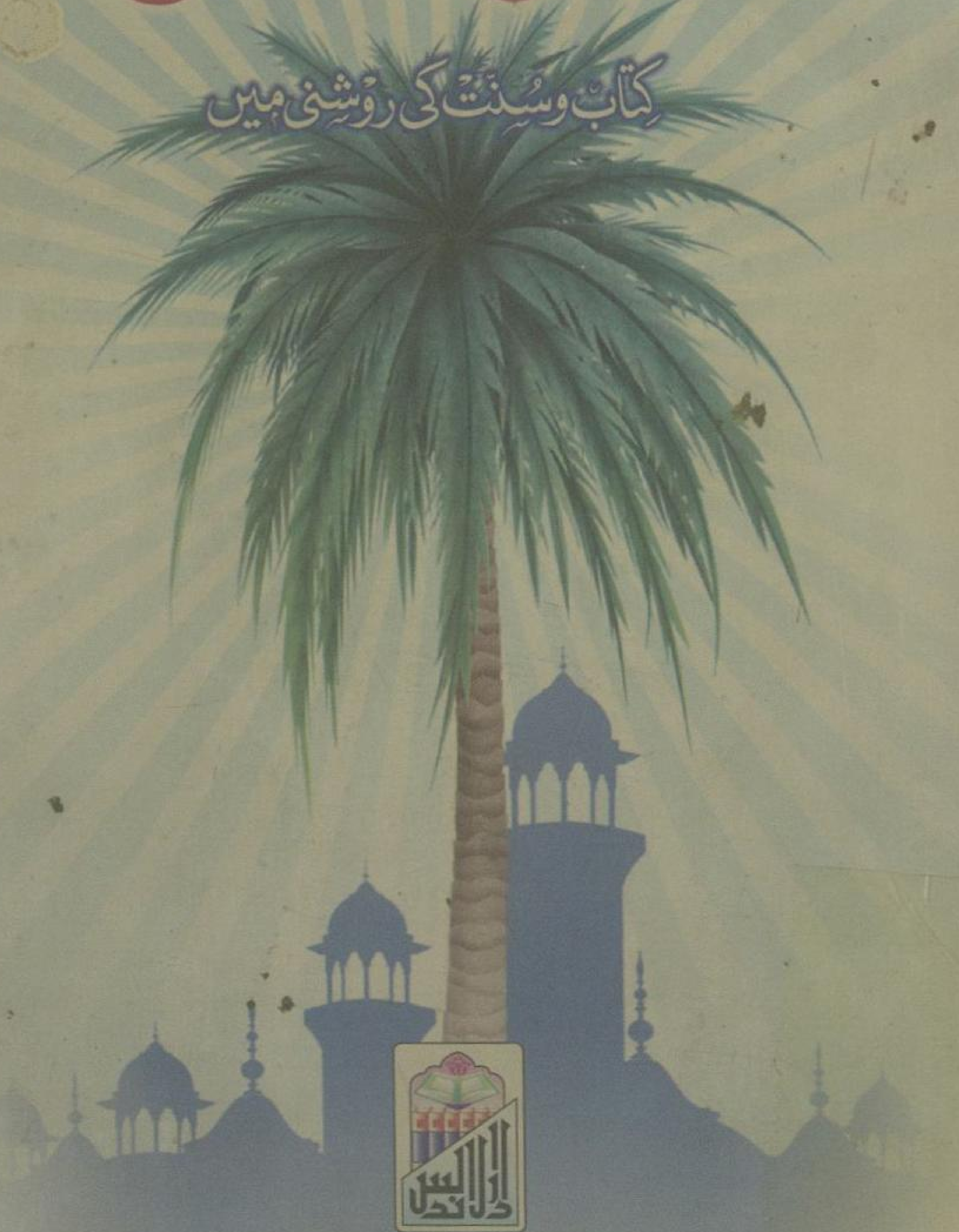
مثالی مسلمان

کتاب وسنت کی روشنی میں

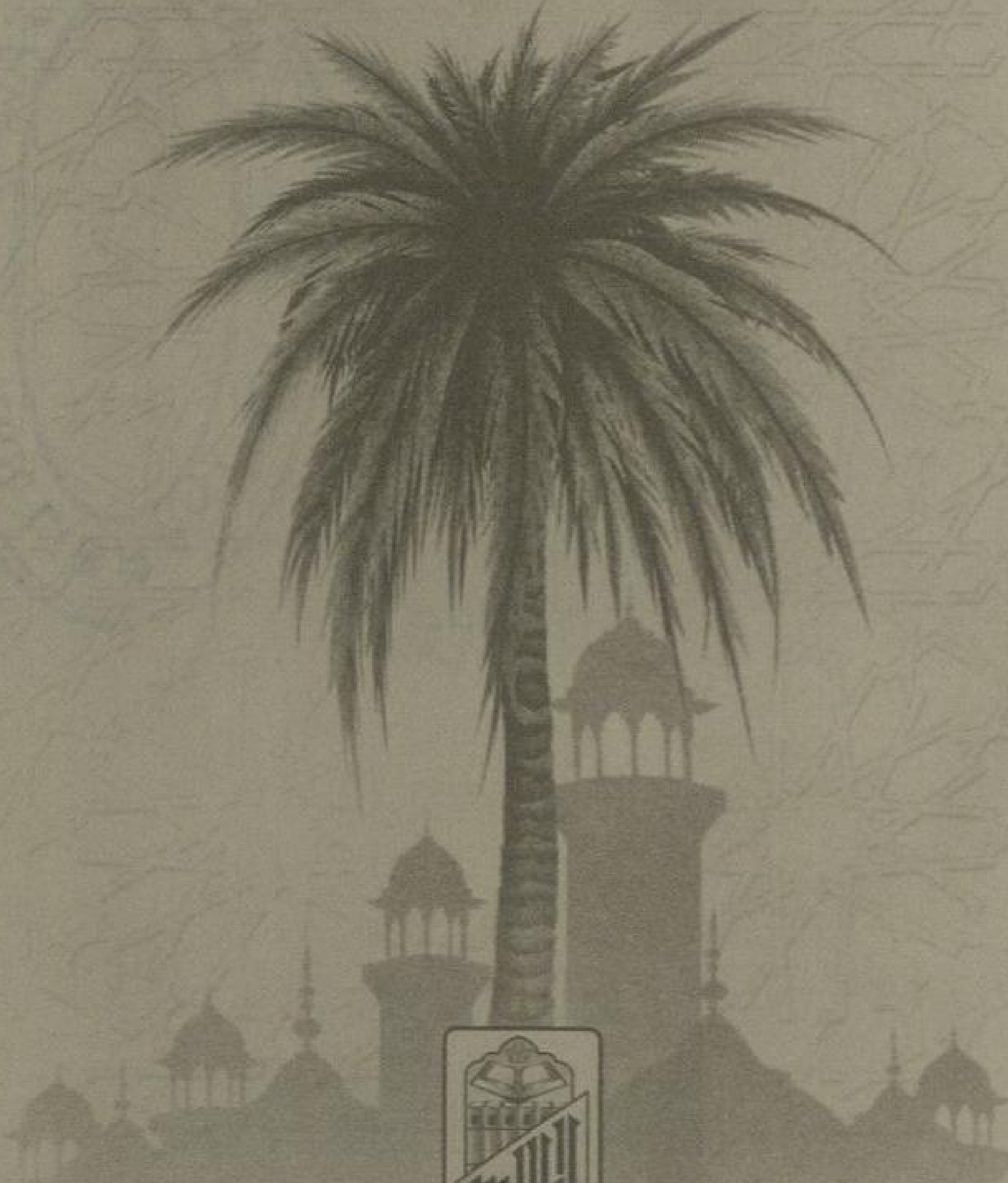


تالیف: ڈاکٹر محمد علی الھاشمی ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثالی مسلمان



تالیف: ڈاکٹر محمد علی الہاشمی   ترجمہ: محمد رضی الاسلام ندوی

دار الاندلس
اسلام کی نشر واشاعت کا عالمی مرکز
۴۔ لیک روڈ، چوبرجی لاہور
Ph: 7230549 Fax: 7242639 www.dar-ul-andlus.com

نام کتاب

مثالی مسلمان

تالیف

ڈاکٹر محمد علی الھاشمی

ترجمہ:

محمد رضی الاسلام ندوی

ناشر .... دارالاندلس

ملنے کا پتہ

مرکز القادسیہ 4۔ لیک روڈ چوبرجی، لاہور

Ph: 042-7230549-7240940
Fax: 7242639
www.dar-ul-andlus.com

مثالی مسلمان

نام کتاب

مثالی مسلمان

تالیف

ڈاکٹر محمد علی الہاشمی

ترجمہ:

محمد رضی الاسلام ندوی

ناشر .... دار الاندلس

ملنے کا پتہ

مرکز القادسیہ 4۔لیک روڈ چوبرجی، لاہور

Ph: 042-7230549-7240940
Fax: 7242639
www.dar-ul-andlus.com

مثالی مسلمان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مثالی مُسلمان

مسلمان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنے والدین کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنی بیوی کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنی اولاد کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنے عزیز واقارب کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنے پڑوسیوں کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ

مسلمان کا تعلق اپنے معاشرہ کے ساتھ

عرض ناشر

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”بے شک مومن لوگ کامیاب ہو گئے، جو اپنی نماز میں عاجزی کرتے ہیں اور جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، مگر اپنی بیویوں یا کنیزوں جو ان کی مِلک ہوتی ہیں کہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ البتہ ان کے سوا جو کوئی اور ذریعہ چاہے تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھنے والے ہیں۔ اور جو اپنی امانتوں اور عہد کا پاس رکھتے ہیں اور جو اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں (یعنی) جو فردوس کی میراث حاصل کریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ (المؤمنون: ۱، ۱۱)

مذکورہ بالا آیات کی روشنی میں ایک صحیح اور سچے مسلمان کی مکمل تصویر کشی اور اس کے ارفع کردار کی تشکیل کے سلسلے میں یہ کتاب پیش کرتے ہوئے گویا ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کا سامان ہو رہا ہے۔ تمنا تھی کہ کوئی ایسی کتاب لائی جائے جو اس مسلمان کی عکاسی کرے جو اللہ اور اس کے رسول کے ہاں پسندیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کا ایک مفید رکن بھی ہو۔ وہ اسلام کی مطلوب اور محبوب ایسی متوازن شخصیت کا حسین گلدستہ ہو جس سے بزم جہاں مہک اٹھے۔ جو رضائے الٰہی کی تلاش میں رہبانیت کا مرتکب نہ ہو۔ وہ اپنی عبادات میں اتنا مگن نہ ہو کہ اخلاقیات اور حقوق العباد سرے سے بھلا بیٹھے یا اصلاح

معاشرہ میں اس قدر نہ کھب جائے کہ رب سے اپنے تعلق کو فراموش کر بیٹھے۔ وہ اپنی ظاہری شکل وصورت کی تزئین و آرائش میں اتنا منہمک نہ ہو جائے کہ روح تشنہ بلب ہو کر مردہ ہو اٹھے اور نہ روحانی تسکین میں اتنا دور نکل جائے کہ جہاں سے اسے اپنا جسم، شکل و صورت، بیوی بچے اور معاشرہ ہی دکھائی نہ دے کہ جب تک جسم و روح میں ایک دلکش امتزاج اور حسین توازن نہ ہو تو نہ انسان کامل ہوتا ہے اور نہ اسلام کا مطلوبہ مردمومن ہی تشکیل پاتا ہے۔ بدقسمتی سے مسلمان آج بری طرح عدم توازن کا شکار ہیں۔ ڈاکٹر محمد علی ہاشمی نے "شخصية المسلم كما يصوغها الاسلام فى الكتاب والسنة" کے عنوان سے کمال جامعیت اور جاذبیت اس موضوع کا احاطہ کیا ہے۔ محترم رضی الاسلام ندوی نے کتاب کے ترجمہ کا حق ادا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مؤلف محترم اور مترجم کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین!

امسال جب اللہ تعالیٰ نے دوسری بار زیارت حرمین کی نعمت سے سرفراز کیا تو واپسی پر یہ کتاب میرے ہمراہ تھی۔ احادیث کی مکمل تخریج کے ساتھ ساتھ اصل مراجع سے تقابل کر کے متونِ حدیث کی درستی کا خصوصی اہتمام کر دیا ہے۔ یہ کام ابوعمر اشتیاق اصغر اور ابوبکر ظہیر بھائی کی خصوصی محنت کا نتیجہ ہے۔ کتاب کی تسہیل وتہذیب کے سلسلے میں مولانا محمود الحسن اسد اور حافظ یوسف سراج صاحبان کی شبانہ روز کاوشیں قابل داد ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین!

حق یہ ہے کہ اس کتاب کو ایک بار نہیں بار بار پڑھنے اور بہت عام کر دینے کی ضرورت ہے تاکہ ایک ایسا خوش شکل، خوش عمل، خوش لباس اور خوش عقیدہ مسلمان منصۂ شہود پر ابھرے کہ جس کے قول وعمل سے رحمت کی پھواریں پھوٹیں اور اہل کفر جسے دیکھ کر مسلمان ہونے کے لیے بے تاب ہو اٹھیں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق سے نوازے۔ آمین!

محمد سیف اللہ خالد

مدیر دارالاندلس

۱۵ شعبان ۱۴۲۶ھ

عرض مترجم

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی دعوت وعمل میں تضاد اشاعت اسلام کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔وہ اپنی زبان سے توحق وتوحید کا نعرہ بلند کرتے ہیں مگر عملاً باطل کی پیروی اور غیر اللہ کے آستانوں پر ناصیہ فرسائی سے باز نہیں آتے۔اللہ اور رسول ﷺ کی طرف دعوت دیتے ہیں مگر خود سینکڑوں اوہام وخرافات اور رسوم و روایات کے اسیر ہیں اسلامی احکام وتعلیمات پر عمل پیرا ہونے کا اعلان کرتے ہیں مگر ان میں حلال وحرام کی تمیز اٹھ گئی ہے۔اخلاق ومعاشرت میں فساد پیدا ہو گیا ہے اور جن برائیوں کا تصور کیا جا سکتا ہے وہ سب ان میں نہ صرف یہ کہ موجود ہیں بلکہ پھل پھول رہی ہیں۔ دوسری طرف دنیا مسلمانوں کے ان اعمال کو عین اسلام سمجھتی ہے۔اس کے نزدیک اسلام وہ نہیں جو قرآن وسنت کے نصوص سے ثابت ہے بلکہ اسلام کی صحیح تعبیر وہ ہے جو مسلمان اپنے اعمال سے پیش کرتے ہیں۔

اشاعت اسلام کی راہ سے یہ رکاوٹ اسی وقت دور ہوسکتی ہے جب مسلمان اپنے قول وعمل سے اسلام کی صحیح ترجمانی کریں۔ان کی شخصیت اسلام کا چلتا پھرتا نمونہ بن جائے۔وہ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت اور اسلامی حدود کی پابندی کریں۔ان کے اخلاق اسلامی اخلاق ہوں،ان کی معاشرت پہ اسلامی چھاپ ہو اور ان کی تہذیب اسلام کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔خاص طور پر وہ لوگ جو اسلامی تعلیمات کے علمبردار اور

اقامت دین کے داعی ہیں۔ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کا عزم رکھتے ہیں ان پر لازم ہے کہ وہ اپنے قول وعمل میں ہم آہنگی پیدا کریں اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالیں، وہ لوگ دنیا میں کیا انقلاب برپا کرسکیں گے جو خود اپنے آپ پر اسے برپا کرنے پر قادر نہیں؟ ان سے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی حکومت قائم کرنے کی کیا توقع کی جاسکتی ہے جو خود اپنی ذات پر اسے قائم نہیں کر سکتے؟ جو لوگ دوسروں کو ایسے نظریات وعقائد، ایسے اصول اقتصاد، ایسے آداب معاشرت، ایسے ضوابط سیاست اوز ایسے اخلاق وکردار کی طرف دعوت دیتے ہوں جن سے خود ان کی زندگیاں عاری ہوں تو ان کی اشاعت وقبولیت کی کیا امید کی جاسکتی ہے؟

یہی وہ آرزو ہے جس نے مجھے اس کتاب کے ترجمے پر اکسایا ہے۔ فاضل مصنف نے کتاب وسنت کی روشنی میں ایک ''صحیح مسلمان'' کی سچی تصویر کشی کی ہے نیز جسم وعقل اور روح کی تربیت، عقائد کی اصلاح، عبادات کی ادائیگی اور اخلاق وکردار کی آراستگی سے متعلق اسلامی تعلیمات کو یکجا کر دیا ہے۔ انھوں نے اسلامی تہذیب ومعاشرت کے خدوخال نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب کے کمزور پہلوؤں، نقائص وعیوب کو واضح کیا ہے اور پھر اسلامی تہذیب کے ساتھ ان کا موازنہ کر کے اسلامی تہذیب کی برتری ثابت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ خود مجھے اور دوسروں کو بھی ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کو سچا وپکا باعمل مسلمان اور تحریک اسلامی کا خادم بنائے۔ آمین!

محمد رضی الاسلام ندوی

مقدمہ

''اسلامی نہج پر ایک مسلمان شخصیت کی تعمیر'' کا موضوع تقریباً دس سال سے میری توجہ اور دلچسپی کا مرکز تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ بہت سے مسلمان افراط وتفریط کا شکار ہیں، کسی پہلو میں افراط ہے تو کسی میں تفریط، بعض معاملات میں کافی اہتمام کرتے ہیں تو بعض دیگر کاموں میں تساہل اور سستی برتتے ہیں، مثلاً ایک شخص پہلی صف میں نماز پڑھنے کی تو شدید خواہش رکھتا ہے مگر اپنے منہ اور کپڑوں سے پیدا ہونے والی بدبو کی مطلق پروا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو کرتا ہے، اس کے سامنے عاجزی کرتا اور خشوع وخضوع بھی اختیار کرتا ہے مگر صلہ رحمی میں کوتاہی کرتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات ایک شخص عبادت تو خوب کرتا ہے اور علم بھی حاصل کرتا ہے مگر اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں کوتاہی کرتا ہے، اسے کچھ پتا نہیں ہوتا کہ اس کے بیٹے کیا پڑھتے ہیں؟ کس کی صحبت اختیار کرتے ہیں؟ یا وہ اپنی اولاد پر تو توجہ دیتا ہے مگر خود والدین کا نافرمان ہے اور ان کے ساتھ تو معاملات میں سخت رویہ اختیار کرتا ہے یا وہ والدین کے ساتھ تو حسن سلوک کرتا ہے مگر اپنی بیوی پر ظلم ڈھاتا اور اس کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آتا ہے یا اپنی بیوی اور اولاد کے ساتھ تو خوش معاملہ ہے مگر پڑوسیوں کے ساتھ اس کے معاملات اچھے نہیں۔ بعض اوقات وہ اپنے نجی معاملات تو اچھی طرح انجام دیتا ہے اور ایسے کاموں میں دلچسپی لیتا ہے جس سے اس کی ذات کو

فائدہ ہومگر وہ معاشرتی تعلقات اور مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی میں کوتاہی کرتا ہے یا ایک شخص دیندار اور نیک تو ہے مگر سلام کرنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے اور گفتگو کرنے کے سلسلہ میں اسلامی آداب اختیار کرنے میں تساہل برتتا ہے...... اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ نقص بعض ان لوگوں میں بھی پایا جاتا ہے جو اسلامی دعوت کا کام سرانجام دیتے ہیں اور اس کے نمایاں عملی پہلو سے دلچسپی رکھتے ہیں جس سے عام طور پر ان میں زبردست اسلامی حس، اسلامی احکام و آداب اور اقدار کا دقیق فہم اور اسلامی تعلیمات کی سچی پیروی کا جذبہ پایا جاتا ہے مگر غفلت، بے توجہی اور بے پروائی کی بنا پر بہت سے اسلام پسند لوگ بھی ان کمزوریوں اور تناقضات میں مبتلا ہو جاتے ہیں، پتا نہیں انھیں اس کا احساس بھی ہوتا ہے یا نہیں۔

اس موضوع سے دلچسپی نے مجھے مجبور کیا کہ میں قرآن و حدیث کی ان نصوص کا تتبع کروں جو انسان سے متعلق ہیں اور اس کی ذہن سازی، رہنمائی اور تعمیر کرتی ہیں تاکہ میں مسلمانوں اور خاص طور پر ان لوگوں کے سامنے جو عمل کرنے پر تیار ہیں، ایک مکمل اور جامع مطالعہ پیش کر دوں جس سے اسلامی زندگی کے خدوخال نمایاں ہو جائیں اور اسلامی صفات، عادات اور اخلاق کی وضاحت ہو جائے تاکہ یہ مطالعہ ان لوگوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو جن سے بعض پہلوؤں میں کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے تاکہ وہ اپنے نفوس کو اس عظیم اور تابناک بلندی کی طرف لے جانے کی کوشش کریں جس تک دین حق انھیں لے جانا چاہتا ہے۔

اس مطالعہ کے دوران میں نے جو کچھ دیکھا اس سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ میں نے دیکھا کہ اسلام مسلمان کو جس نہج پر زندگی گزارنے کا حکم دیتا ہے اور جو کچھ مسلمانوں نے خود اپنے لیے پسند کیا ہے دونوں میں زمین و آسمان کی دوری اور واضح فرق ہے۔ صرف چند ہی لوگ ایسے ہیں جن کا عقیدہ صحیح اور جن کا اسلام

بہتر ہے، جن کے دل پاکیزہ اور صاف ہیں، جن کے نفوس بلند ہیں اور جن کی ہمتیں اور ارادے جوان ہیں۔ انھوں نے پوری سچائی، پورے اخلاص اور پوری گرم جوشی سے دین کی طرف توجہ کی ہے، جو اس کے صاف شفاف سر چشمے سے سیراب ہوئے اور ہر نئے دن اسلام کی تابناک اور روشن تعلیمات سے اپنی واقفیت و معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

جو شخص بھی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے ذریعے انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات سے واقفیت حاصل کرے گا اسے یہ دیکھ کر انتہائی حیرت ہوگی کہ ان میں انسان کے چھوٹے بڑے تمام مسائل کے سلسلہ میں بکثرت جامع نصوص موجود ہیں۔ اپنے رب سے تعلق استوار کرنے، اپنے نفس کے حقوق جاننے اور اپنے ارد گرد کے لوگوں سے روابط رکھنے کے سلسلہ میں ایسی واضح تعلیمات ہیں جن کے ذریعہ زندگی کے ہر میدان اور ہر پہلو میں مسلمان شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے اور وہ ایک مثالی، انفرادی اور اجتماعی زندگی گزارنے کا اہل ہوتا ہے۔

اس طرح مسلمان ایک معاشرتی زندگی گزارنے والے، ترقی پسند اور نابغۂ روزگار انسان کی حیثیت سے نمودار ہوتا ہے، جس کی بے مثل اور بہترین تربیت مکارم اخلاق کے اس مجموعہ سے ہوتی ہے جو قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے بنتا ہے اور جن سے زندگی کو آراستہ کرنا ''دین'' قرار دیا گیا ہے کہ ان پر انسان عمل پیرا ہو اور ان سے اللہ تعالیٰ کی بار گاہ میں اجر و ثواب کی امید رکھے۔

میں ان تمام نصوص کو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے جمع کرتا رہا اور ان کو ابواب و موضوعات کے مطابق ترتیب دیتا رہا یہاں تک کہ جب یہ ترتیب مکمل ہوگئی تو اس کے نقوش واضح ہوگئے اور مندرجہ ذیل ابواب بن گئے:

۱۔ مسلمان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ۔

۲۔ مسلمان کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ۔

۳۔ مسلمان کا تعلق اپنے والدین کے ساتھ۔

۴۔ مسلمان کا تعلق اپنی بیوی کے ساتھ۔

۵۔ مسلمان کا تعلق اپنی اولاد کے ساتھ۔

۶۔ مسلمان کا تعلق اپنے عزیز واقارب کے ساتھ۔

۷۔ مسلمان کا تعلق اپنے پڑوسیوں کے ساتھ۔

۸۔ مسلمان کا تعلق اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ۔

۹۔ مسلمان کا تعلق اپنے معاشرہ کے ساتھ۔

ان نصوص کو جمع کرتے ہوئے اور ان میں پائی جانے والی بلند اور معتدل تعلیمات پر غور کرتے ہوئے مجھ پر یہ واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر بہت بڑی رحمت ہے کہ اس نے انھیں گمراہی کی پستیوں سے نجات دی اور ہدایت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ اس نے ان کی طرف اپنے رسول بھیجے اور اپنے پیغامات اور شریعتیں نازل کیں تاکہ انسان ہمیشہ روشن راستے پر رہیں، تاریکیوں میں نہ بھٹکیں، اندھیاریوں میں ٹامک ٹوئیاں نہ ماریں اور سیدھے راستے کے نقوش ان سے مخفی نہ رہیں۔ مجھے محسوس ہوا کہ انسان ہدایت، تربیت اور رہنمائی کے مست جھونکوں کا شدید محتاج تھا تاکہ ان کے ذریعے اپنی انسانیت کو بروئے کار لائے اور زندگی میں وہ عظیم کردار سرانجام دے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس سے عہد لیا ہے۔ اگر صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کرنے اور ہدایت دینے والے یہ پاکیزہ اور جانفزا جھونکے نہ ہوتے تو انسان پر خود غرضی اور انانیت کا غلبہ ہو جاتا، وہ دوسروں کو نقصان پہنچانے کی سوچا کرتا۔ حسد وکینہ، استحصال وتسلط، ظلم وجور اور دیگر بری عادات واخلاق کی دلدل میں جا پھنستا ہے۔

اس کی تصدیق ہمیں بچے کی فطرت سے ہوتی ہے جب وہ اپنے والدین کے سامنے کھڑا ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ خود کو ان کے سامنے نیک سیرت، بلند کردار اور اپنے

بھائی سے برتر ثابت کرے۔ اس کی پوری خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو ان تمام صفات سے عاری قرار دے جن سے اس نے اپنے آپ کو متصف بتلایا ہے، اس طرح وہ چاہتا ہے کہ اپنی شخصیت ثابت کر دے اور اپنے بھائی پر غالب رہنے اور ہر چیز میں اس سے فائق رہنے کے فطری میلان کو واضح کر دے۔

انسان کی یہ خصلت طبعی اور فطری ہے۔ اسی پر انسان کی بھلائی اور دنیاوی معاملات کی درستی کا انحصار ہے بشرطیکہ یہ معتدل اور افراط وتفریط سے پاک ہو کیونکہ یہ خصلت انسان کے اپنے ضمیر میں پوشیدہ خیر اور محاسن ظاہر کرنے پر اکساتی ہے، وہ جب اس خیر کو اپنی ذات کی طرف منسوب کرتا تو اسے اپنے نفس میں خوشی کا احساس ہوتا ہے، چنانچہ وہ مزید بھلائیاں کرنے کی طرف سبقت کرتا ہے۔

لیکن جب یہ خصلت انسان میں حد سے زیادہ بڑھ جائے اور وہ اس میں غلو کرنے لگے تو یہ خصلت خطرناک اور گھناؤنی بیماری میں بدل جاتی ہے اور جو شخص اس بیماری میں مبتلا ہوتا ہے وہ مغرور اور گھمنڈی ہو جاتا ہے، اپنے ہمسروں کے مقابلہ میں تکبر کرتا ہے اور ڈینگیں مارتا ہے حالانکہ وہ ان فضائل و محاسن اور مکارم سے کوسوں دور ہوتا ہے جن کا وہ اپنے لیے دعویٰ کرتا ہے۔

اس موقع پر اس مہلک بیماری میں مبتلا شخص کے نفس پر قابو پانے، اسے خود پسندی میں حد سے گزرنے سے باز رکھنے اور اعتدال، دانشمندی اور تواضع کی جانب رہنمائی کرنے میں دین، تربیت اور اخلاق کی قدر و قیمت اور اہمیت نمایاں ہوتی ہے۔

دین اس زندگی میں ہر خیر اور فضیلت کا سرچشمہ ہے اور جن بلند اقدار، اچھی عادات اور بہترین کردار پر اصول تربیت مبنی ہیں اور اصول اخلاق دلالت کرتے ہیں وہ صدیوں سے انسانیت کو اس شیریں اور فراخ سرچشمۂ ربانی سے سیراب کر رہے ہیں۔

انسانی زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ چیز پوری وضاحت سے ظاہر ہوتی ہے کہ انسان

بلندی کی طرف بڑھنے کے مقابلے میں پستی کی طرف جانے اور پابندی قبول کرنے کے مقابلہ میں شتر بے مہار رہنے کی طرف زیادہ مائل رہتا ہے کیونکہ پستی میں اتر جانا، بلندی پر چڑھنے کے مقابلہ میں آسان رہا ہے اور بے راہ روی پابندیاں قبول کرنے کے مقابلہ میں زیادہ پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ کوئی ایسی قوت موجود ہو کہ جب بھی غفلت ان کے دلوں پر ڈیرے جمائے اور ان کے قدم صراط مستقیم پر ڈگمگانے لگیں تو وہ انھیں انحراف سے باز رکھے اور راہ حق پر ثابت قدم رکھے۔

اس لیے ارباب فکر و نظر اور اصحاب علم کا فریضہ ہے کہ دین کی بلند اقدار کو نمایاں کرنے اور انھیں لوگوں کے لیے سہل، آسان اور قابل قبول بنا کر پیش کرنے کے لیے سر گرم عمل ہوں، ان کے سامنے اس روشن اور تابناک صورت کی وضاحت کریں جس سے اس زندگی میں متصف اور آراستہ ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے تا کہ اس سے زندگی میں حسن و جمال پیدا ہو اور وہ لذت و آسودگی اور چین و سکون سے گزرے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دین کو سات آسمانوں کے اوپر سے اس لیے نہیں نازل فرمایا کہ وہ محض نظریات کی حیثیت سے باقی رہے اور اس پر بحث و مباحثہ کے ذریعہ عقلیں متمتع اور لطف اندوز ہوں، نہ اس کے نازل کرنے کا یہ مقصد ہے کہ اس کی حیثیت مقدس کلام کی ہو، جس کی تلاوت سے لوگ برکت حاصل کریں مگر نہ اس کی تعلیمات کو سمجھیں اور نہ اس کے معانی کا ادراک کریں بلکہ دراصل اللہ تعالیٰ نے اس دین کو اس لیے نازل فرمایا ہے کہ وہ فرد کی زندگی پر حکومت کرنے اور خاندان کی زندگی کو منظم کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی زندگی کی بھی قیادت کرے اور وہ دنیا میں ''نور'' ہو جو انسان کے سامنے راستے روشن کرے اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے:

﴿ قَدْ جَآءَكُم مِّنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَٰبٌ مُّبِينٌ ○ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَٰمِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَ

يَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ﴾ (المائدة : ١٥، ١٦)

"تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے روشنی آ گئی ہے اور ایک ایسی کتابِ حق بھی جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے حکم سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔"

اسی ہدایت کے سایۂ عاطفت میں زندگی خوشگوار ہو سکتی ہے ۔ رہن سہن میں عمدگی اور بہتری آ سکتی ہے اور انسانوں کو چین وسکون اور آرام واطمینان نصیب ہو سکتا ہے، رشد و ہدایت اور چین وسکون کی زندگی کے حصول کی جانب پہلا اقدام یہ ہوگا کہ ایک ایسا سچا مسلمان فرد تیار کیا جائے جس میں اسلام کی روشن اور تابناک تصویر نظر آئے، جسے دیکھ کر لوگ اسلام سمجھیں، جس کے ساتھ لوگ معاملہ کریں تو اسلام پر ایمان میں اضافہ ہو اور اس کی طرف وہ مزید متوجہ ہوں۔

یہی کام رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت کے آغاز میں انجام دیا تھا۔ اسلام کے کٹھن راستہ میں آپ ﷺ کا پہلا اقدام یہ تھا کہ ایسے افراد تیار کریں جن میں اسلام کی مکمل نمائندگی ہو چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ذات زمین پر چلتے پھرتے صحیفوں کی طرح تھی۔ وہ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیل گئے، لوگوں نے ان میں انسانیت کے نابغۂ روزگار نمونے دیکھے جو زندگی کے منفرد اور بے مثل نظام اور طریقۂ کار کی نمائندگی کرتے تھے، چنانچہ جب انھوں نے سچے مومن کی ذات میں یکتائے عصر نظام کا مشاہدہ کیا تو گروہ در گروہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہونے لگے۔

آج انسانیت اور خاص طور پر مسلمانوں کو اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ انسانوں کا ایسا منفرد نمونہ تیار کریں جس کے بغیر زندگی میں خوشحالی وخوشگواری نہیں آ سکتی، جس کے وجود کے بغیر انسانیت کی بلند اور اعلیٰ اقدار رواج نہیں پا سکتیں اور جس کی ذات کے علاوہ

دوسری چیز میں اسلام کی تابناک حقیقت ظاہر نہیں ہو سکتی۔

اس یکتائے روزگار انسانی نمونہ کی خوبصورت اور حسین تصویر کیا ہے؟ آنے والے صفحات اس کا بہترین جواب ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس عمل کو محض اپنی خوشنودی اور رضا جوئی کی خاطر قبول فرمائے۔ اس سے عوام الناس کو فائدہ پہنچائے اور اسے میرے لیے اس دن زاد راہ بنائے جب مال و دولت اور بیٹے کام نہ آئیں گے اور صرف وہی شخص سرخرو ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قلب سلیم کے ساتھ حاضر ہو گا۔

محمد علی الہاشمی

الریاض

۲۷ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ (یکم مئی ۱۹۸۱)

❀......❀......❀

باب اول

مسلمان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے متبعین اور خاص طور پر دعوت کے میدان میں کام کرنے والے جب معاشرہ میں جائیں تو وہ نمایاں ہوں۔ لوگ ان کی طرف دیکھنا چاہیں نہ کہ انہیں دیکھنے سے اذیت وتنفر محسوس کریں، وہ نگاہوں میں حقیر ہوں اور نفوس ان سے اعراض کریں۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کہ انسان اپنے لباس اور ظاہری ہیئت میں بہت زیادہ بے اعتنائی اور بے توجہی سے کام لے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ زہد وتواضع ہے، رسول اللہ ﷺ جو اہل زہد اور تواضع اختیار کرنے والوں کے سردار ہیں، اچھا لباس زیب تن فرماتے تھے اور اپنے اہل وعیال اور اصحاب کے لیے زیب وزینت اختیار فرماتے تھے اور اس زیب وزینت اور خوبصورتی اختیار کرنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار سمجھتے تھے۔

مسلمان کا تعلق اپنے رب کے ساتھ

ایک مسلمان کے اندر اپنے رب سے اپنا تعلق مضبوط کرنے کے لیے جن خوبیوں کا ہونا ضروری ہے، درج ذیل صفحات میں ان پر گفتگو کی گئی ہے:

مسلمان کا بیدار قلب اور صاحب بصیرت ہونا:

اسلام سب سے پہلے ایک مسلمان سے جس چیز کا مطالبہ کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جیسا کہ اس پر ایمان لانے کا حق ہے، اس سے اپنا تعلق مضبوط کرے، ہمیشہ اس کے ذکر میں مشغول رہے اور اس پر توکل کرے، اسباب اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس سے مدد کا طالب رہے اور دل کی گہرائی سے یہ احساس رکھے کہ خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے اور کیسے ہی وسائل و اسباب اختیار کرلے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی قوت و نصرت اور تائید کا محتاج ہے۔

ایک برحق اور سچا مسلمان بیدار دل اور روشن ضمیر ہوتا ہے۔ وہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب کاریگری کا مشاہدہ کرتا اور یہ یقین رکھتا ہے کہ دنیاوی امور اور لوگوں کے معاملات کے پس پردہ اللہ تعالیٰ ہی کا مخفی اور بلند ہاتھ کارفرما ہے۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ ذکر الٰہی مین مشغول رہتا ہے، وہ زندگی کی ہر جھلک اور دنیا کے ہر منظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے غیر محدود آثار کا مشاہدہ کرتا ہے، جس سے اس کے ایمان، ذکر الٰہی اور توکل میں اضافہ ہوتا ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ○ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴾ (آل عمران: ۱۹۰،۱۹۱)

''زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور دن رات کے باری باری آنے میں ان عقل والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں جو اُٹھتے بیٹھے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان وزمین کی ساخت پر غور وفکر کرتے ہیں (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) پروردگار! یہ سب تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا ہے، تو پاک ہے (اس سے کہ عبث کام کرے، سوائے ربّ!) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔''

حکم الٰہی کا مطیع ہونا:

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ایک سچا مسلمان اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کی طاعت کرنے والا، اس کے سامنے عاجزی وفروتنی اختیار کرنے والا، خشوع وخضوع اختیار کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر ٹھہرنے والا، اس کے حکم کی تعمیل کرنے والا (خواہ وہ اس کی خواہش کے خلاف ہی کیوں نہ ہو) اور اس کے بتلائے ہوئے طریقہ پر چلنے والا ہو (خواہ وہ اس کے مزاج کے خلاف ہو) دراصل مسلمان کے ایمان کی کسوٹی بغیر کسی استثناء کے ہر چھوٹے بڑے کام میں اللہ اور رسول ﷺ کے احکام کی پیروی اور اتباع ہی ہے، ارشاد نبوی ہے:

((لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ)) [1]

---

[1] شرح السنة للبغوی : ۲۱۳،۳۱۲/۱۔ مشکوٰۃ ، کتاب الایمان ، باب الاعتصام بالکتاب والسنة : ۱۴۴۔

"تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا، جب تک کہ اس کی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائیں۔"

اسی طرح ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴾

(النساء: ٦٥)

"نہیں، اے محمد! تمھارے رب کی قسم! یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تمہیں فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر تم جو فیصلہ بھی کرو اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔"

یہ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی مطلق اتباع اور مکمل اطاعت ہے جس کے بغیر نہ ایمان کا تحقق ہو سکتا ہے اور نہ اسلام کا اس بنیاد پر ممکن نہیں کہ سچے مسلمان کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے طریقے سے انحراف اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے پہلو تہی ہو، ایسا نہ اس کی انفرادی زندگی میں ہو گا اور نہ اس کے خاندان کے لوگوں اور متعلقین میں ہو گا جو اس کی زیر تربیت اور زیر نگرانی ہوں جن کے سلسلہ میں وہ ذمہ دار ہو اور جن پر اسے اختیار حاصل ہو۔

اپنے متعلقین کے بارے میں جوابدہی کا احساس رکھنا:

اس لیے کہ اگر اس کے خاندان کے کسی فرد سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں کوئی تقصیر، سستی یا تفریط سرزد ہو جائے گی تو وہ اس کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بارے باز پرس ہو گی۔ حدیث رسول ﷺ ہے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ)) [1]

---

[1] بخاری، کتاب الاحکام، باب قول الله تعالىٰ: أطيعوا الله ...... الخ: ٧١٣٨۔ مسلم، کتاب الإمارة، باب فضيلة الأمير العادل ...... الخ: ١٨٢٩۔

''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''

یہ ذمہ داری سچے مسلمان کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتی، وہ اس پر صبر نہیں کر سکتا، خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں وہ اس کے اسباب کا ازالہ کرنے کی جدو جہد کرتا ہے، اس ذمہ داری پر وہی شخص خاموش رہے گا جس کے ایمان و دین میں کمزوری اور مردانگی میں کمی ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور تقدیر پر راضی رہنا:

سچا مسلمان اللہ تعالیٰ کہ فیصلے اور تقدیر پر راضی رہتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کو پیش نظر رکھتا ہے:

((عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ ! اِنَّ اَمْرَهُ كُلَّهُ لَهُ خَيْرٌ ، وَ لَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ لِلْمُؤْمِنِ ، اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ، فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ، وَ اِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهُ)) ①

''مومن کا معاملہ بھی عجیب ہے، اس کے ہر کام میں خیر ہے اور یہ معاملہ صرف مومن کے لیے ہے اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو شکر ادا کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے اور اس میں اس کے لیے خیر ہوتی ہے۔''

اس زندگی میں اسے جو کچھ پہنچتا ہے وہ خطا نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ تقدیر میں لکھا جا چکا ہے جس کو دفع کرنے پر وہ قادر نہیں ہے، اس طرح وہ یہ عقیدہ بھی رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی متعین کردہ تقدیر پر راضی ہونے سے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ ثواب ملے گا اور اس کا شمار اللہ پر ایمان لانے، اس کی اطاعت کرنے والے اور کامیاب لوگوں میں ہوگا۔

---

① مسلم، کتاب الزهد، باب المومن امره كله خير : ٢٩٩٩۔

اسی وجہ سے اس کے ہر کام میں خیر ہوتی ہے اگر اسے خوشی حاصل ہوتی ہے تو وہ اپنی زبان سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہے، جس نے اسے اس نعمت سے نوازا اور اس پر فضل و احسان کیا اور اگر اسے تکلیف لاحق ہوتی ہے تو وہ حکم الٰہی کی تعمیل پر صبر کرتا ہے، اس کی تقدیر پر رضا کا اظہار کرتا ہے لہٰذا دونوں حالتوں میں اس کے لیے خیر ہی خیر ہے۔

توبہ و استغفار کرنا:

بعض اوقات مومن پر غفلت طاری ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی لغزش یا کوئی کوتاہی سرزد ہو جاتی ہے جو ایک صاحب بصیرت، مطیع، عاجز اور خشوع و خضوع اختیار کرنے والے بندے سے نہیں ہونی چاہیے مگر بہت جلد اسے یاد آ جاتا ہے، وہ غلطی پر متنبہ ہو جاتا ہے، غفلت سے بیدار ہو جاتا ہے، لغزش سے رجوع کر لیتا ہے، کوتاہی پر استغفار کرتا ہے اور اپنے فعل پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے، توبہ و استغفار کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی و فروتنی کرتے ہوئے اپنے امن دینے والے رب کی پناہ میں آ جاتا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ ﴾ (الاعراف: ۲۰۱)

”جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے (کہ اس کے لیے صحیح طریقۂ کار کیا ہے؟)۔“

غفلت اس دل پر طاری نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا اور اسی سے ڈرتا ہو، غفلت تو صرف ان دلوں میں ڈیرہ جماتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی ہدایت سے اعراض کرتے ہوں۔ سچے مسلمان کا دل تو ہمیشہ توبہ و استغفار اور انابت کے لیے کھلا رہتا ہے، وہ ہمیشہ اطاعت، ہدایت، تقویٰ اور رضائے الٰہی سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔

رضائے الٰہی کا حصول مقصد زندگی سمجھنا:

سچا مسلمان اپنے تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی چاہتا ہے، اس کے پیش نظر ہر قدم پر اور ہر عمل میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے نہ کہ لوگوں کی رضا، بلکہ بعض اوقات تو وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے راستے میں لوگوں کو ناراض کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

«مَنِ الْتَمَسَ رِضَا اللّٰهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّٰهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَا النَّاسِ بِسَخَطِ اللّٰهِ وَكَلَهُ اللّٰهُ اِلَى النَّاسِ» [1]

"جس نے لوگوں کو ناراض کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کی تکالیف سے محفوظ رکھے گا اور جس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کر کے لوگوں کو خوش کرنا چاہا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دے گا۔"

چنانچہ وہ اپنے اعمال رضائے الٰہی کے ترازو سے تولتا ہے، جو پلڑا جھک جاتا ہے اسے قبول کر لیتا ہے اور اسی پر راضی ہو جاتا ہے اور جو پلڑا اٹھ جاتا ہے اس سے اعراض کر لیتا ہے اور اسے ترک کر دیتا ہے۔ اسی بنا پر مسلمان کے پیمانے درست رہتے ہیں، اس کے سامنے سیدھے راستے کے نقوش نمایاں رہتے ہیں اور وہ ایسی متضاد اور باہم متعارض باتوں میں نہیں پڑتا جو کم عقلی پر دلالت کریں اور جن پر لوگ ہنسیں مثلاً کسی ایک کام میں وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے اور دوسرے میں اللہ کی نافرمانی کرے یا ایک چیز کو ایک سال حلال قرار دے اور دوسرے سال حرام، کیونکہ اگر اصول صحیح ہوں، طریقہ کار واضح ہو، پیمانے متعین ہوں تو تناقض و تعارض کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جن لوگوں کو تم دیکھتے ہو کہ مسجد میں تو بڑے خشوع وخضوع سے نمازیں ادا کرتے ہیں

---

[1] ترمذی، کتاب الزهد، باب منه عاقبة من التمس رضا الناس بسخط الله و من عكسه: ٢٤١٤۔

مگر بازاروں میں سودی لین دین اور سودی کاروبار کرتے ہیں یا جن لوگوں کو دیکھتے ہو کہ گھر، بازار، مدرسہ یا محفلوں میں اپنے آپ پر، اپنے اہل وعیال پر اور اپنے متعلقین پر اللہ تعالیٰ کی شریعت نافذ نہیں کرتے، وہ اس دین کامل کی حقیقت کے بارے میں اپنے فہم وتصور میں نقص واضطراب کا شکار ہیں، سچا ایمان مسلمان کو اس کے تمام اعمال میں ایک بڑی حقیقت کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور وہ ہے ''اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی'' لیکن مضطرب لوگ بظاہر تو پکے مسلمان لگتے ہیں مگر حقیقت میں نام کے علاوہ ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، شخصیت کا یہ دورخا پن بہت خطرناک چیزوں میں سے ہے، جن میں اس زمانے کے مسلمان مبتلا ہو گئے ہیں۔

فرائض وارکان اور نوافل ادا کرنا:

سچا مسلمان اسلام کے فرائض وارکان کو کامل طور سے اور اچھی طرح سے ادا کرتا ہے، وہ ان میں ذرا سی بھی سستی، کاہلی اور تساہل نہیں برتتا۔

مسلمان کا نمازی ہونا:

وہ پنج وقتہ نمازیں وقت پر ادا کرتا ہے کیونکہ نماز دین کا ستون ہے، جس نے اسے قائم کیا، اس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اسے ترک کر دیا اس نے دین کی بنیادوں کو ڈھا دیا۔ نماز کا شمار بہترین اور افضل اعمال میں ہوتا ہے جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

> ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''سب سے اچھا عمل کون سا ہے؟'' فرمایا: ''نماز کو وقت پر ادا کرنا۔'' میں نے عرض کی: ''پھر؟'' فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔'' میں نے عرض کی: ''پھر؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے رستے میں جہاد کرنا۔'' [1]

---

① بخاری، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد والسير: ۲۷۸۲۔ مسلم: ۸۵۔

نماز بندے اور رب کے درمیان ایک تعلق ہے جس میں انسان دنیا کی مشغولیات سے کٹ کر اپنے پورے وجود کے ساتھ یکسو ہو کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اس سے ہدایت، مدد اور رہنمائی چاہتا ہے اور سیدھے راستے پر ثابت قدم رہنے کی درخواست کرتا ہے۔ اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ نماز کا شمار بہترین اور افضل اعمال میں ہوتا ہے اس لیے کہ یہ ایسا کشادہ گھاٹ ہے جس سے مسلمان تقویٰ کا توشہ حاصل کرتا ہے اور ایسا میٹھا اور صاف ستھرا سرچشمہ ہے جس کے شفاف پانی سے وہ اپنے گناہوں اور خطاؤں کو دھوتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ؟» قَالُوا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيْءٌ، قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا»①

”بھلا بتلاؤ اگر کسی کے دروازے پر ایک نہر بہتی ہو، جس میں وہ روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل رہے گا۔“ صحابہ نے عرض کی: ”اس کے جسم پر کچھ میل کچیل نہیں بچے گا۔“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”یہی مثال پنجگانہ نمازوں کی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے تمام خطاؤں کو مٹا دیتا ہے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ غَمْرٍ عَلَى بَابِ أَحَدِكُمْ، يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ»②

”پنجگانہ نمازوں کی مثال نہر کی سی ہے جو کسی کے دروازے پر بہ رہی ہو اور وہ اس میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرتا ہو۔“

---

① مسلم، كتاب المساجد، باب المشي الى الصلاة تمحى به: ٦٦٧۔

② مسلم، كتاب المساجد، باب المشي الى الصلاة ...... الخ: ٦٦٨۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت کو بوسہ دے دیا۔ پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ کو یہ عمل سرزد ہونے کے بارے میں بتلایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ (هود : ١١٤)

''نماز قائم کرو، دن کے دونوں سروں پر اور کچھ رات گزرنے پر، درحقیقت نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔''

اس شخص نے عرض کیا: ''کیا یہ صرف میرے لیے ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ میری پوری امت کے لیے ہے۔''[1]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، كَفَّارَةٌ لِّمَا بَيْنَهُنَّ مَا لَمْ تُغْشَ الْكَبَائِرُ))[2]

''پانچ وقت کی نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک، ان کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے، اس وقت جب کبائر کا ارتکاب نہ کیا جائے۔''

سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((مَا مِنِ امْرِىءٍ مُّسْلِمٍ تَحْضُرُهُ صَلَاةٌ مَّكْتُوبَةٌ فَيُحْسِنُ وُضُوءَهَا، وَخُشُوعَهَا، وَ رُكُوعَهَا إِلَّا كَانَتْ كَفَّارَةً لِّمَا قَبْلَهَا مِنَ الذُّنُوبِ، مَا لَمْ يُؤْتِ كَبِيرَةً، وَ ذٰلِكَ الدَّهْرَ كُلَّهُ))[3]

---

1. بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله : وَأَقِمِ الصَّلٰوةَ ...... الخ : ٤٦٨٧ـ مسلم : ٢٧٦٣ـ
2. مسلم، کتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة ...... الخ : ٢٣٣ـ
3. مسلم، کتاب الطهارة، باب فضل الوضوء والصلاة عقبه : ٢٢٨ـ

”فرض نماز کا وقت آئے اور کوئی شخص اچھی طرح وضو کرے پھر خشوع و خضوع کے ساتھ نماز پڑھے اور رکوع اور سجدہ اچھی طرح کرے تو یہ نماز اس کے پہلے کے تمام گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے بشرطیکہ گناہ کبیرہ سے احتراز کیا جائے اور یہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔“

نماز کی فضیلت و اہمیت اور نماز پڑھنے والوں کے لیے اس کی خیر و برکت کے سلسلہ میں احادیث، آثار اور اخبار بکثرت مروی ہیں جن کے بیان کرنے کے لیے یہ صفحات ناکافی ہیں۔

مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا:

اسی طرح ایک متقی مسلمان مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی شدید خواہش رکھتا ہے اور جس حد تک ممکن ہو اس کی کوشش کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

«صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَ عِشْرِيْنَ دَرَجَةً»①

”باجماعت نماز، تنہا نماز سے ستائیس (۲۷) گنا افضل ہے۔“

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوْءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ، وَ حُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَا دَامَ فِيْ مُصَلَّاهُ (مَا لَمْ يُحْدِثْ) اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ»②

---

① مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاۃ الجماعۃ: ٦٥٠۔ بخاری: ٦٤٥۔

② بخاری، کتاب الأذان، باب فضل الصلوٰۃ الجماعۃ: ٦٤٧، ٢١١٩۔ مسلم: ٦٤٩۔

''مسلمان جب اچھی طرح وضو کرتا ہے، پھر مسجد جاتا ہے اور صرف نماز ہی کے لیے نکلتا ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند کر دیا جاتا ہے اور ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے۔ ①

پھر جب تک نماز پڑھتا رہتا ہے، فرشتے اس وقت تک اس کے لیے دعا کرتے رہتے ہیں جب تک وہ بے وضو نہ ہو جائے۔ وہ کہتے ہیں: ''اے اللہ! اس کی بخشش فرما، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔'' اور وہ جب تک نماز کے انتظار میں رہتا ہے اس کا شمار نماز ہی میں ہوتا ہے۔''

رسول کریم ﷺ نے جماعت کا التزام کرنے والے نمازی کو (جب وہ صبح و شام مسجد جاتا ہے) جنت کی بشارت دی ہے، فرمایا:

((مَنْ غَدَا اِلَى الْمَسْجِدِ وَ رَاحَ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ ، كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ)) ②

''جو شخص صبح و شام مسجد میں نماز باجماعت ادا کرے گا، اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمان نوازی کرے گا۔''

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نماز باجماعت کی شدید خواہش رکھتے تھے، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جس شخص کو اس کا شوق ہو کہ وہ قیامت کے دن مسلمان کی طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو وہ پانچوں وقت کی نماز اس مسجد میں جہاں اذان دی جاتی ہے باجماعت ادا کرے، اللہ تعالیٰ نے تمھارے نبی کو جو طریقۂ ہدایت عطا فرمایا ہے

---

① اسی لیے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں جاتے ہوئے چھوٹے چھوٹے قدم رکھتے تھے تاکہ قدموں کی تعداد زیادہ ہو جائے اور زیادہ ثواب ملے۔

② بخاری، کتاب الأذان، باب فضل من غدا إلى المسجد : ٦٦٢۔ مسلم : ٦٦٩۔

اس میں پانچوں نمازیں با جماعت پڑھنا بھی شامل ہے اور اگر تم نے یہ نمازیں اپنے گھروں میں پڑھ لیں، کیونکہ یہ پیچھے رہ جانے والا پڑھتا ہے تو تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے، ہم نے کسی صحابی کو جماعت سے غیر حاضر ہوتے نہیں دیکھا، جماعت سے وہی شخص غیر حاضر ہوتا ہے جو کھلا ہوا منافق ہو کیونکہ بیمار بھی دو آدمیوں کے ساتھ لایا جاتا تھا اور صف میں شامل کر دیا جاتا تھا۔''[1]

رسول اللہ ﷺ نے مسجد میں نماز با جماعت کا اس قدر اہتمام کیا کہ بغیر کسی عذر کے جماعت چھوڑنے والوں کے گھر جلا دینے کا ارادہ کر لیا، ارشاد فرمایا:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ، لِیُحْتَطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَیُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَیَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلٰی رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَیْهِمْ بُیُوْتَهُمْ))[2]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے! میں نے یہ ارادہ کیا کہ کسی کو لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں، پھر نماز کے لیے اذان کہنے کا حکم دوں، پھر ایک شخص کو امامت کے لیے کہوں، پھر جو لوگ جماعت میں شریک نہ ہوں ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔''

اس کے بعد اگر ہمیں یہ معلوم ہو تو کوئی تعجب نہیں کہ سیدنا سعید بن المسیب رحمہ اللہ نے تیس سال تک مسجد میں کسی کی گردن کی پشت نہیں دیکھی اس لیے کہ وہ ہمیشہ اذان سے پیشتر ہی پہلی صف میں پہنچ جاتے تھے۔ سیدنا سعید کے علاوہ مسلمانوں کی تاریخ میں اور بھی بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

---

1. مسلم، کتاب المساجد، باب صلاة الجماعة من سنن الهدی: ٦٥٤۔
2. بخاری، کتاب الأذان، باب وجوب صلاة الجماعة: ٦٤٤۔ مسلم: ٦٥١۔

اذان سننے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جماعت میں حاضری سے کوئی چیز باز نہ رکھتی تھی خواہ ان کے گھر کتنے ہی دور کیوں نہ ہوتے، اس لیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں جماعت کی بہت زیادہ اہمیت تھی بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد سے اپنے گھروں کی دوری پر خوش ہوتے تھے کہ اس طرح مسجد تک ان کے قدموں کا شمار زیادہ ہوگا اور ان قدموں کا ثواب ان کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

ایک انصاری کا گھر مسجد سے اتنا دور تھا کہ اس سے زیادہ کسی کا گھر دور نہ تھا۔ اس کے باوجود اس کی کوئی نماز باجماعت فوت نہ ہوتی تھی۔ لوگوں نے اس سے کہا: "ایک گدھا خرید لو، رات کی تاریکی اور دن کی تپش میں اس پر سوار ہو کر آجایا کرو۔" اس نے کہا: "میرے لیے باعث مسرت یہ نہیں کہ مسجد کے پہلو میں میرا گھر ہو بلکہ میں تو چاہتا ہوں کہ میرے نشانات قدم گھر سے مسجد تک اور مسجد سے گھر تک لکھے جائیں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قَدْ جَمَعَ اللّٰهُ لَكَ ذٰلِكَ كُلَّهُ»

"اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے یہ سب کا سب جمع کر دیا ہے۔"①

جن صحابہ کے گھر مسجد نبوی سے دور تھے، ان کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت تھی کہ مسجد کے قریب کے گھروں میں منتقل نہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں پوری تاکید سے بتلایا تھا کہ مسجد آنے میں ان کے نشانات قدم کا ثواب ان کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور ان کے قدموں کی کثرت کا ثواب ضائع نہیں ہوگا۔

"سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے گرد کچھ گھر خالی ہوئے تو بنو سلمہ نے ارادہ کیا کہ مسجد کے قریب آرہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: "میں نے سنا ہے کہ تم مسجد کے قریب منتقل ہونے

① مسلم، کتاب المساجد، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد: ٦٦٣۔

کا ارادہ رکھتے ہو۔" ان لوگوں نے عرض کیا: "ہاں! اے اللہ کے رسول ! ہمارا یہی ارادہ ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنے انھی گھروں میں رہو، تمھارے گھر سے مسجد تک آنے کے نشاناتِ قدم لکھے جائیں گے۔" انھوں نے کہا: "اب ہم کو گھر بدلنا پسند نہیں۔" ①

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أَعْظَمُ النَّاسِ أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ)) ②

"جتنی دور سے کوئی نماز پڑھنے آئے گا اتنا ہی زیادہ ثواب پائے گا اور جو شخص نماز کا انتظار کرے اور پھر نماز باجماعت امام کے ساتھ ادا کرے، اسے اس شخص جیسا ثواب ملے گا جو اکیلے نماز پڑھ لے اور سو جائے۔"

خاص طور پر فجر اور عشاء کی جماعت میں حاضری پر بہت سی احادیث میں تاکید کی گئی اور رغبت دلائی گئی ہے۔ جو شخص ان دونوں نمازوں میں جماعت میں حاضر ہو اس کے لیے رسول کریم ﷺ نے بہت زیادہ ثواب بیان کیا ہے۔ یہاں میں صرف دو حدیثیں نقل کر رہا ہوں۔ پہلی حدیث سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

((مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا قَامَ نِصْفَ اللَّيْلِ وَ مَنْ صَلَّى الصُّبْحَ فِي جَمَاعَةٍ فَكَأَنَّمَا صَلَّى اللَّيْلَ كُلَّهُ)) ③

---

① مسلم، کتاب المساجد، باب کثرة الخطإ إلی المساجد : ٦٦٥۔ اس مفهوم کی روایت بخاری نے سیدنا انس رضی الله عنه سے روایت کی هے۔

② بخاری، کتاب الأذان، باب فضل الصلاة الفجر فی جماعة : ٦٥١۔

③ مسلم، کتاب المساجد، باب فضل صلاة العشاء والصبح فی جماعة : ٦٥٦۔

''جس نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی گویا اس نے آدھی رات قیام کیا اور جس نے صبح کی نماز بھی باجماعت ادا کی گویا اس نے پوری رات قیام کیا۔''

دوسری حدیث سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَيۡسَ صَلَاةٌ أَثۡقَلَ عَلَى الۡمُنَافِقِيۡنَ مِنَ الۡفَجۡرِ وَالۡعِشَاءِ، وَلَوۡ يَعۡلَمُوۡنَ مَا فِيۡهِمَا لَأَتَوۡهُمَا وَ لَوۡ حَبۡوًا)) ①

''منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ گراں کوئی نماز نہیں، اگر وہ ان کی فضیلت جان لیں تو ضرور آئیں خواہ گھسٹ کر آنا پڑے۔''

بکثرت سنن ونوافل ادا کرنا:

ایک متقی مسلمان جو آخرت میں کامیابی چاہتا ہے وہ رات اور دن کے مختلف حصوں میں اپنی نشاط اور چستی کے مطابق نوافل پڑھنے سے نہیں چوکتا، اس لیے کہ بکثرت نوافل بندے کو اس کے رب سے قریب کرتے اور اسے اس کی محبوبیت اور خوشنودی کے مقام تک پہنچا دیتے ہیں یہ ایک بلند اور معزز مقام ہے۔ جب انسان اس مقام تک پہنچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے عظیم قوت سے نوازتا ہے چنانچہ وہ اس کا کان بن جاتا ہے، جس سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کا ہاتھ ہو جاتا ہے جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اس حدیث قدسی سے اس کی تائید ہوتی ہے:

((مَا زَالَ عَبۡدِيۡ يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰى أَحۡبَبۡتُهٗ فَكُنۡتُ سَمۡعَهُ الَّذِيۡ يَسۡمَعُ بِهٖ، وَ بَصَرَهُ الَّذِيۡ يُبۡصِرُ بِهٖ، وَ يَدَهُ الَّتِيۡ يَبۡطِشُ بِهَا، وَ رِجۡلَهُ الَّتِيۡ يَمۡشِيۡ بِهَا، وَ إِنۡ سَأَلَنِيۡ لَأُعۡطِيَنَّهٗ، وَلَئِنِ اسۡتَعَاذَنِيۡ لَأُعِيۡذَنَّهٗ)) ②

---

① بخاری، کتاب الأذان، باب فضل صلاة العشاء فی الجماعة: ٦٥٧۔

② بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع: ٦٥٠٢۔

''میرا بندہ برابر نوافل کے ذریعہ مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو اسے دیتا ہوں اور اگر میری پناہ طلب کرتا ہے تو اسے پناہ دیتا ہوں۔''

جب بندے سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگتا ہے تو دنیا اور آسمان کے لوگ بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَقَالَ : إِنِّيْ أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ، قَالَ : فَيُحِبُّهُ جِبْرَئِيلُ، ثُمَّ يُنَادِيْ فِي السَّمَاءِ فَيَقُوْلُ : إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ قَالَ : ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ، وَ إِذَا أَبْغَضَ اللّٰهُ عَبْدًا دَعَا جِبْرَئِيلَ فَيَقُوْلُ : إِنِّيْ أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ، قَالَ : فَيُبْغِضُهُ جِبْرَئِيلُ، ثُمَّ يُنَادِيْ فِيْ أَهْلِ السَّمَاءِ إِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوْهُ، قَالَ : فَيُبْغِضُوْنَهُ، ثُمَّ تُوْضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ)) [1]

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا اور کہتا ہے: ''میں اپنے فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔'' چنانچہ جبریل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر وہ آسمان میں اعلان کرتے اور فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتا ہے تم لوگ بھی اس سے محبت

---

[1] مسلم، كتاب البر والصلة، باب إذا أحب الله عبدًا ...... الخ : ٢٦٣٧۔ بخاری : ٧٤٨٥۔

کرو۔'' چنانچہ آسمان کے لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر اسے زمین میں بھی مقبول بنا دیا جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام کو بلاتا اور کہتا ہے: ''میں فلاں سے بغض رکھتا ہوں تم بھی اس سے بغض رکھو۔'' چنانچہ جبریل اس سے بغض رکھتے ہیں اور آسمان کے لوگوں میں اعلان کر دیتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اس سے بغض رکھتا ہے تم لوگ بھی اس سے بغض رکھو۔'' چنانچہ وہ لوگ بھی اس سے بغض کرنے لگتے ہیں، پھر دنیا میں بھی اسے مبغوض بنا دیا جاتا ہے۔''

اسی لیے رسول اللہ ﷺ رات کو اتنی دیر تک نماز پڑھتے رہتے کہ آپ ﷺ کے قدموں میں ورم آجاتا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پوچھتی ہیں:

''اے اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیے ہیں۔'' آپ ﷺ جواب دیتے ہیں:

((اَفَلَا اَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا)) ①

''کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔''

نماز کو خشوع وخضوع سے پڑھنا:

سچا مسلمان کوشش کرتا ہے کہ اس کی تمام نمازیں اچھی طرح ادا ہوں اور تمام شرائط پوری ہوں۔ اس کی نماز محض قیام وقعود اور حرکات وسکنات کا مجموعہ نہ ہو کہ نماز پڑھتے ہوئے ذہن منتشر ہو، نفس پراگندہ ہو اور دل خالی ہو۔

اسی طرح وہ نماز کے بعد فوراً واپس نہیں آجاتا کہ زندگی کی مصروفیات میں منہمک ہو جائے اور اس کے تیز دھارے میں بہنے لگے بلکہ وہ نماز کے بعد دعا واستغفار اور ان اذکار و تسبیحات میں مشغول رہتا ہے جن کے بارے میں حدیث میں صراحت کی گئی ہے۔ اس

① بخاری، کتاب التہجد، باب قیام النبی ﷺ اللیل: ۱۱۳۰۔ مسلم: ۲۸۱۹۔

کے بعد بزرگ و برتر ذات باری سے دل کی گہرائیوں سے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا مانگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دنیا و آخرت دونوں کی بھلائیوں سے نوازے اور اس کا معاملہ درست فرما دے۔ اس طرح نماز روح و دل کی پاکیزگی اور نفس کے تزکیہ میں نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔'' اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«وَجُعِلَ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلَاةِ» ①

''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔''

اس طرح سچے اور خشوع وخضوع سے نماز پڑھنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی پناہ اور اس کی نگرانی میں رہتے ہیں۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو گھبراتے نہیں اور جب کوئی خیر نصیب ہوتی ہے تو بخل سے کام نہیں لیتے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۝ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۝ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۝ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴾ (المعارج: ۱۹)

''انسان تھڑدلا پیدا کیا گیا ہے، جب اس پر مصیبت آتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور جب اسے خوشحالی نصیب ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، مگر وہ لوگ اس عیب سے بچے ہوئے ہیں جو نماز پڑھنے والے ہیں۔''

زکوٰۃ ادا کرنا:

مسلمان اگر مال دار ہوتا ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو وہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اس فریضہ میں اس پر جتنے مال کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اس کا پوری باریک بینی، امانت اور تقویٰ سے حساب لگاتا ہے اور اسے شرعی مصارف میں خرچ کرتا ہے۔ اس پر واجب ہونے والی زکوٰۃ کی مقدار خواہ لاکھوں اور کروڑوں تک پہنچ جائے تو بھی اس کے دل کے کسی گوشہ میں کبھی یہ خیال نہیں پھٹکتا اسے ادا کرنے سے وہ راہ فرار اختیار کرلے۔

---

① نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء: ۳۳۹۱۔ مسند احمد: ۱۲۸/۲۔

اس لیے کہ زکوٰۃ ایک متعین مالی اور تعبدی فریضہ ہے۔ شریعت کے بیان کے مطابق اس کی پوری پوری ادائیگی میں سچا مسلمان کوتاہی نہیں کرسکتا۔ اس کے ادا کرنے میں تو وہی مسلمان عذر اور بہانہ تلاش کرے گا جس کی دین داری میں کھوٹ ہو، جس کے نفس میں تنگی ہو اور جس کے کردار میں کجی ہو۔ ہمارے لیے یہی جان لینا کافی ہے کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا مستحق قتل ہے اور اس کا خون مباح ہے یہاں تک کہ وہ اس کی پوری پوری ادائیگی کر دے جس طرح کہ دین کے احکام میں بتلایا گیا ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مرتدین کے سلسلہ میں یہ ارشاد رہتی دنیا تک گونجتا رہے گا اور دین و دنیا کے تعلق کے بارے میں اس دین کی عظمت کا اعلان کرتا رہے گا:

((وَاللّٰهِ! لَأُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَيْنَ الصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ)) [1]

"اللہ کی قسم! میں ان لوگوں سے جنگ کروں گا جنھوں نے نماز اور زکوٰۃ کو الگ الگ کر دیا ہے۔"

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی قسم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کامل کے مزاج اور اس کی بنیاد قائم کرنے میں نماز اور زکوٰۃ کے درمیان گہرے تعلق کے بارے میں ان کا فہم انتہائی عمیق تھا کیونکہ انھوں نے دیکھ لیا تھا کہ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں پے در پے، یکے بعد دیگرے اور ایک ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر ہے:

﴿ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ﴾ (المائدة: ٥٥)

"جو نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔"

﴿ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ (البقرة: ٤٣)

"نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔"

---

[1] بخاری، كتاب الزكوة، باب وجوب الزكوٰة: ١٤٠٠ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله: ٢٠ـ

﴿وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ﴾ (البقرة: ٢٧٧)

''اور نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے ہیں۔''

رمضان کے روزے رکھنا اور قیام کرنا:

سچا مسلمان ایمان اور اجر کی خاطر رمضان کے روزے رکھتا ہے اور ایمان اس کے دل میں جاگزیں ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِيْمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَلَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ))①

''جو شخص رمضان میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے روزے رکھے گا اس کے تمام پچھلے گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

اسی طرح وہ روزہ کے آداب کا خیال رکھتا ہے۔ زبان، نگاہ اور دیگر اعضا کو ان چیزوں سے محفوظ رکھتا ہے جن سے اس کا روزہ مخدوش ہو یا اس سے اجر میں کمی واقع ہو۔ ارشاد نبوی ہے:

((إِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ فَلَا يَرْفُثْ يَوْمَئِذٍ وَ لَا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَهُ فَلْيَقُلْ: اِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ))②

''روزہ کے دن روزہ دار کو چاہیے کہ بے حیائی کے کام کرے اور نہ شور و شغب مچائے اور اگر کوئی اسے گالی دے یا لڑنے پر آمادہ ہو تو کہہ دے: ''میں روزہ سے ہوں۔''

((مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ أَنْ يَّدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ))③

---

① بخاری، کتاب الصیام، باب من صام رمضان ...... الخ: ١٩٠١۔ مسلم: ٧٦٠۔

② بخاری، کتاب الصیام، باب هل يقول انی صائم ...... الخ: ١٩٠٤۔ مسلم: ١١٥١۔

③ بخاری، کتاب الصوم، باب من لم يدع قول الذور ...... الخ: ١٩٠٣۔

"جس شخص نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا اور جھوٹی بات پر عمل کرنا نہیں چھوڑا، اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے۔"

روزہ دار مسلمان کو یاد رہنا چاہیے کہ وہ جس مہینے میں روزہ رکھ رہا ہے وہ دوسرے مہینوں سے مختلف ہے، وہ روزہ کا مہینا ہے اور روزہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہی اس کا بدلہ دے گا۔ غنی، فضل و احسان کرنے اور رحمتوں سے نوازنے والے اللہ تعالیٰ کا بدلا اتنا زیادہ اور اتنا عام ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ يُضَاعَفُ، الْحَسَنَةُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا إِلَى سَبْعِمِائَةِ ضِعْفٍ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ: إِلَّا الصَّوْمَ فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، يَدَعُ شَهْوَتَهُ وَ طَعَامَهُ مِنْ أَجْلِي، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ: فَرْحَةٌ عِنْدَ فِطْرِهِ، وَ فَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ رَبِّهِ، وَ لَخُلُوفُ فِيهِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ» [1]

"آدمی کا ہر عمل بڑھا دیا جاتا ہے، ہر نیکی پر دس گنا سے سات سو گنا تک اجر دیا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ تو خاص میرے لیے ہے، میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، اس لیے کہ اس کا کھانا پینا چھوڑنا اور خواہشات نفسانی کو ترک کرنا میری خاطر تھا اور روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں ایک اس وقت جب وہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی اسے اپنے رب سے ملاقات کے وقت حاصل ہوگی۔ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے زیادہ پسندیدہ ہے۔"

اس لیے باہوش اور باشعور مسلمان پر واجب ہے کہ وہ اس مبارک مہینے کے مختصر اوقات کو غنیمت جانے اور اس میں صالح عمل کرے، دن میں روزہ، نماز، تلاوت، صدقہ

---

[1] مسلم، کتاب الصیام، باب فضل الصیام: ۱۱۵۱۔

اور دیگر نیک اعمال کے ذریعے اور رات کو نوافل، تہجد اور دعا کے ذریعے۔ ارشاد ہے:

«مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» ①

''جس نے ایمان کی حالت میں اور اجر چاہتے ہوئے رمضان میں قیام کیا اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔''

رسول اللہ ﷺ رمضان میں اور خاص طور پر آخری عشرے میں جس کثرت سے اعمال صالحہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اس طرح دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ جس قدر اعمال صالحہ کی رمضان کے آخری عشرہ میں کوشش کرتے تھے اتنی رمضان کے دوسرے دنوں میں نہیں کرتے تھے۔'' ②

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کی راتوں میں شب بیداری فرماتے، اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور خود بھی کمر کس کر تیار ہو جاتے۔'' ③

آپ ﷺ شب قدر تلاش کرنے کا حکم دیتے اور اس میں نوافل وغیرہ پڑھنے کی ترغیب دلاتے۔ ارشاد ہے:

''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔'' ④

نیز فرمایا:

---

❶ بخاری، کتاب صلاة التراویح، باب فضل من قام رمضان: ۲۰۰۹۔ مسلم: ۷۵۹۔

❷ مسلم، کتاب الاعتکاف، باب الاجتهاد فی العشر الاواخر ...... الخ: ۱۱۷۵۔

❸ بخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب العمل...... : ۲۰۲٤۔ مسلم: ۱۱۷٤۔

❹ بخاری، کتاب فضل لیلة القدر، باب تحری لیلة القدر ...... الخ: ۲۰۲۰۔ مسلم: ۱۱٦٥۔

''شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔'' ①

ایک حدیث میں ہے:

((مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيمَانًا وَ احْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ)) ②

''جس نے شب قدر میں ایمان کی حالت اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے نوافل ادا کیے اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے۔''

یہ مبارک مہینا خالص عبادت کا مہینا ہے، اس میں ایک سنجیدہ مسلمان کے لیے کسی طرح گنجائش نہیں وہ کہ رات لہو ولعب میں بسر کرے اور خواہ مخواہ جاگتا رہے یہاں تک کہ جب طلوع فجر کا وقت قریب ہو اور اس پر نیند طاری ہونے لگے تو چند لقمے کھا لے، بستر پر پڑ رہے، خراٹے لینے لگے اور فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے اٹھنے کی ''زحمت'' بھی نہ کرے۔

ایک متقی اور دین کی تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا مسلمان تراویح کی نماز سے واپس آتا ہے تو زیادہ دیر نہیں جاگتا کیونکہ تھوڑی دیر کے بعد اسے تہجد پڑھنے اور سحری کھانے کے لیے اٹھنا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سحری کھانے کا حکم دیا ہے کیونکہ اس میں بہت زیادہ برکت ہے، فرمایا:

((تَسَحَّرُوا فَإِنَّ فِي السَّحُورِ بَرَكَةً)) ④

''سحری کھاؤ، کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔''

اس لیے کہ سحری کے لیے بیداری تہجد کی نماز کی یاد دلاتی ہے اور فجر کی نماز ادا کرنے

---

❶ بخاری، کتاب فضل لیلۃ القدر، باب تحری لیلۃ القدر فی الوتر ...... الخ: ۲۰۱۷۔

❷ بخاری، کتاب الصوم، باب من صام رمضان ...... ۱۹۰۱۔ مسلم: ۷۶۰۔

❸ بخاری، کتاب الصوم، باب برکۃ السحور من غیر إیجاب: ۱۹۲۳۔ مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور و تاکید استحبابه ...... الخ: ۱۰۹۵۔

کے لیے نفس کو مسجد جانے کے لیے چست اور ہشاش بشاش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس سے جسم کو روزہ پر تقویت حاصل ہوتی ہے، رسول اللہ ﷺ خود بھی ایسا ہی کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی اس پر آمادہ کرتے تھے۔

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سحری کھائی، پھر فجر کی نماز کے لیے نکلے، کسی نے پوچھا:

''سحری اور نماز کے درمیان کتنا وقفہ تھا؟'' فرمایا: ''پچاس آیتیں پڑھنے کے برابر۔''①

نفلی روزے رکھنا:

متقی اور بیدار مسلمان رمضان کے علاوہ دیگر نفلی روزے (جیسے عرفہ، عاشوراء اور تاسوعہ کے روزے) بھی رکھتا ہے۔ ان دنوں کے روزے وہ افضل ترین اعمال ہیں جن سے گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ سے عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَحْتَسِبُ عَلَى اللّٰهِ اَنْ يُّكَفِّرَ السَّنَةَ الَّتِيْ قَبْلَهُ وَ السَّنَةَ الَّتِيْ بَعْدَهُ))②

''میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ وہ (عرفہ کے روزہ کی وجہ سے) گزشتہ اور آئندہ سال کے گناہ معاف فرما دے گا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عاشورہ کے دن خود بھی

---

① بخاری، کتاب الصوم، باب قدر کم بین السحور و صلاۃ الفجر؟ : ۱۹۲۱۔ مسلم، کتاب الصیام، باب فضل السحور و تاکید استحبابه ...... الخ : ۱۰۹۷۔

② مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة إیام من کل شهر ...... الخ : ۱۱۶۲۔

روزہ رکھا اور دوسروں کو رکھنے کا حکم بھی دیا۔ ①

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عاشورہ کے روزوں کے بارے میں دریافت کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«يُكَفِّرُ السَّنَةَ الْمَاضِيَةَ» ②

''یہ گزشتہ سال کے روزوں کا کفارہ ہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَئِنْ بَقِيتُ إِلَى قَابِلٍ لَأَصُومَنَّ التَّاسِعَ» ③

''اگر آئندہ (سال) زندگی رہی تو میں نو (۹) محرم کو بھی روزہ رکھوں گا۔''

یہی فضیلت شوال کے چھ روزوں کی ہے، ان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ، ثُمَّ أَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ» ④

''جس نے رمضان اور پھر شوال کے چھ روزے رکھے، اس نے گویا پورے زمانے کے روزے رکھے۔''

جن دنوں میں روزہ رکھنا مستحب ہے ان میں ہر مہینے کے تین دن بھی ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میرے خلیل (رسول اللہ ﷺ) نے مجھے تین کاموں کی وصیت فرمائی ہے: ہر مہینے میں تین روزے رکھنے، چاشت میں دو رکعت نماز پڑھنے اور سونے سے

---

① بخاری، کتاب الصوم، باب صوم یوم عاشوراء: ۲۰۰٤۔ مسلم: ۱۱۳۰۔

② مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثة إیام من کل شهر ...... الخ: ۱۱٦۲۔

③ مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستة ایام من شوال اتباعًا لرمضان: ۱۱٦٤۔

④ مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صوم ستة إیام من شوال اتباعا لرمضان: ۱۱٦٤۔

پہلے نماز پڑھنے کی۔'' ①

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میرے محبوب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے تین کاموں کی وصیت فرمائی ہے، میں انھیں زندگی بھر نہیں چھوڑوں گا: ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھنے، چاشت کی نماز پڑھنے اور سونے سے پہلے وتر پڑھنے کی۔'' ②

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہر ماہ تین دن کے روزے پورے زمانے کے روزوں کے برابر ہیں۔'' ③

نصوص میں جن تین دنوں کی تعیین کی گئی ہے وہ ہر مہینا کی ۱۳، ۱۴ اور ۱۵ تاریخوں پر مشتمل ہیں، انھیں ''ایام بیض'' کہتے ہیں۔ بعض دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے بغیر کسی تعیین کے تین دن کے روزے رکھتے تھے۔

سیدہ معاذہ العدویہ سے روایت ہے کہ انھوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا:

''کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے تین دن کے روزے رکھتے تھے؟'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''ہاں!'' انھوں نے پھر دریافت کیا: ''آپ مہینے کے کن دنوں میں روزہ رکھتے تھے؟'' فرمایا: ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کوئی خیال نہیں رکھتے تھے کہ مہینا میں کون سے دن روزہ رکھیں۔'' ④

---

① بخاری، کتاب الصوم، باب صیام البیض ...... الخ : ۱۹۸۱۔ مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ الضحی ...... الخ : ۷۲۱۔

② مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ الضحی ...... الخ : ۷۲۲۔

③ بخاری، کتاب الصوم، باب صوم الدھر : ۱۹۷۶۔ مسلم، کتاب الصیام، باب النھی عن صوم الدھر لمن تضرر بہ : ۱۱۵۹۔

④ مسلم، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ إیام من کل شھرٍ ...... الخ : ۱۱۶۰۔

حج بیت اللہ کرنا:

ایک مسلمان کی جو اپنے دین کے طریقہ سے واقف ہے یہ خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ بیت اللہ تک پہنچنے کی استطاعت رکھے گا تو حج کرے گا۔ وہ مقدس دیار کی طرف سفر کرنے سے پہلے حج کے احکام کا تفصیلی مطالعہ کرتا ہے اور حج کے ہر چھوٹے بڑے عمل سے واقفیت حاصل کرتا ہے چنانچہ جب مناسک حج ادا کرنا شروع کرتا ہے تو اس کا حج صحیح اور مکمل ہوتا ہے۔ یہ عظیم فریضہ جن بلیغ حکمتوں پر مشتمل ہے ان کو وہ اچھی طرح سمجھتا ہے اور انھیں ذہن نشین رکھتا ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ ایمان کی طمانیت اس کے نفس میں موجزن ہے اور اسلام کی بشاشت اس کے وجود کو ڈھانکے ہوئے ہے۔

چنانچہ وہ اس حج مبرور کے بعد اہل وعیال کی طرف اس حال میں پلٹ کر آتا ہے کہ اس کے گناہ اس طرح دھل جاتے ہیں جیسے وہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ اس کا دل اس دین کی عظمت سے معمور ہوتا ہے جس نے زمین کی تمام اقوام کو "بیت اللہ" کے گرد جمع کیا۔ حج قوموں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس ہے جسے دنیا صرف حج ہی میں دیکھ سکتی ہے جبکہ مختلف رنگ وجنس اور زبان کے حاجی ایک ساتھ تلبیہ و تہلیل وتکبیر وتسبیح اور اللہ واحد و بزرگ و برتر کی حمد بیان کرتے ہیں۔

عمرہ ادا کرنا:

ایک مطیع وفرمانبردار مسلمان اپنے رب کے اس حکم کو بھی ہمیشہ ذہن نشین رکھتا ہے کہ اسے حج کے دنوں کے علاوہ بھی بیت اللہ کی طرف عمرہ ادا کرنے لیے حاضر ہونا ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اس کے پاس زاد راہ موجود ہو اور اسباب میسر ہوں۔ خاص طور پر رمضان میں عمرہ کی ادائیگی تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج ادا کرنے کے برابر ثواب رکھتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"جب نبی ﷺ حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو ام سنان انصاریہ سے پوچھا:

''آپ کو حج کرنے سے کس چیز نے روک دیا۔'' انھوں نے جواب دیا: ''ابو فلاں نے (ان کی مراد ان کا خاوند تھا) ان کے پاس صرف دو اونٹ ہیں ایک وہ اپنے ساتھ حج پر لے گئے اور دوسرا ہماری زمینیں سیراب کرتا ہے۔'' اس پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((فَإِنَّ عُمْرَةً فِي رَمَضَانَ تَقْضِي حَجَّةً أَوْ حَجَّةً مَعِي)) ①

''یقیناً رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج کرنے کے برابر یا (فرمایا) میرے ساتھ حج کرنے کے برابر (ثواب رکھتا) ہے۔''

مومن کی زندگی کا سراپا بندگی ہونا:

مسلمان کا یہ پختہ عقیدہ ہوتا ہے کہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں سب اس لیے پیدا کی گئی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ (الذاریات: ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے علاوہ کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اظہار انسان کی ان تمام ایجابی اور تعمیری حرکات سے ہوتا ہے جو وہ دنیا کی آباد کاری، زمین پر اس کے احکام نافذ کرنے اور زندگی میں اس کے بتلائے ہوئے طریقۂ کار کو عملی طور پر تطبیق دینے کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اظہار اس احساس بندگی سے بھی ہوتا ہے جو مسلمان کے ضمیر میں جاگزیں اور اس کے تمام اعمال کا مرکز ومحور ہوتا ہے اور وہ انھیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے انجام دیتا ہے، مسلمان کے اعمال کا شمار بھی اسی طرح عبادت میں ہوتا ہے جس طرح کہ شعائر کی ادائیگی عبادت سمجھی جاتی ہے بشرطیکہ تمام اعمال میں اس کی نیت یہ ہو کہ انھیں وہ اللہ تعالیٰ

---

① بخاری، کتاب فضائل المدینہ، باب حج النساء: ١٨٦٣۔

کی راہ میں انجام دے رہا ہے۔

سب سے عظیم تعبدی عمل جو ایک سچا مسلمان انجام دیتا ہے وہ ہے زمین پر شریعت الٰہی کا نفاذ اور زندگی میں نظام الٰہی کی تطبیق کے لیے جدو جہد، جس سے یہ الٰہی نظام فرد، خاندان، معاشرہ اور ملک پر حکومت کر سکے۔

سچا مسلمان یہ احساس رکھتا ہے کہ اس کی عبادت ناقص رہے گی اگر وہ اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے جس کے لیے جن وانس کو پیدا کیا گیا ہے اور وہ مقصد ہے ''زمین پر اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنا'' صرف اسی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تحقق ہو سکتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات: ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے علاوہ کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔''

اور صرف اسی سے اصل زندگی میں ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا مفہوم واضح ہو سکتا ہے۔

اسلام میں حقیقت عبادت کی اس صحیح فکر اور واضح تصور کی بدولت مسلمان اپنی زندگی میں ایک پیغام کا حامل ہوتا ہے، وہ یہ کہ ''زندگی کے مختلف معاملات میں حکمرانی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے'' اس پیغام کے علم بردار ہوئے بغیر اس کا اسلام مکمل نہیں ہو سکتا اور جب تک وہ زندگی میں اس مقصد کے حصول کے لیے سنجیدہ و مخلص جدو جہد اور عمل پیہم پر آمادہ نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ کی عبادت کا تحقق نہیں ہو سکتا۔ یہی پیغام مسلمان کو اسلام کی طرف صحیح انتساب کی شناخت دیتا ہے، یہی پیغام اسے سچے اور جہاد کرنے والے مسلمانوں کے زمرہ میں داخل کرتا ہے، یہی پیغام زندگی کو اسلام کی نظر میں با مقصد بناتا ہے، یہی اسلام زمین میں انسان کی خلافت کے لائق ہے، یہی اس دنیا میں انسان کا مقصد وجود ہے اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اسے بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾

(بنی اسرائیل : ٧٠)

''ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی اور تری میں سواریاں عطا کیں اور ان کو پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر نمایاں فوقیت بخشی۔''

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سچا مسلمان اس پیغام کی طرف موسم بہار کی طرح متوجہ ہو، اس پر اپنی تمام آسائشیں قربان کر دے اور اپنے تمام خزانے نچھاور کر دے۔ اس کی نصرت کے راستے میں اپنا وقت، اپنی جدو جہد اور اپنا مال و دولت قربان کر دے کیونکہ یہ اس کی زندگی کا امتیازی نشان، اس کے وجود کا بلند مقصد اور تقرب الٰہی کا عنوان ہے جس کے بغیر زندگی کا کوئی مقصد نہیں اور جس کے مفقود ہونے سے اس کا وجود بے مقصد ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی و خوشنودی اس وقت تک حاصل نہیں کی جا سکتی جب تک کہ اس مقصد کے حصول کے لیے عمل پیہم اور جہد مسلسل نہ کی جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک عظیم عبادت بھی ہے جسے ایک سچا اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنے والا مسلمان انجام دیتا ہے۔ وہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ یہ عظیم عمل اسے اللہ تعالیٰ سے قریب کرتا ہے اور اس سے اس کی رضا حاصل ہوتی ہے، اسی لیے باشعور مسلمان ہمیشہ اس پیغام کی نصرت کرنے اور زندگی میں یہ عظیم مقصد حاصل کرنے کے لیے کمر بستہ رہتا ہے۔ اس کی محبت صرف اس پیغام سے ہوتی ہے، وہ صرف اسی کا علمبردار ہوتا ہے اور اس کے علاوہ وہ کسی دوسرے عقیدہ کو نہیں اپناتا۔

قرآن کی بکثرت تلاوت کرنا:

اس عظیم اور روشن مقصد تک پہنچنے کے لیے مسلمان ہمیشہ قرآن کے دراز اور معطر

سایہ تلے رہتا ہے۔ جہاں وہ ہدایت کے ٹھنڈے اور جانفزا جھونکوں سے لطف اندوز ہوتا ہے اور خیر کے آفاق کی طرف نگاہیں لگاتا ہے۔ قرآن کریم کی آیات اس کی رہنمائی کرتی ہیں اور اس کے سامنے آفاق کو کھول دیتی ہیں چنانچہ وہ تدبر و تفکر، بصیرت اور خشوع وخضوع کے ساتھ کثرت سے تلاوت کرتا ہے چنانچہ اس کے معانی اس کے نفس میں سرایت کر کے اس کا تزکیہ کرتے ہیں، اس کی عقل میں پہنچ کر اس کی پرورش کرتے ہیں اور اس کے دل میں جاگزیں ہو کر ایمان وطمانیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ﴾ (الرعد : ۲۸)

''آگاہ رہو! دلوں کا اطمینان تو بس اللہ کے ذکر ہی میں ہے۔''

متقی اور باہوش مسلمان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ قاریٔ قرآن کی اس خوبصورت اور پسندیدہ تصویر کا مشاہدہ کرے جس کی تصویر کشی رسول اللہ ﷺ نے اپنے بلیغ اور بے مثل فرمان سے کی ہے تاکہ مسلمان دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں قرآن کی تلاوت کرے اور اس کے بلند، مبارک اور روشن معانی میں غور وفکر کرے، ارشاد ہے:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْاُتْرُجَّةِ، رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُھَا طَیِّبٌ، وَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ التَّمْرَةِ، لَا رِیْحَ لَھَا وَ طَعْمُھَا حُلْوٌ، وَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ یَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الرَّیْحَانَةِ، رِیْحُھَا طَیِّبٌ وَ طَعْمُھَا مُرٌّ، وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَیْسَ لَھَا رِیْحٌ وَ طَعْمُھَا مُرٌّ)) ①

---

① مسلم، كتاب صلاة المسافرين، باب فضيلة حافظ القرآن : ۷۹۷۔ بخاری، كتاب فضائل القرآن، باب فضل القرآن على سائر الكلام : ۵۰۲۰۔

"جو مومن قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال "اترجہ"[1] کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی اور ذائقہ بھی لذیذ ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ اس میں خوشبو تو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ میٹھا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن شریف پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ (نازبو۔کلی) کی ہے کہ اس میں خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے اور جو منافق قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال حنظلہ (اندرائن کا درخت جس کا پھل نارنگی جیسا مگر انتہائی تلخ ہوتا ہے) کی ہے کہ اس کی کوئی خوشبو نہیں ہوتی اور ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهِ»[2]

"قرآن مجید پڑھا کرو، یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کرنے والے کی حیثیت سے آئے گا۔"

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَرَةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَ يَتَتَعْتَعُ فِيْهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ، لَهُ أَجْرَانِ»[3]

"جو شخص قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھتا ہے وہ معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا اور جو اٹک اٹک کر مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دگنا اجر ہے۔"

کیا اس کے بعد بھی سچا مسلمان قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معانی میں تدبر و تفکر

---

1. اترجہ چکوترہ کی طرح ایک پھل ہے جس کی بو اچھی ہوتی ہے۔۔
2. مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن و سورۃ البقرۃ: ٨٠٤۔
3. مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل ماهر القرآن والذی یتتعتع فیه: ٧٩٨۔ بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ عبس: ٤٩٣٧۔

میں تردد کرسکتا ہے؟ ایک سچے مسلمان کا اپنے رب سے ایسا ہی تعلق ہونا چاہیے۔ سچا اور گہرا ایمان، نیک اور مسلسل عمل اور اس کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کی پیہم خواہش جس سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اثبات ہوتا ہے اور وہ مقصد حاصل ہوتا ہے جس کے لیے اس دنیا میں انسان کو وجود بخشا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کی تعیین اس آیت میں کی ہے، ارشاد ہے:

﴿ وَ مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاريات: ٥٦)

''میں نے جنوں اور انسانوں کو اس کے علاوہ کسی کام کے لیے نہیں پیدا کیا کہ وہ میری بندگی کریں۔''

❀......❀......❀

باب دوم

مسلمان کا تعلق
اپنے نفس
کے ساتھ

امت اسلامیہ جو جاہلیت کے صحرا میں حیران و سرگشتہ پھر رہی ہے، غلامی و محکومی کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں غرق ہے اور عصبیت کے بیابانوں میں بھٹک رہی ہے، جس دن الٰہی نظام کے وسیع اور گھنے سایہ میں آجائے گی، اس دن وہ پھر متحد، مضبوط، باہم محبت کرنے والی، طاقتور، زبردست اور آزاد امت کی حیثیت سے نمودار ہوگی اور اس وقت نہ اس کا ہتھیار کند ہوگا، نہ اس کا جھنڈا سرنگوں ہوگا اور نہ اس کے لشکر کو شکست ہوگی۔ اس لیے کہ اس دن وہ ایمان کی علمبردار امت ہوگی اور اللہ رب العزت نے اپنی محکم کتاب میں اعلان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان کی علمبردار امت کی مدد کرے گا:

﴿ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الروم: ٤٧)

''اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔''

مسلمان کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ

اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان لوگوں کے درمیان نمایاں رہیں اور انھیں دوسروں کے مقابلہ میں اپنے لباس، ہیئت اور اعمال و تصرفات میں امتیاز حاصل رہے تاکہ وہ ان کے لیے اچھا نمونہ ثابت ہوں اور عظیم پیغام کے حامل ہو سکیں۔ صحابی جلیل سیدنا ابن حنظلیہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ صحابہ سفر سے اپنے گھروں کو واپس ہو رہے تھے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّكُمْ قَادِمُونَ عَلَى إِخْوَانِكُمْ فَأَصْلِحُوا رِحَالَكُمْ وَأَصْلِحُوا لِبَاسَكُمْ حَتَّى تَكُونُوا كَأَنَّكُمْ شَامَةٌ فِي النَّاسِ ، فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَ لَا التَّفَحُّشَ» ①

”تم لوگ اپنے بھائیوں کے پاس جا رہے ہو اس لیے اپنے کجاووں کو درست کر لو اور اپنے لباس ٹھیک کر لو تاکہ تم لوگوں کے درمیان ممتاز اور نمایاں رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فحاشی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔“

کجاوہ سے مراد وہ چیز ہے جو اونٹ کی پیٹھ پر سوار ہوتے وقت رکھتے ہیں، فحش اور تفحش سے مراد وہ کام ہے جو بہت زیادہ قبیح ہو، رسول اللہ ﷺ نے بری ہیئت پر توجہ نہ دینے اور

---

① ابو داؤد، كتاب اللباس، باب ما جاء في إسبال الإزار : ٤٠٨٩۔

لباس اور بچھانے والی چیزوں میں وقار کا لحاظ نہ رکھنے کو فحش اور تفحش میں شمار کیا ہے۔ اسلام اس چیز کو ناپسند کرتا ہے اور اس سے منع کرتا ہے۔

سچا مسلمان اپنی عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ جنھیں وہ اس زندگی میں انجام دیتا ہے اپنے نفس سے بے توجہی نہیں برتتا، وہ اپنی ذات کو نہیں بھولتا کیونکہ اس کے تصور میں انسان کا شماراس کے باطن سے الگ نہیں ہوسکتا۔ صاف ستھری، مہذب اور خوبصورت شکل وصورت، پراز معانی اور جوہر گرانمایہ کہلانے کی زیادہ مستحق ہے اور انھی چیزوں سے ایک مسلمان داعی کی شخصیت کی تشکیل ہوتی ہے۔

ایک سچا، باشعور اور پختہ مسلمان اپنے جسم، عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رکھتا ہے اور ہر ایک کو اس کا حق دیتا ہے۔ نہ کسی ایک پہلو میں غلو کرتا ہے نہ دوسرے پہلو کے حق میں کمی کرتا ہے۔ وہ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ بہت زیادہ عبادت کرتے ہیں تو ان سے فرمایا:

> ”مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مستقل دن میں روزہ رکھتے ہو اور رات میں نوافل پڑھتے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟“ انھوں نے عرض کیا: ”جی ہاں! اے اللہ کے رسول!“ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”ایسا نہ کرو، روزہ بھی رکھو اور کچھ دن روزہ نہ بھی رکھو، سوؤ بھی اور نوافل بھی پڑھو، تم پر تمھارے بدن کا بھی حق ہے، تمھاری آنکھوں کا بھی حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمھارے مہمانوں اور ملاقات کرنے والوں کا بھی حق ہے......۔“[1]

مسلمان اپنے جسم، عقل اور روح کے درمیان کس طرح توازن برقرار رکھ سکتا ہے؟ اس کی تفصیل ہم آئندہ سطور میں بیان کریں گے۔

---

[1] بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم ...... الخ: ۱۹۷۵۔ مسلم: ۱۱۵۹۔

(الف) جسم

کھانے پینے میں اعتدال:

مسلمان کی پوری خواہش ہوتی ہے کہ اس کا بدن صحیح سالم اور طاقت ور ہو اس لیے وہ کھانے پینے میں اعتدال سے کام لیتا ہے۔ وہ لالچی اور حریص لوگوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ نہیں پڑتا بلکہ وہ صرف اتنا کھاتا ہے کہ اس کی کمر سیدھی رہے اور اس کی صحت، قوت اور نشاط برقرار رہے اس سلسلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

﴿ وَ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾

(الاعراف: ۳۱)

"کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد اور طریقہ سے بھی رہنمائی حاصل کرتا ہے:

« مَا مَلَأَ آدَمِیٌّ وِعَاءً شَرًّا مِنْ بَطْنٍ ، حَسْبُ الْآدَمِيِّ لُقَيْمَاتٌ يُقِمْنَ صُلْبَهُ ، فَإِنْ غَلَبَتِ الْآدَمِيَّ نَفْسُهُ فَثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَ ثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَ ثُلُثٌ لِلنَّفَسِ »[1]

"آدمی نے شر کے لحاظ سے اپنے پیٹ سے برا برتن اور کوئی نہیں بھرا۔ آدمی کے لیے اتنے لقمے ہی کافی ہیں جتنے اس کی کمر سیدھی رکھ سکیں، اگر اس کا نفس آدمی پر غالب آ جائے (یعنی اگر اسے کھانا ہی ہے تو) پیٹ کا تہائی کھانے کے لیے، تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس لینے کے لیے رکھے۔"

---

[1] ابن ماجه ، كتاب الأطعمة : باب الاقتصاد ...... الخ : ۳۳۴۹۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''کھانے پینے میں زیادتی سے بچو کیونکہ بسیار خوری سے جسم میں خرابی آتی ہے، بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور نماز میں تساہل اور سستی پیدا ہو جاتی ہے۔ کھانے پینے میں میانہ روی سے کام لو کیونکہ اس سے جسم درست رہتا ہے، بیماری نہیں آتی، اللہ تعالیٰ پیٹو اور موٹے شخص کو پسند نہیں کرتا، آدمی اس وقت تک ہرگز ہلاک نہیں ہوتا جب تک اپنی شہوت کو اپنے دین پر ترجیح نہ دے۔''[1]

مسلمان نشہ آور اشیاء اور نیند نہ آنے والی دواؤں سے بھی اجتناب کرتا ہے چہ جائیکہ وہ حرام چیزیں استعمال کرے۔ وہ جلدی سوتا اور سویرے بیدار ہوتا ہے۔ وہ دواؤں کا استعمال صرف مرض کی حالت میں کرتا ہے، ورنہ صحت کی حالت میں اس کے جسمانی نظام کو ہر چیز فطری صحت اور نشاط پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

باشعور مسلمان یہ جانتا ہے کہ طاقت ور مومن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کمزور مومن سے زیادہ محبوب ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنی زندگی میں نظام صحت پر عمل کرتے ہوئے اپنے جسم کو تقویت پہنچاتا ہے۔

جسمانی ورزش:

سچے مسلمان کا بدن اگرچہ صحیح سالم اور تنومند رہتا ہے کیونکہ وہ کھانے پینے کی مضر، بری اور حرام چیزوں سے دور رہتا ہے۔ وہ تھکا دینے والی اور کمزور کر دینے والی بری عادات جیسے زیادہ جاگنا اور ایسی چیزوں میں منہمک رہنا جن سے عزیمت میں کمی آئے اور جسم کمزور ہو، سے بچا رہتا ہے۔

مگر ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے جسم میں مزید قوت حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ وہ صرف اسی اسلوب پر اکتفا نہیں کرتا جو اس نے اپنی زندگی کی صحت کے لیے اختیار کر رکھا

---

1. کنز العمال: ۴۷/۸۔

ہے بلکہ وہ اپنے جسم، عمر اور معاشرتی مناسبت کے لحاظ سے ورزش کرتا رہتا ہے تاکہ اس کے جسم کو قوت، نشاط اور زندگانی حاصل ہو اور وہ علل و امراض سے محفوظ رہے۔ وہ ورزش کے لیے کچھ اوقات متعین کر لیتا ہے جس میں پابندی سے ورزش کرتا ہے تاکہ ان مشقوں کا نتیجہ ظاہر ہو اور اس کے جسم پر اس کا اچھا اثر مرتب ہو۔ وہ ہر چیز میں اعتدال، توازن اور نظم کا خاص لحاظ رکھتا ہے جو ایک سچے اور باشعور مسلمان کا ہر زمان و مکاں میں طرۂ امتیاز رہا ہے۔

بدن اور کپڑوں کی صفائی:

مسلمان جسے اسلام لوگوں کے درمیان نمایاں اور ممتاز دیکھنا چاہتا ہے، بہت صاف ستھرا رہتا ہے۔ وہ اپنا بدن پاک صاف رکھتا ہے، قریبی وقفوں سے بکثرت غسل کرتا ہے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر عمل پیرا ہوتا ہے جنھوں نے غسل کرنے اور خوشبو لگانے کی، خاص طور پر جمعہ کے دن ترغیب دی ہے، ارشاد فرمایا:

«اِغْتَسِلُوا یَوْمَ الْجُمُعَةِ وَاغْسِلُوا رُؤُوْسَكُمْ وَ اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا جُنُبًا وَ اَصِیْبُوْا مِنَ الطِّیْبِ» ①

"جمعہ کے دن غسل کرو اور سر بھی دھوؤ، خواہ جنبی نہ ہو اور خوشبو لگاؤ۔"

رسول اللہ ﷺ نے نظافت کے لیے غسل پر اتنا زیادہ زور دیا ہے کہ بعض ائمہ نے جمعہ کی نماز کے لیے غسل واجب قرار دیا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«حَقٌّ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ اَنْ یَّغْتَسِلَ فِیْ كُلِّ سَبْعَةِ اَیَّامٍ یَوْمًا یَغْسِلُ فِیْهِ رَأْسَهٗ وَ جَسَدَهٗ» ②

---

① بخاری، کتاب الجمعة، باب الدهن للجمعة : ٨٨٤۔
② بخاری ، کتاب الجمعة ، باب هل علی من لم یشهد الجمعة ...... : ٨٩٧۔

"ہر مسلمان پر (اللہ تعالیٰ کا) یہ حق ہے کہ وہ ہفتہ میں ایک بار ضرور غسل کرے، جس میں وہ سر اور بدن دھوئے۔"

سچا مسلمان اپنے کپڑوں اور موزوں کا جائزہ لیتا رہتا ہے، اسے پسند نہیں کہ اس کے جسم اور پاؤں سے بدبو آئے جس سے لوگ نفرت کریں، اس کے لیے وہ خوشبو کا بھی انتظام کرتا ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"جو شخص اپنا تہائی مال خوشبو پر خرچ کرے وہ فضول خرچ نہیں۔"

باشعور مسلمان اپنے منہ کو بھی دیکھتا رہتا ہے کہ کہیں اس کے منہ سے کسی شخص کو بدبو نہ محسوس ہو چنانچہ وہ روزانہ مسواک، برش اور دوسری صاف کرنے والی چیزوں سے دانت صاف کرتا ہے۔ وہ اپنے منہ کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں یا دن میں کسی وقت بھی سو کر اٹھتے تھے تو وضو کرنے سے پہلے مسواک کرتے تھے۔"[1]

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم منہ صاف رکھنے کا اتنا اہتمام فرماتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

﴿لَوْلَا اَنْ اَشُقَّ عَلٰی اُمَّتِیْ لَاَمَرْتُھُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلَاةٍ﴾[2]

"اگر میں اپنی امت کے لیے دشوار نہ سمجھتا تو انھیں ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر میں داخل ہوتے تھے تو سب سے پہلے کیا کرتے تھے؟ فرمایا: "مسواک۔"[3]

بہت افسوس کا مقام ہے کہ ہم بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ان پہلوؤں سے

---

1. احمد: ۱۲۱/٦۔
2. مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك: ۲۵۲۔ بخاری: ۸۸۷۔
3. مسلم، كتاب الطهارة، باب السواك: ۲۵۳۔

بے اعتنائی برتتے ہیں، درآنحالیکہ یہ چیزیں اسلام کا لب لباب اور اس کی اصل ہیں چنانچہ وہ لوگ اپنے منہ، بدن اور کپڑوں کو صاف رکھنے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے اور جب مساجد، ذکر کی مجلسوں اور درس و مذاکرہ کے حلقوں میں جاتے ہیں تو ان کی بدبو وہاں حاضرین کو اذیت پہنچاتی ہے اور ان ملائکہ کو بھی متنفر کرتی ہے جو ایسی معزز اور بابرکت جگہوں کو ڈھانپے رہتے ہیں۔ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنتے اور خود بھی دہراتے رہتے ہیں:

«مَنْ اَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَ الْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُوْ آدَمَ»①

''جو شخص پیاز، لہسن، یا گیندنا کھائے وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے کیونکہ جن چیزوں سے آدمیوں کو تکلیف ہوتی ہے ان سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔''

جو لوگ بدبودار سبزیاں کھاتے ہیں انھیں رسول اللہ ﷺ نے مسجد سے قریب ہونے سے منع فرمایا ہے تاکہ ان کی سانسوں سے آنے والی بدبو سے فرشتوں اور لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور اللہ کی قسم! یہ بدبو، اس بدبو کے مقابلہ میں بہت کم درجے کی اور بہت معمولی ہے جو بعض کاہل، نظافت سے غافل اور بے پروا لوگوں کے گندے کپڑوں، گندے موزوں، میلے کچیلے بدن اور بدبودار منہ سے نکلتی ہے جن سے مجلسوں میں لوگ اذیت محسوس کرتے ہیں۔

امام احمد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: ''رسول اللہ ﷺ ہم سے ملاقات کرنے کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جو میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا، آپ ﷺ نے فرمایا:

① مسلم، کتاب المساجد، باب نهي من اكل ثوما ...... : ٥٦٤۔

((أَمَا كَانَ هٰذَا يَجِدُ هٰذَا مَا يَغْسِلُ بِهِ ثَوْبَهُ؟)) ①

"کیا اسے کوئی چیز نہیں ملتی جس سے اپنے کپڑے دھولے۔"

رسول کریم ﷺ کی ہدایت کے پیش نظر انسان جب تک اپنے کپڑے دھلنے اور صاف رکھنے پر قادر ہو اس وقت تک محفلوں میں گندے کپڑے پہن کر نہ جائے۔ اس طرح آپ ﷺ نے مسلمان کو بتلا دیا کہ اسے ہمیشہ صاف کپڑے پہننا چاہییں، اس کا ظاہری لباس خوبصورت اور ظاہری شکل و ہیئت پسندیدہ ہونی چاہیے، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص اپنے کام کاج کے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لیے دو کپڑے بنا سکے تو کوئی حرج نہیں ہے۔" ②

چنانچہ اسلام چاہتا ہے کہ مسلمان ہمیشہ صاف ستھرے رہیں، ان کے کپڑوں سے خوشبو پھوٹے اور ان کے جسم سے عمدہ اور بہترین خوشبو نکلے۔ رسول اللہ ﷺ کا بھی یہی حال تھا، امام مسلم اپنی سند سے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی خوشبو سے زیادہ خوشبو دار نہ کبھی عنبر سونگھا نہ مشک اور نہ کوئی اور چیز۔" ③

رسول اللہ ﷺ کے جسم اطہر اور کپڑوں کی نظافت اور پسینے کی خوشبو کے بارے میں بہت سی احادیث و اخبار مروی ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی سے مصافحہ کرتے تھے تو وہ شخص دن بھر اپنے ہاتھ میں خوشبو محسوس کرتا تھا۔ جب آپ ﷺ کسی بچے کے سر پر ہاتھ رکھ دیتے تو دوسرے بچوں کے درمیان اس بچے سے خوشبو پھوٹتی تھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "تاریخ کبیر" میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

---

① احمد : ۳۵۷/۳۔ ابو داوٗد ، کتاب اللباس ، باب فی الخلقان ...... الخ : ۴۰۶۲۔

② ابو داوٗد ، کتاب الصلوة ، باب اللبس للجمعة : ۱۰۷۸۔

③ مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب ریحه ﷺ ولین مسه : ۲۳۳۰۔ بخاری : ۱۹۷۳۔

"نبی ﷺ جب کسی راستے سے گزرتے اور کوئی شخص آپ ﷺ کے پیچھے آتا تو آپ ﷺ سمجھ جاتے کہ وہ آپ ﷺ کی وجہ سے آ رہا ہے۔"

ایک مرتبہ آپ ﷺ انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں سو گئے، آپ ﷺ کو پسینا آیا تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ ایک شیشی لے آئیں اور اس میں آپ ﷺ کا پسینا جمع کر لیا، آپ ﷺ بیدار ہوئے تو دریافت فرمایا:

"یہ کیا ہے؟" انھوں نے عرض کیا: "یہ آپ کا پسینا ہے، ہم اسے اپنی خوشبوؤں میں ڈال لیں گے، یہ بہترین خوشبو ہے۔"①

رسول اللہ ﷺ کے اس اسوہ اور ان تعلیمات سے استفادہ کرنے کی مسلمانوں کو کتنی سخت ضرورت ہے۔ رسول عظیم ﷺ کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ نے بالوں کی دیکھ بھال کرنے، ان کی اصلاح کرنے اور انھیں خوبصورت بنانے کا، ان حدود میں رہتے ہوئے جن کی اسلام اجازت دیتا ہے، حکم دیا ہے۔ ابوداود رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ كَانَ لَهُ شَعْرٌ فَلْيُكْرِمْهُ))②

"جس شخص کے بال ہوں، وہ ان کا اکرام کرے۔"

اسلامی ذوق میں بالوں کے اکرام کا مطلب یہ ہے کہ انھیں صاف ستھرا رکھا جائے، ان میں کنگھی کی جائے، ان میں خوشبو لگائی جائے اور ان کی شکل و ہیئت اچھی رکھی جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے کہ انسان اپنے بالوں کو چھوڑ دے، ان کی طرف کوئی توجہ نہ دے، انھیں بکھرے ہوئے اور پراگندہ رہنے دے کہ وہ دیکھنے میں بالکل بھوت معلوم ہو۔ ایسے شخص کو آپ ﷺ نے بدصورتی کی وجہ سے شیطان سے تشبیہ دی ہے

---

① مسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرقه ﷺ ...... الخ: ۲۳۳۱۔

② ابو داود، کتاب الترجل، باب ما جاء فی إصلاح الشعر: ٤١٦٣۔

،امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں عطا ابن یسار سے مرسلا روایت کیا ہے:

”رسول اللہ ﷺ مسجد نبوی میں تھے کہ ایک شخص آیا جس کے سر اور ڈاڑھی کے بال بکھرے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا گویا اسے سر اور ڈاڑھی کے بالوں کی اصلاح کا حکم فرما رہے ہوں، وہ شخص چلا گیا پھر بالوں کو ٹھیک کر کے واپس آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ”کیا یہ اس کے مقابلہ میں بہتر نہیں ہے کہ تم میں سے کوئی اس حالت میں آئے کہ اس کے سر کے بال (ایسے) بکھرے ہوئے ہوں گویا وہ شیطان ہو؟““ [1]

رسول اللہ ﷺ کے پراگندہ بالوں والے شخص کو شیطان کے مشابہ قرار دینے سے بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام نے ظاہری خوبصورتی اور ہیئت کے حسن پر کتنی توجہ دی ہے اور بدصورتی کو کس قدر ناپسند کیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ انسانی ہیئت اور شکل کی خوبصورتی کی ان قابل لحاظ چیزوں پر ہمیشہ تنبیہ کرتے رہتے تھے۔ جب بھی آپ ﷺ نے کسی شخص کو دیکھا کہ وہ بری ہیئت بنائے ہوئے اور پراگندہ حال ہے تو آپ ﷺ نے اسے اس کی بے اعتنائی، تقصیر اور سستی پر ٹوکا اور تنبیہ فرمائی۔

امام احمد رحمہ اللہ اور امام نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس ملاقات کے لیے تشریف لائے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا جس کے بال پراگندہ اور بکھرے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَمَا كَانَ يَجِدُ هٰذَا مَا يُسَكِّنُ بِهِ شَعْرَهُ)) [2]

”کیا یہ شخص کوئی چیز نہیں پاتا جس سے اپنے بالوں کو درست کر لے؟“

---

1. موطأ امام مالك، كتاب الشعر، باب إصلاح الشعر :٧
2. نسائی ، كتاب الزينة ، باب تسكين الشعر : ٥٢٣٨_ احمد : ٣/٣٥٧_

ہیئت درست رکھنا:

حقیقی مسلمان اپنے لباس اور جسم سے بے اعتنائی نہیں برتتا، اسی لیے تم دیکھتے ہو کہ بناؤ سنگھار میں غلو اور فضول خرچی کیے بغیر اس کی ہیئت اچھی رہتی ہے اور ظاہری حالت خوش منظر ہوتی ہے جسے دیکھنے سے آنکھوں کو راحت اور نفوس کو سکون ملتا ہے۔ وہ لوگوں کے سامنے بری، خراب اور گھٹیا ہیئت میں نہیں آتا بلکہ لوگوں کے سامنے نکلنے سے پہلے ہمیشہ اپنے آپ کا جائزہ لیتا ہے اور اعتدال کے ساتھ زینت اختیار کرتا ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ صحابہ کے سامنے آتے وقت زینت اختیار کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ اپنے گھر والوں کے لیے بھی زینت اختیار فرماتے تھے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ﴾
(الاعراف: ٣٢)

''پوچھو تو کہ جو زینت (آرائش) اور کھانے (پینے) کی چیزیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، ان کو کس نے حرام کیا ہے؟''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ سیدنا مکحول سید عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا:

''کچھ صحابہ دروازہ پر رسول اللہ ﷺ کا انتظار کر رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا، گھر میں ایک برتن رکھا ہوا تھا جس میں پانی تھا، آپ ﷺ پانی میں دیکھنے لگے اور اپنے سر اور ڈاڑھی کے بال درست کرنے لگے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟'' فرمایا: ''ہاں! جب کوئی شخص اپنے بھائیوں سے ملنے کے لیے باہر نکلے تو اسے اپنے آپ کو درست کر لینا چاہیے، اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔''[1]

---

[1] تفسیر قرطبی، سورۃ الأعراف: ٣٢۔ رقم الحدیث: ٣٠٦١۔

ان سارے کاموں کو مسلمان، تمام امور میں اسلام کے متوسط نظریہ کے موافق انجام دیتا ہے اور وہ نظریہ اعتدال کا ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَ لَمْ يَقْتُرُوْا وَ كَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾

(الفرقان : ٦٨)

''اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ بخل بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔''

اسلام چاہتا ہے کہ اس کے متبعین اور خاص طور پر دعوت کے میدان میں کام کرنے والے جب معاشرہ میں جائیں تو وہ نمایاں ہوں۔ لوگ ان کی طرف دیکھنا چاہیں نہ کہ انہیں دیکھنے سے اذیت وتنفر محسوس کریں، وہ نگاہوں میں حقیر ہوں اور نفوس ان سے اعراض کریں۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں کہ انسان اپنے لباس اور ظاہری ہیئت میں بہت زیادہ بے اعتنائی اور بے توجہی سے کام لے اور یہ دعویٰ کرے کہ یہ زہد وتواضع ہے، رسول اللہ ﷺ جو اہل زہد اور تواضع اختیار کرنے والوں کے سردار ہیں، اچھا لباس زیب تن فرماتے تھے اور اپنے اہل وعیال اور اصحاب کے لیے زیب وزینت اختیار فرماتے تھے اور اس زیب وزینت اور خوبصورتی اختیار کرنے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اظہار سمجھتے تھے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ اَنْ يُرَى اَثَرُ نِعْمَتِهِ عَلَى عَبْدِهِ)) ①

''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔''

سیدنا جندب بن مکیث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کوئی وفد آتا تھا تو آپ ﷺ اپنے کپڑوں میں سے سب سے اچھے کپڑے زیب تن فرماتے اور اپنے ممتاز صحابہ کو

---

① ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء أن الله تعالى ...... الخ: ٢٨١٩۔

اس کا حکم دیتے تھے چنانچہ جب وفد کندہ آیا تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ یمنی جوڑا پہنے ہوئے تھے نیز ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی ایسے ہی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔“ ①

ابن مبارک، طبرانی، حاکم، بیہقی اور دیگر محدثین نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

”میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نئے کپڑے منگوائے اور انھیں پہنا، پہنتے ہوئے جب کپڑا حلقوم تک پہنچ گیا تب آپ ﷺ نے یہ دعا پڑھی:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ کَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَيَاتِیْ)) ②

”تمام تعریف اور حمد اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے یہ کپڑے پہنائے جن سے میں اپنی ستر پوشی کرتا ہوں اور جو اس زندگی میں میرے لیے حسن و جمال کا بھی ذریعہ ہیں۔“

”سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ایسی چادریں یا جوڑے پہنتے تھے جن کی قیمت پانچ سو یا چار سو (درہم) ہوتی تھی۔“ ③

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک ہزار درہم میں ایک کپڑا خریدا اور اسے پہنا۔ ④

جب تک زیب و زینت افراط کی حد تک نہ پہنچ جائے اس کا شمار اچھی زینت میں ہوگا،

---

① طبقات ابن سعد : ٣٤٦/٤۔

② الترغیب والترهیب ، کتاب اللباس والزينة : ٤٣/٣۔

③ طبقات ابن سعد جلد٣/١٣١۔

④ الحلية الاولياء: ٣٢١/١۔

جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مباح قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يٰبَنِيٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَ الطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾

(الاعراف ۳۱،۳۲)

''اے بنی آدم! ہر عبادت کے موقع پر اپنی زینت سے آراستہ رہو، کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو، اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اے نبی! ان سے کہو کس نے اللہ تعالیٰ کی اس زینت کو حرام کر دیا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے نکالا تھا اور کس نے اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی پاک چیزیں ممنوع کر دیں؟ کہو یہ ساری چیزیں دنیا کی زندگی میں بھی ایمان والوں کے لیے ہیں اور قیامت کے روز تو خالصتاً انھی کے لیے ہوں گی، اس طرح ہم اپنی باتیں صاف صاف بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھنے والے ہیں۔''

صحیح مسلم میں سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا۔'' ایک شخص نے دریافت کیا: ''آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور جوتے اچھے ہوں (یعنی کیا اس کا شمار بھی تکبر میں ہوگا؟) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اَلْكِبْرُ بَطَرُ الْحَقِّ وَ غَمْطُ النَّاسِ))[1]

''اللہ تعالیٰ خوبصورت ہے اور خوبصورتی پسند کرتا ہے، کبر تو یہ ہے کہ آدمی تکبر کے سبب حق قبول کرنے سے انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''

---

[1] مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر و بیانه : ۹۱۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام نے اس چیز کو سمجھا اور اس پر عمل کیا چنانچہ امام ابو حنیفہ ؒ اپنی ہیئت اچھی رکھتے اور کپڑے اچھے پہنتے تھے۔ بہترین خوشبو استعمال کرتے اور لباس کی خوبصورتی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے، ہیئت کی درستی اور کپڑوں کی خوبصورتی ان کے نزدیک اس قدر پسندیدہ اور محبوب تھی کہ وہ دوسروں کو رغبت دلاتے اور ہیئت کی اصلاح پر بہت زیادہ ابھارا کرتے تھے۔ ایک دن اپنی مجلس میں بیٹھنے والوں میں سے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ بوسیدہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اسے تنہائی میں بلا کر ایک ہزار درہم پیش کیے کہ اس سے وہ اپنی ہیئت درست کر لے۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو مالدار ہوں، میرے پاس ہر قسم کی آسائش کا سامان ہے، مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ امام ابوحنیفہ ؒ نے اسے ملامت کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا تم تک یہ حدیث نہیں پہنچی کہ ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کی نعمت کا اثر اس کے بندے پر ظاہر ہو؟'' تمھیں اپنا حال بدلنا چاہیے تاکہ تمھارا دوست تمھارے اس حال کو دیکھ کر دھوکا نہ کھائے۔''

یہ چیز بدیہی ہے کہ داعیان کرام کو چاہیے کہ دوسروں کے مقابلہ میں ان کی ہیئت اچھی ہو، ان میں ظاہری حسن و جمال اور خوبصورتی ہو۔ ان میں دوسروں کے لیے جاذبیت اور کشش ہوتا کہ وہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے اور ان میں اپنی دعوت پہنچانے پر قادر ہو سکیں۔ خواہ وہ لوگوں کے سامنے نہ بھی ہوں تب بھی دوسروں کے مقابلہ میں داعیان کرام سے مطالبہ ہے کہ وہ یہ امور انجام دیں۔ داعیان کرام کو چاہیے کہ وہ اپنی ظاہری شکل و صورت کو درست رکھنے اور اپنے بدن، کپڑے، ناخن اور بال صاف ستھرے رکھنے کی طرف توجہ دیں، خواہ وہ تنہائی میں ہی کیوں نہ ہوں اور اس طرح فطرت سلیمہ کی آواز پر لبیک کہیں جس کے لوازم کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد میں خبر دی ہے:

''پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں: ختنہ کرنا، زیر ناف بال کاٹنا، بغل کے بال

اکھاڑنا، ناخن تراشنا اور مونچھ کترنا۔''①

انسانی فطرت کی خوبصورتی کا لحاظ اس دین نے محبوب قرار دیا ہے اور ہر بلند طبیعت اور ذوق سلیم رکھنے والے شخص کو اس کی ترغیب دی ہے لیکن سچے اور برحق مسلمان کو چاہیے کہ ظاہری خوبصورتی کے اہتمام میں اور زینت و زیبائش اختیار کرنے میں اس حد تک غلو اور افراط میں نہ مبتلا ہو جائے کہ اس سے اس توازن میں خلل آجائے جو اسلام نے اپنے تمام قوانین میں رکھا ہے۔ باشعور مسلمان کو چاہیے کہ ہر چیز میں اعتدال کو پیش نظر رکھے اور کسی پہلو میں تفریط نہ کرے۔

اسے نہیں بھولنا چاہیے کہ اسلام جس نے تزئین اختیار کرنے، ظاہری خوبصورتی کا اہتمام کرنے اور ''ہر عبادت کے موقع پر زینت سے آراستہ ہونے'' پر راغب کیا ہے، اسی نے زینت میں اس حد تک افراط اور مبالغہ سے ڈرایا ہے کہ انسان اس زندگی میں اس کا غلام ہو جائے، اس کو اہم مشغلہ بنا لے اور ہمیشہ اسی کی فکر میں رہے، مندرجہ ذیل حدیث میں اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

«تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَالدِّرْهَمِ والْقَطِيْفَةِ وَالْخَمِيْصَةِ ② اِنْ أُعْطِيَ رَضِيَ وَ اِنْ لَمْ يُعْطَ لَمْ يَرْضَ» ③

''درہم و دینار، کپڑے اور چادر کا بندہ ہلاک ہو، اگر اس کو یہ چیزیں دے دی جائیں تو راضی ہو جاتا ہے ورنہ ناراض ہو جاتا ہے۔''

اور بے شک داعیان کرام اس لغزش کے مقام سے محفوظ ہیں کیونکہ انھوں نے اس

---

① بخاری، کتاب اللباس، باب قص الشارب: ۵۸۸۹۔ مسلم: ۲۵۷۔

② قطیفہ اس کپڑے کو کہتے ہیں جس میں روئیں ہوں اور خمیصہ ریشم یا اون کی بنی ہوئی چوکور چادر کو کہتے ہیں۔

③ بخاری، کتاب الجهاد، باب الحراسة في الغزو في سبيل الله: ۲۸۸۶۔

دین عظیم کا طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور اعتدال اور میانہ روی کا وہ نظریہ اپنا رکھا ہے جسے اس دین کے قوانین نے پیش کیا ہے۔

(ب) عقل

علم باعث فضیلت و شرف:

مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ علم کے ذریعہ عقل کو پروان چڑھانا اور اسے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں معلوم کرنے کے لیے استعمال کرنا فرض ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ)) [1]

"علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔"

اس لیے اس پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہمیشہ علم و معرفت کے ذریعہ علم کی پرورش اور نگرانی کرتا رہے اور جب تک سانس کا سلسلہ جاری رہے اور رگوں میں خون گردش کرتا رہے اس سے باز نہ آئے۔

علم حاصل کرنے پر مسلمان کی حوصلہ افزائی کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے علماء کی شان اور ان کا مرتبہ بلند کیا ہے، انھیں اپنی خشیت اور تقویٰ میں خاص کیا اور تمام لوگوں کے مقابلہ میں عزت و شرف کو انھی میں محدود کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا ﴾ (فاطر: ٢٨)

"حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف علم رکھنے والے لوگ ہی (اس سے) ڈرتے ہیں۔"

یعنی اللہ تعالیٰ سے (جتنا ڈرنے کا حق ہے اتنا) صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جن کی فکر

---

1. ابن ماجه، المقدمة، باب فضل العلماء ...... الخ: ٢٢٤۔

روشن ہے، جن کے سامنے دنیا، زندگی اور مخلوق کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت واضح ہوگئی ہے اور وہ اصحاب علم ہیں، چنانچہ انھیں علم نہ رکھنے والوں پر فضیلت بخشی گئی ہے، فرمایا:

﴿ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (زمر:۹)

''کیا علم رکھنے والے اور علم نہ رکھنے والے دونوں کبھی یکساں ہو سکتے ہیں؟ نصیحت تو صرف عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔''

سیدنا صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد نبوی میں تھے، انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں علم حاصل کرنے آیا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''علم حاصل کرنے والے کو خوش آمدید! بے شک علم حاصل کرنے والے کو فرشتے اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، پھر ایک دوسرے پر سوار ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں، ایسا وہ اس چیز سے محبت کی وجہ سے کرتے ہیں جو وہ (علم) حاصل کرتے ہیں۔''[1]

علم کی فضیلت اور اس کے حاصل کرنے پر ترغیب کے سلسلہ میں بہت سے نصوص اور شواہد مروی ہیں، اس طور پر سچا مسلمان یا تو عالم ہوگا یا متعلم، اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگا۔

موت تک حصولِ علم جاری رکھنا:

حقیقی تحصیل علم یہ نہیں کہ تم ایک اعلیٰ ڈگری حاصل کرلو جس سے کشادہ آمدنی کا ذریعہ

---

① مستدرك حاكم : ۱۰۰، ۱۰۱۔ ابن ماجه ، المقدمة، باب فضل العلماء : ۲۲۶۔ احمد : ۳۹/٤، ۳٤۱۔ ترمذی : ۳۵۳٦، ۳۵۳۵۔

حاصل ہو جائے اور خوشحال و آسودہ زندگی گزار سکو، پھر مطالعہ اور علم و معرفت کے خزانوں سے استفادہ سے پہلو تہی اور کنارہ کشی اختیار کر لو بلکہ حقیقی تحصیل علم یہ ہے کہ تم مسلسل مطالعہ کرتے رہو اور ہر روز اپنے علم میں اضافہ کرو، اس ارشاد باری پر عمل کرتے ہوئے:

﴿ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴾ (طٰهٰ : ١١٤)

''اور دعا کرو کہ اے پروردگار! مجھے مزید علم عطا فرما۔''

ہمارے سلف صالحین علمی مقام کی خواہ کتنی ہی بلندیوں پر پہنچ جاتے تھے مگر آخری عمر تک علم میں اضافہ کرنے سے رکتے نہیں تھے اور تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ تحصیل علم کا سلسلہ جاری رکھنے ہی سے علم زندہ رہتا اور پروان چڑھتا، جبکہ اسے ترک کر دینے اور اس سے رابطہ منقطع کر لینے سے علم کا سرچشمہ خشک ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان کے بہت سے دلکش اقوال مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ علم کا احترام کرتے تھے، ان میں تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کی حرص پائی جاتی تھی اور وہ علم کے میٹھے سرچشمہ سے مسلسل سیراب ہوتے رہتے تھے۔

ان دلکش اقوال میں سے ایک قول وہ ہے جو امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ابن ابی غسان رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، فرماتے ہیں:

''جب تک تم علم حاصل کرتے رہو گے، اس وقت تک صاحب علم رہو گے اور جب تم نے علم سے بے نیازی اختیار کی، اسی وقت سے تم جاہل ہو گئے۔'' ①

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''ایسے شخص کے لیے جس کے پاس کچھ علم ہو مناسب نہیں ہے کہ وہ مزید علم حاصل کرنا ترک کر دے۔'' ②

---

① جامع بیان العلم لابن عبد البر : ۹٦/۱۔

② جامع بیان العلم لابن عبد البر : ۹٦/۱۔

امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا:

''آپ کب تک علم حاصل کرتے رہیں گے؟'' فرمایا:

((حَتَّى الْمَمَاتِ وَلَعَلَّ الْكَلِمَةَ الَّتِي أَنْتَفِعُ بِهَا لَمْ أَكْتُبْهَا بَعْدُ)) ①

''موت تک، اس لیے کہ ہوسکتا ہے جو بات میرے حق میں مفید ہو اسے اب تک نہ حاصل کر سکا ہوں۔''

امام ابوعمرو بن علاء رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا: ''آدمی کو کب تک علم حاصل کرتے رہنا چاہیے؟'' فرمایا:

((مَا دَامَ تَحْسُنُ بِهِ الْحَيَاةُ)) ②

''جب تک اس کی زندگی وفا کرے۔''

امام سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ سے کسی نے پوچھا: ''لوگوں میں علم حاصل کرنے کا سب سے زیادہ ضرورت مند کون ہے؟'' اس کا انھوں نے بہترین جواب دیا، فرمایا:

''جو سب سے زیادہ علم رکھتا ہے۔'' پوچھنے والے نے کہا: ''کیوں؟'' فرمایا:

''کیونکہ اگر اس سے غلطی سرزد ہوگئی تو یہ بہت بری اور انتہائی شرمناک بات ہوگی۔'' ③

امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ جو ایک عظیم مفسر، بہت سی کتابوں کے مصنف اور علم کلام، معقولات اور دیگر علوم میں اپنے زمانے کے منفرد امام تھے (جن کی وفات ۶۰۶ھ میں ہوئی) اللہ تعالیٰ نے انھیں اس قدر شہرت اور ناموری عطا فرمائی تھی کہ جہاں بھی جاتے اور جس شہر میں داخل ہوتے، علماء ان پر دیوانہ وار ٹوٹ پڑتے، اپنے وقت کا یہ امام جب

---

① جامع بیان العلم لابن عبد البر: ۹۶/۱۔

② جامع بیان العلم لابن عبد البر: ۹۶/۱۔

③ جامع بیان العلم لابن عبد البر: ۹۶/۱۔

شہر ''مرو'' پہنچا تو علماء اور طلباء کا ایک ہجوم ان سے علم حاصل کرنے اور تحصیل علم کے انتساب کا شرف حاصل کرنے کے لیے جمع ہوگیا۔ انھی طلبہ میں سے جو ان کی مجلس میں حاضر ہوتے تھے، ایک طالب علم ایسا تھا جو ''علم الانساب'' میں مہارت رکھتا تھا، امام رازی اس علم میں ماہر نہیں تھے۔ انھیں جب معلوم ہوا کہ اس طالب علم کو ''علم الانساب'' پر قدرت حاصل ہے تو انھوں نے اس سے کہا کہ ''وہ انھیں علم سکھا دے۔'' انھیں اس کی شاگردی اختیار کرنے میں کچھ بھی ذلت محسوس نہیں ہوئی۔ انھوں نے اس کو استاد کی جگہ بٹھایا اور خود اس کے سامنے بیٹھے، یہ تواضع اور رفعت کی امتیازی علامت ہے جس سے امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ کی سیرت مزین ہے، اس سے ان کے عظیم مقام میں کچھ بھی نقص اور کمی نہیں آئی حالانکہ وہ اپنے زمانے کے امام تھے۔

معروف مؤرخ و ادیب یاقوت الحموی نے اپنی کتاب معجم الادباء میں عزیز الدین اسماعیل بن الحسن المروزی النسابہ الحسینی کی سیرت میں بیان کیا ہے۔ امام عزیز الدین سے یاقوت الحموی کی ملاقات رہی ہے، وہ ان کے ساتھ رہے اور ان کی مصاحبت اختیار کی ہے اور اپنی کتاب میں ان کی مفصل سوانح لکھی ہے، ان کی سوانح میں وہ لکھتے ہیں:

''عزیز الدین نے مجھ سے بیان کیا کہ امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ ایک مرتبہ ''مرو'' آئے۔ وہ اتنی عظیم الشان حیثیت کے مالک تھے اور ان کی ایسی شہرت اور ہیبت تھی کہ کوئی ان سے بات دہرانے کو نہیں کہہ سکتا تھا اور ان کے احترام و اکرام میں ان کے سامنے کوئی سانس نہیں لے سکتا تھا، میں ان کے پاس گیا، مجھے ان کے سامنے پڑھنے میں تردد ہوا، انھوں نے مجھ سے ایک دن فرمایا: ''میں چاہتا ہوں کہ تم میرے لیے ''طالبین'' کے انساب پر ایک کتاب تصنیف کر دو تاکہ میں اس میں غور و فکر کروں، میں چاہتا ہوں کہ میں اس علم میں جاہل نہ رہ جاؤں۔'' میں نے ان سے کہا: آپ شجرہ کی صورت میں چاہتے ہیں یا عبارت

کی صورت میں؟'' (یعنی میں انساب کی کتاب شجرہ کی صورت میں لکھوں یا نثر کی صورت میں) انھوں نے فرمایا: ''شجرہ کی صورت میں یاد نہیں کیا جا سکتا اور میں ایسی چیز چاہتا ہوں جسے میں یاد کر سکوں۔'' میں نے کہا: ''بسر و چشم قبول ہے۔'' پھر میں چلا گیا اور ان کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''الفخری'' رکھا، اسے میں ان کے پاس لے آیا، جب انھیں معلوم ہوا تو وہ مسند درس سے اتر آئے، چٹائی پر بیٹھ گئے اور مجھے کہا: ''اس مسند پر بیٹھو!'' میں نے اسے برا سمجھا اور مجھے جھجک محسوس ہوئی تو میں نے عرض کیا: ''میں تو آپ کا خادم ہوں۔'' انھوں نے زور سے گھرکی دی اور ڈانٹ کر کہا: ''جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔'' مجھ پر ان کی اس قدر ہیبت طاری ہوئی کہ جس جگہ انھوں نے بیٹھنے کا حکم دیا تھا وہاں بیٹھنے کے سوا کوئی چارہ نہ رہا، پھر وہ میرے سامنے بیٹھ کر کتاب پڑھنے لگے اور جہاں جہاں سمجھ میں نہ آتا یا دشواری ہوتی وہاں پوچھتے جاتے، یہاں تک کہ انہوں نے پوری کتاب ختم کر لی، جب اس سے فارغ ہو گئے تو مجھ سے فرمایا: ''اب جہاں چاہو بیٹھو، بے شک یہ ایسا علم ہے کہ اس میں میں تم سے استفادہ کر رہا ہوں اور تمھاری شاگردی اختیار کر رہا ہوں سو ادب کا تقاضا یہ ہے کہ شاگرد استاد کے سامنے بیٹھے، اسی لیے میں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔'' اس کے بعد وہ پھر مسند پر جا بیٹھے اور میں جہاں پہلے بیٹھا تھا وہیں بیٹھ کر ان کے سامنے پڑھنے لگا۔[1]

یاقوت الحموی اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! یہ حسن ادب ہے اور خاص طور پر یہ ایک عالی مرتبت شخص سے صادر ہوا ہے۔''

---

[1] معجم الادباء: ١٤٥/٦، ١٥٠۔

دیکھو! ان علماء کے دلوں میں علم کی کتنی محبت تھی؟ ان کے نفوس میں اس کا کتنا عظیم مقام تھا اور ان کی نگاہوں میں اس کی کتنی بلند حیثیت تھی؟ ان کے بعد کے لوگ ان کی اقتداء کے کس قدر محتاج ہیں؟

مسلمان کو کس علم میں مہارت رکھنی چاہیے؟:

مسلمان کو سب سے پہلے کتاب اللہ کی تلاوت، تجوید اور تفسیر میں مہارت رکھنی چاہیے پھر علوم حدیث، سیرت نبوی اور صحابہ و تابعین کے حالات سے واقفیت رکھنی چاہیے نیز فقہ میں بھی اتنی معلومات رکھنی چاہییں جتنی عبادات و معاملات کی ادائیگی اور مضبوط بنیاد پر دین کے احکام جاننے کے لیے ضروری ہے ۔ یہ اس صورت میں ہے جب مسلمان علوم شریعت کے علاوہ کسی دوسرے علم میں اختصاص (Specialisation) رکھتا ہے لیکن جب وہ علوم شریعت میں سے کسی علم میں ماہر ہو تو ضروری ہے کہ اس میں پوری طرح مہارت رکھتا ہو اور اس کی باریکیوں اور جزئیات سے بھی واقف ہو، ساتھ ہی ساتھ بہتر ہے کہ مسلمان عربی زبان میں بھی مہارت اور قدرت رکھتا ہو۔

ایک خاص موضوع میں مہارت:

اس کے بعد باشعور مسلمان اپنے خاص موضوع کی طرف توجہ کرتا ہے اور اس میں اپنی پوری طاقت صرف کرتا ہے ، اس میں پوری دلچسپی لیتا ہے اور یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اپنے اختصاص کے دائرے میں اس کا عمل فرض ہے خواہ اس کا اختصاص شرعی علوم میں سے کسی علم میں ہو یا دنیاوی علوم میں سے کسی علم میں جیسے حساب، طبیعات، کیمیا، انجینئرنگ، فلکیات، طب، صنعت و تجارت اور دیگر علوم۔ اس پر واجب ہوتا ہے کہ جس علم میں ا ختصاص کر رہا ہے اس میں مہارت حاصل کرے اور اگر اس سے ہو سکے تو اس علم کے متعلق مختلف زبانوں میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا احاطہ کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھے اور مختلف وجوہ اور متعدد طرق سے مسلسل مطالعہ اور معلومات کے ذریعہ اس علم کی نئی تحقیقات سے

واقفیت رکھے۔ اس زمانے میں باشعور اور حقیقی مسلمان ہی ایسی اعلیٰ اور علمی کامیابی حاصل کرسکتا ہے، جس سے اس کی لوگوں کی نگاہوں میں تعظیم و توقیر اور احترام و عزت ہو اور وہ مجد و شرف اور تکریم کے بلند مراتب تک پہنچ سکے۔ وہ علم کے میدان میں جو بلندیاں حاصل کرے گا اس سے اس کی دعوت کو بھی ترقی حاصل ہوگی بشرطیکہ وہ پورے اخلاص، پوری جدو جہد اور عمل پیہم سے دعوت کی نمائندگی کرتا رہے اور اپنے اندر وہ روح اور جذبہ پیدا کرے جس کی اسلام نے علم کے ماحول میں اشاعت کی ہے اسلام نے تحصیل علم فرض قرار دیا ہے، علم حاصل کرنے والا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور علم کو اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے سلف صالحین اپنی تالیف کے مقدموں میں انھی بلند مقاصد کو تحریر کرتے تھے کہ انھوں نے جن علوم کی نشر و اشاعت میں اپنی زندگیاں صرف کی ہیں ان سے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں اور اپنے نتائج فکر کو خالص رب کریم کی رضا کے لیے پیش کرتے ہیں۔

فکر کے دریچے کھولے رکھنا:

باشعور، فہیم اور صاحب رائے مسلمان صرف اپنے اختصاص کے دائرے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ اپنی فکر و عقل کے دریچے کھولے رکھتا ہے۔ مختلف علوم و فنون میں مختلف علمی و ادبی اور ثقافتی کتب و رسائل کا مطالعہ کرتا ہے جو اس کے فن اختصاص سے قریبی تعلق رکھتے ہوں چنانچہ وہ علم و معرفت کی قسموں میں سے ہر قسم کے بارے میں تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہے، جس سے اپنے ذہن کو ہشاش بشاش اور چاق و چوبند رکھتا ہے، اپنے علمی افق کو وسعت دیتا ہے اور عقلی صلاحیتوں کو پروان چڑھاتا ہے۔

دیگر زبانیں جاننا:

وہ کسی بیرونی زبان سے دلچسپی رکھتا ہے، اس زمانے میں صاحب فہم، نشیط اور عصر حاضر میں اسلامی زندگی کے تقاضوں کو سمجھنے والے مسلمان کے لیے بیرونی زبان جاننا انتہائی

ضروری ہے۔

باشعور مسلمان بیرونی زبان جاننے کے سلسلہ میں اپنے عظیم دین کے طریقے سے بہت حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے پندرہ صدی قبل اجنبی زبانیں سیکھنے کی دعوت دی تھی تاکہ مسلمان ہمیشہ مختلف قوموں سے روابط اور تعلقات رکھ سکیں اور انھیں اس حق کی طرف دعوت دے سکیں جسے ساری دنیا میں عام کرنے کا انھیں ذمہ دار بنایا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جسے سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا:

"اے زید! یہود کی زبان سیکھ لو کیونکہ میں اپنے خط کے بارے میں یہود سے مطمئن نہیں ہوں۔" سیدنا زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "میں نے اسے سیکھ لیا اور پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ اس میں مہارت حاصل کر لی۔" چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ ان کو کوئی خط لکھتے تو مجھ سے لکھواتے اور جب وہ لوگ آپ ﷺ کو کوئی خط لکھتے تو میں آپ ﷺ کو پڑھ کر سناتا۔"[1]

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

"کیا تمھیں سریانی زبان اچھی طرح آتی ہے؟ میرے پاس اس زبان میں خطوط آتے ہیں۔" میں نے عرض کیا: "نہیں۔" فرمایا: "اسے سیکھ لو۔" چنانچہ میں نے اسے سیکھ لیا۔"[2]

سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہما متعدد زبانیں جانتے تھے اور ان کی وجہ سے دین یا آخرت سے غافل نہیں ہوتے تھے، ان کے پاس سو غلام تھے، ہر غلام الگ الگ زبان بولتا تھا اور ابن زبیر رضی اللہ عنہما ہر غلام سے اس کی زبان میں گفتگو کرتے تھے، اگر تم

---

1. ابو داوٗد، کتاب العلم، باب روایة أهل الكتاب: ٣٦٤٥۔
2. المستدرك: ٤٢٢/٣۔

انھیں دنیاوی معاملات میں مشغول دیکھتے تو کہتے کہ یہ شخص ایک لمحہ بھی اللہ تعالیٰ کو یاد نہ کرتا ہوگا اور اگر انھیں آخرت کے کاموں میں منہمک دیکھتے تو کہتے کہ یہ شخص تو ایک لمحہ بھی دنیاوی کاموں میں مشغول نہ ہوتا ہوگا۔"[1]

ہر زمانے سے زیادہ آج کے زمانے میں اس چیز کا شدت سے تقاضا ہے کہ مسلمان بعض اجنبی زبانوں سے واقف ہو تاکہ وہ اس زمانہ میں زندگی گزار سکے اور اس کی زبان کے علاوہ دیگر زبانوں میں جو چیز اس کی امت کی ثقافت، اس کے دین اور اس کے قدیم سرمایہ سے تعلق رکھتی ہوں وہ ان کے ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے واقف ہو تاکہ ان کے شر کو دفع کر سکے اور ان سے خیر حاصل کر سکے۔

(ج) روح

مسلمان اپنے نفس کی دیکھ بھال کرتے ہوئے اور اپنے جسمانی اور عقلی وجود کی تعمیر کرتے ہوئے یہ نہیں بھولتا کہ وہ صرف جسم اور عقل کا مرکب ڈھانچہ نہیں ہے بلکہ اس کے پاس ایک دھڑکنے والا دل، ایک موجزن روح اور ایک حساس نفس ہے۔ وہ بلند خواہشات رکھتا ہے جو عالم عبادت میں مستغرق ہونے اور اللہ تعالیٰ کے پاس ملنے والی نعمتوں کی امید رکھنے اور سزاؤں سے ڈرنے پر اکساتی ہیں۔

عبادت کے ذریعہ روح کی جلا:

اس طور پر مسلمان پر لازم ہوتا ہے کہ وہ اپنی روح پر توجہ دے اور رات اور دن کے اوقات میں عبادت اور مراقبۂ الٰہی کے ذریعے اسے جلا دے، بیدار اور ہوشیار رہے اور جب انسانی کمزوری کے کسی لمحے میں کوئی شیطانی وسوسہ دل میں پیدا ہو تو فوراً متنبہ ہو جائے، توبہ و استغفار کرے۔ ارشاد ربانی ہے:

---

[1] مستدرك حاكم: ٣/ ٥٤٩۔ حلية الاولياء از ابو نعيم اصفهانى: ١/ ٣٣٤۔

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ﴾ (الاعراف: ۲۰۱)

''جو لوگ متقی ہیں ان کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال اگر انھیں چھو بھی جاتا ہے تو وہ فوراً چوکنے ہو جاتے ہیں اور پھر انھیں صاف نظر آنے لگتا ہے'' (کہ ان کے لیے صحیح طریق کار کیا ہے؟)

اسی لیے رسول اللہ ﷺ صحابہ سے فرماتے تھے:

''اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''ہم کیسے اپنے ایمان کی تجدید کریں؟'' فرمایا: ''کثرت سے لا الہ الا اللہ کہا کرو۔''①

مسلمان اپنی روح کو تقویت اور نفس کی اصلاح میں متعدد قسم کی عبادات کا سہارا لیتا ہے، جنھیں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے، عاجزی اور فروتنی اختیار کرتے ہوئے انجام دیتا ہے، جیسے وقار، تدبر اور خشوع کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت، عاجزی اور حضور قلب کے ساتھ اس کا ذکر، تمام شروط کے ساتھ، خشوع وخضوع اور حاضری کے ساتھ نماز اور دیگر عبادتیں اور روحانی ریاضتیں، وہ اپنے نفس کی ان طاعات کے سرانجام دینے پر تربیت کرتا ہے حتیٰ کہ وہ اس کی عادت اور فطرت ثانیہ بن جاتی ہیں اور ان میں انقطاع اور توقف نہیں ہوتا، اس طرح اس کے نفس اور شعور واحساس میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، اس کے حواس بیدار ہو جاتے ہیں اور وہ بیشتر اوقات بیدار، ہوشیار، کھلے چھپے اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنے والا، لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی خشیت کا استحضار رکھنے والا ہوتا ہے۔ وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا، حق سے نہیں ہٹتا اور سیدھے راستے سے انحراف نہیں کرتا۔

صحبت صالح ترا صالح کند:

اس مقصد کو حاصل کرنے اور اس پر مشقت منزل تک پہنچنے میں مسلمان اپنے نیک

① احمد: ۳۵۹/۲۔

دوست سے بھی مدد لیتا ہے جو اس کو حق کی نصیحت کرتا ہے اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کو صبر کی تلقین اور وصیت کرتے ہیں۔ اسی طرح وہ ایمان کی روحانی مجلسوں میں بھی کثرت سے جاتا رہتا ہے، جہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے اور اسلام، فرد، خاندان اور معاشرہ کی تربیت میں اس کی عظمت کے بارے میں گفتگو ہوتی رہتی ہے اور جن میں حاضر ہونے والے لوگ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کی قدرت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کائنات، زندگی اور انسان میں اللہ تعالیٰ کی عظیم خلقت اور عجیب وغریب کاریگری کا جائزہ لیتے ہیں چنانچہ ان مجالس میں روح کا تزکیہ ہوتا ہے، نفس جلا پاتا ہے، قلب کا تصفیہ ہوتا ہے اور انسان کے پورے وجود میں ایمان کی بشاشت سرایت کر جاتی ہے۔ اسی لیے سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ جب کسی صحابی سے ملتے تو فرماتے:

"آؤ تھوڑی دیر اپنے رب پر ایمان میں اضافہ کریں۔"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا:

"اللہ تعالیٰ ابن رواحہ رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، وہ ایسی مجالس پسند کرتے ہیں جن پر فرشتے فخر کرتے ہیں۔"[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلافت کی مشغولیات اور حکومت کی ذمہ داریوں میں سے اپنے آپ کو الگ کرتے اور ایک یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑتے اور فرماتے:

"آؤ! چلیں اور اپنے ایمان میں اضافہ کریں۔"[2]

چنانچہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جو تقویٰ وصلاح اور حسن عبادت کے اونچے مقام پر تھے، وقتاً فوقتاً نفس کی جلا کی ضرورت محسوس کرتے۔ وہ دنیا کی مصروفیات اور زندگی کی ضروریات سے کچھ

---

1. احمد: ۳۶۵/۳۔
2. حیاۃ الصحابۃ: ۳۲۹/۳۔ ابن ابی شیبۃ: ۳۱۹/۷، مکتبہ امدادیہ۔

وقت نکال کر اس میں قلب کو آرام پہنچانے، نفس کو جلا بخشنے اور روح کا تصفیہ کرنے کے لیے یکسو ہو جاتے۔ اسی طرح سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اگر اپنے ساتھیوں کے ساتھ کہیں جا رہے ہوتے تو کہتے:

''آؤ تھوڑی دیر بیٹھ کر ایمان میں اضافہ کر لیں۔''[1]

مسلمان اپنی روح کو تقویت پہنچانے، نفس کا تزکیہ کرنے، اسے ہمیشہ بلندی کی طرف لے جانے اور تنزلی سے بچانے کے سلسلہ میں ذمہ دار و جواب دہ ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ۝ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾ (الشمس: ۷-۱۰)

''اور نفس انسانی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا! پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔''

اس لیے مسلمان سے مطلوب ہے کہ وہ ایسے دوست بنائے اور ایسی مجلسوں میں جائے جن سے اس کے ایمان، صلاح، تقویٰ اور بصیرت میں اضافہ ہو۔ برے اور شیطان صفت دوستوں سے بچا رہے اور ایسی بدکاری، فحاشی اور معصیت کی مجلسوں سے دور رہے جن سے نفس ظالم ہو جاتا ہے اور دل پر زنگ لگ جاتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (الكهف: ۲۸)

''اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے ہرگز نہ پھرو، تم حیاتِ

---

[1] حياة الصحابة: ۳۲۹/۳۔ ابن ابی شيبة: ۲۱۹/۷۔ مکتبہ امدادیہ۔

دنیا کی زینت پسند کرتے ہو مگر کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریقہ افراط و تفریط پر مبنی ہے۔“

مسنون دعاؤں کا ورد:

مسلمان اپنی روح کو تقویت پہنچانے اور اپنے دل کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے میں ان دعاؤں سے مدد لیتا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے گھر سے نکلنے، گھر میں داخل ہونے، مسافر کو الوداع کہنے، مسافر کا استقبال کرنے، نیا کپڑا پہننے، بستر پر لیٹنے، سو کر اٹھنے اور دیگر کاموں میں مروی ہیں۔ آپ ﷺ جب بھی کوئی کام کرتے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ وہ اس کام میں راستی و استقامت کی توفیق دے اور غلطی و لغزش سے بچائے رکھے۔ لطف و کرم فرمائے اور خیر کا معاملہ کرے۔ یہ ساری دعائیں حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں (دیکھیے حسن البنا شہید کی کتاب ”الماثورات“ اور عبدالفتاح ابو غدہ کی کتاب ”رسالۃ المسترشدین“) آپ یہ دعائیں اور اذکار صحابہ کو سکھاتے تھے اور موقعوں کی مناسبت پر انھیں پڑھنے پر اکساتے تھے۔

متقی اور باشعور مسلمان رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوہ اختیار کرتے ہوئے ان مسنون دعاؤں کو یاد کرتا ہے اور ان کے اوقات اور مناسبتوں میں ان کو دہراتا رہتا ہے، اس طرح اس کا دل اللہ عزوجل سے ملا رہتا ہے، اس کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، اس کی روح کو بلندی حاصل ہوتی ہے اور اس کے وجدان و شعور پر رقت طاری ہوتی ہے۔

اس روحانی ریاضت سے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ارواح کو سدھایا اور ان کے نفوس کو جلا دی، جس سے وہ صاف شفاف اور روشن ہو گئے اور ان میں کوئی کھوٹ، کدورت، ملاوٹ باقی نہ بچی۔ ان کے ذریعہ اسلام کا عظیم معجزہ ظاہر ہوا اور ایک ایسی مہذب ترقی یافتہ اور منفرد نسل نمودار ہوئی جس نے چند ہی سال میں معجزات کر دکھائے۔

سچے اور حقیقی مسلمان کی آج ہر زمانے سے زیادہ ضرورت ہے کہ اپنی روح کو اس روشن اور بلند افق تک پہنچنے اور اس کے گرد منڈلانے پر سدھائے تاکہ وہ اپنی دعوت کے معیار پر پورا اتر سکے اور جو عظیم ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں انھیں بحسن وخوبی ادا کر سکے۔

❀......❀......❀

باب سوم

مسلمان کا تعلق اپنے والدین کے ساتھ

وہ جو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی، اس کی بیٹیاں اور اس کی بہنیں بے پردہ بازاروں میں نکلتی ہیں، بدن پر لباس ہوتے ہوئے بھی وہ ننگی معلوم ہوتی ہیں، سر دوپٹے سے خالی اور سینے اور بازو کھلے رہتے ہیں مگر وہ اس بدترین صورتحال کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا...... اس میں دراصل مردانگی کی کمی ہے۔ اس نے اسلام کا طوق گلے سے نکال پھینکا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس عمیق کھائی سے اسے سچی توبہ ہی نکال سکتی ہے جو اس کے ضمیر کو بیدار کر دے اور وہ اس سے ایک ایسے زبردست جھٹکے سے نجات پاسکتا ہے جو اس کی مردانگی کو متحرک کر دے اور اسے سیدھے راستے کی طرف پھیر دے۔

مسلمان کا تعلق اپنے والدین کے ساتھ

والدین کے ساتھ حسن سلوک:

حقیقی مسلمان کی ایک نمایاں صفت یہ ہے کہ وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آتا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک ان جلیل القدر اور عظیم کاموں میں سے ہے جن پر اسلام نے بہت زور دیا ہے اور نصوص میں ان پر بہت زور دیا گیا ہے۔ قرآن وسنت میں یہ نصوص بکثرت مذکور ہیں اور ان سب میں والدین کے ساتھ نیک سلوک اور حسن مصاحبت کا حکم دیا گیا ہے، اس وجہ سے والدین کے ساتھ حسن سلوک باشعور مسلمان کی ایک ممتاز خصلت اور نمایاں عادت ہوتی ہے۔

والدین کی قدر ومنزلت اور حقوق:

اسلام نے والدین کے مقام کو اتنا بلند کیا ہے جتنا اس دین کے علاوہ دوسرے ادیان و مذاہب میں انسانیت نے کبھی نہیں دیکھا۔ اسلام نے ان کے ساتھ نیک برتاؤ اور حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی بندگی کے درجے کے متصل بعد رکھا ہے۔ قرآن کریم کی بکثرت، پے درپے اور مسلسل آیات مذکور ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بعد والدین کی خوشنودی کا درجہ قرار دیتی ہیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کی فضیلت کے بعد سب سے بڑی انسانی فضیلت قرار دیتی ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (النساء: ٣٦)

"اور تم سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔"

اس لیے سچا اور باشعور مسلمان دنیا میں ہر انسان سے زیادہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔

قرآن کریم نے والدین کے مقام کی بہترین تصویر کشی کی ہے اور وہ بلند اخلاقی اسلوب بتلایا ہے جسے ایک مسلمان کو والدین کے ساتھ معاملہ برتنے میں اختیار کرنا چاہیے۔ اگر دونوں یا کسی ایک کی عمر طویل ہو جائے اور وہ بڑھاپے، کمزوری اور بے چارگی کے مرحلہ میں پہنچ جائیں تو اسلام نے ان کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے جیسا اس دین کے آنے سے پہلے انسانیت نے کبھی نہیں دیکھا تھا، ارشاد گرامی ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْ هُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ٢٣، ٢٤)

"تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار! ان پر رحم فرما! جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

مسلمان کے رب کا یہ زندہ و جاوید ارشاد حتمی فیصلہ کی صورت میں ہے جس سے پہلوتہی

اور خلاصی ممکن نہیں ''تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو'' آیت میں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے درمیان مضبوط تعلق پایا جا رہا ہے۔ اس طرح والدین کے مقام کو اتنی بلندی اور ان کی قدر و منزلت کو اتنی رفعت حاصل ہوتی ہے جہاں حکماء و مصلحین اور معلمین اخلاق بھی نہیں پہنچ سکے ہیں۔

آیت کا سیاق والدین کے ساتھ حسن سلوک کی یہ روشن اور عظیم تصویر کھینچنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ وجدانی، رقیق اور محبت آمیز تعبیر کے ذریعہ، جس سے رقت، سلاست اور انسیت ٹپکتی ہے، بیٹوں کے دلوں میں رحم و ہمدردی اور حسن سلوک کے جذبات موجزن کر دیتا ہے ''اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں'' تو وہ تمھاری دیکھ بھال، نگرانی اور حفاظت میں رہتے ہیں اور وہ بوڑھے، ضعیف اور کمزور ہوتے ہیں اس لیے احتیاط کرو کہ کہیں تمھارے منہ سے ناراضی، ملامت، اکتاہٹ اور تنگی کا کوئی کلمہ نہ نکل جائے۔ ''تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو'' بلکہ کوئی بات کہنے سے پہلے دیر تک سوچ لو اور ایسی بات کہو جو ان کی پسندیدہ ہو اور جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔ ان کے ساتھ پورے احترام اور انتہائی ادب کے ساتھ کھڑے رہو، جس طرح انتہائی عاجزی، فروتنی اور خشوع و خضوع کے ساتھ کھڑا ہوا جاتا ہے ''اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو'' اور ان کے لیے تمھاری زبان سے دعا نکلنی چاہیے کیونکہ انھوں نے تم پر ایسا احسان کیا ہے جسے بھلایا نہیں جا سکتا اور تمھاری اس وقت پرورش کی ہے جب تم چھوٹے، کمزور اور ناتواں تھے ''اور دعا کیا کرو کہ پروردگار! ان پر رحم فرما! جس طرح انھوں نے رحمت و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

مسلمان جو کھلے دل اور روشن بصیرت کا حامل ہوتا ہے، اس قسم کے الٰہی ارشاد کو متعدد

آیتوں میں پاتا ہے چنانچہ اپنے والدین کے ساتھ اس کے احترام اور حسن سلوک میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے:

﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (النساء: ٣٦)

''اور تم سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔''

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ﴾ (العنكبوت : ٨)

''ہم نے انسان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرے۔''

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ وَهْنًا عَلٰى وَهْنٍ ﴾ (لقمان : ١٤)

''ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا۔''

''والدین کے ساتھ حسن سلوک'' کے سلسلہ میں وارد نصوص میں غور کرنے والا شخص دیکھتا ہے کہ قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ احادیث شریفہ بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کو پورے زور و تاکید سے ثابت کرتی ہیں اور ان کی نافرمانی و بدسلوکی سے ڈراتی ہیں خواہ اس کے اسباب کچھ بھی ہوں:

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے نبی ﷺ سے پوچھا: ''کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔'' فرمایا: ''وقت پر نماز ادا کرنا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ''والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔'' میں نے کہا: ''پھر کون سا؟'' فرمایا: ''اللہ کی راہ میں

---

❶ بخاری، کتاب الأدب، باب البر والصلة : ٥٩٧۔

جہاد کرنا۔"[1]

تربیت کرنے والے عظیم رسول ﷺ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اسلام کے دو عظیم اعمال کے درمیان رکھا ہے اور وہ ہیں وقت پر نماز کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد۔ نماز دین کا ستون ہے اور جہاد اسلام کا سب سے بلند حصہ، غور کرنے کا مقام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے والدین کو کتنا عظیم اور معزز مقام عطا فرمایا ہے:

رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ میں آپ (ﷺ) سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے اس کے اجر و ثواب کی امید رکھتا ہوں۔ آپ ﷺ کچھ دیر کے بعد اس سے سوال کرتے ہیں: "کیا تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟" کیا تم اللہ تعالیٰ سے اجر چاہتے ہو؟" وہ شخص جواب دیتا ہے: "جی ہاں!" رحمدلی اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تعلیم دینے والے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

«فَارْجِعْ إِلَى وَالِدَيْكَ فَأَحْسِنْ صُحْبَتَهُمَا»[1]

"اپنے والدین کے پاس واپس جاؤ اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔"

بخاری و مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے جہاد کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا تمھارے والدین زندہ ہیں؟" اس نے کہا: "ہاں!" فرمایا:

«فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ»[2]

"تو پھر انھی کی خدمت جہاد سمجھ کر کرو۔"

---

1. مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به: ٢٥٤٩ـ بخاری: ٣٠٠٤ـ
2. مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به: ٢٥٤٩ـ بخاری، کتاب الجهاد، باب الجهاد باذن الابوين: ٣٠٠٤ـ

رسول اللہ ﷺ جہاد کے لیے فوجوں کی ٹولیاں تیار کرتے ہوئے والدین کی کمزوری کو فراموش نہیں کرتے تھے اور ان کا انسانی رقت پذیر دل یہ یاد رکھتا تھا کہ والدین اپنے بیٹے کے محتاج ہیں چنانچہ آپ ﷺ جہاد کے لیے ایسے شخص کو اس سے واپس لوٹا دیتے اور اسے نرمی سے والدین کی خدمت کی طرف متوجہ کرتے جبکہ آپ ﷺ کو اس وقت ایسے لوگوں کی شدید ضرورت تھی جو جنگ کر سکیں اس لیے کہ آپ ﷺ کو پورا اندازہ تھا کہ اسلام کے کامل و متوازن اور منفرد نظام میں جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی سعادت کے لیے نازل فرمایا ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے کام بحسن و خوبی انجام دینے کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ جب سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ان کے اسلام قبول کرنے پر ناراضی کا اظہار کیا اور ان سے کہا:

"تم اسلام سے پھر جاؤ ورنہ میں کھانا پینا چھوڑ دوں گی، یہاں تک کہ مر جاؤں گی اور تم کو عرب کی عار لگ جائے گی، لوگ کہیں گے کہ اس نے اپنی ماں کو مار ڈالا۔"

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

"جان لو، اللہ کی قسم! اگر تمھاری سو جانیں ہوں اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تب بھی میں اسلام سے نہیں پھروں گا۔"

ان کی ماں نے ایک دن صبر کیا، دو دن صبر کیا، تیسرے دن جب بھوک نے بہت زیادہ ستایا تو کھانا کھا لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی جس میں سیدنا سعد رضی اللہ عنہ پر عتاب تھا کہ انھوں نے اپنی ماں کو اتنا سخت جواب کیوں دیا؟ ارشاد ہوا:

﴿وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا﴾ (لقمان: ١٥) [1]

---

[1] مسلم، فضائل الصحابة، باب في فضل سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه: ١٧٤٨۔

''اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کر جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔''

''عبادت گزار جریج رحمہ اللہ کے قصہ میں بھی والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کی اطاعت وفرماں برداری کے سلسلہ میں بڑی عبرت ہے، وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی ماں نے آواز دی، انھوں نے کہا:

''اے رب! میں کیا کروں؟ نماز جاری رکھوں یا ماں کی پکار پر لبیک کہوں؟''

آخر انھوں نے نماز کو ترجیح دی، ماں نے دوبارہ آواز دی مگر انھوں نے جواب نہیں دیا اور نماز میں مشغول رہے تو ان کی ماں نے بددعا دے دی:

''اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے تجھے بدکار عورتوں کا چہرہ دکھا دے۔''

ایک بدکار عورت نے کسی چرواہے سے زنا کیا جس سے اسے حمل ٹھہر گیا، جب اسے ڈر ہوا کہ اس کا پول کھل جائے گا تو چرواہے نے اسے کہا کہ اگر کوئی تم سے بچے کے بارے میں پوچھے تو کہہ دینا کہ وہ عبادت گزار جریج رحمہ اللہ کا ہے، عورت نے ایسا ہی کہہ دیا، لوگوں نے جریج کا صومعہ (عبادت کا حجرہ) ڈھا دیا، حاکم اسے سزا دینے کے لیے میدان میں لے جانے لگا، وہ راستے ہی میں تھا کہ اسے اپنی ماں کی بددعا یاد آ گئی، وہ مسکرا دیا، جب اسے سزا دینے کے لیے آگے بڑھایا گیا تو اس نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی، نماز کے بعد اس نے بچے کو طلب کیا اور اس کے کان میں آہستہ سے کہا: ''تیرا باپ کون ہے؟'' بچے نے کہا: ''میرا باپ فلاں چرواہا ہے۔''[1]

---

[1] یہ بچہ ان تین بچوں میں سے ہے جو گود میں بولے ہیں، دوسرے سیدنا عیسیٰ ابن مریم ہیں اور تیسرا وہ بچہ ہے جو اپنی ماں کے ساتھ ''اخدود'' (آگ کی خندق) میں کودا تھا۔

لوگوں نے تسبیح پڑھی، اللہ اکبر کہا اور کہا کہ ہم تمھارے صومعہ کو سونے چاندی سے
بنا دیں گے۔ جریج نے کہا نہیں اسی طرح مٹی کا بنا دو جس طرح پہلے تھا۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ کی روایت کردہ اس حدیث میں نبی ﷺ فرماتے ہیں:

"اگر جریج فقیہ ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ والدہ کی آواز پر لبیک کہنا نماز جاری رکھنے سے زیادہ ضروری ہے۔"

اسی لیے فقہاء کہتے ہیں کہ آدمی جب نفل نماز پڑھ رہا ہو اور والدین میں سے کوئی اسے آواز دے تو اس پر ضروری ہے کہ نماز توڑ دے اور ان کی آواز پر لبیک کہے۔

غیر مسلم والدین سے حسن سلوک:

والدین کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ کے مبارک ارشادات انسانیت کے بام عروج کو چھوتے ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کی ہر حال میں وصیت کی ہے خواہ وہ اسلام کے علاوہ کسی اور مذہب کے پیرو ہوں۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میری ماں میرے گھر آئیں (وہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایمان نہیں لائی تھیں) میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلہ میں دریافت کیا اور کہا: "میری ماں آئی ہیں اور مجھ سے کسی چیز کی خواہش مند ہیں۔ کیا میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں! تم اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کر سکتی ہو۔"[2]

حقیقی مسلمان جو ان عظیم قرآنی آیات اور اعلیٰ نبوی ارشادات کو سمجھتا اور یاد رکھتا ہے،

---

1. مسلم، کتاب البر والصلة، باب تقديم بر الوالدين على التطوع بالصلاة وغيرها: ٢٥٥٠۔ بخاری: ٣٤٣٦۔
2. بخاری، کتاب الھبة و فضلھا، باب الھدية للمشركين: ٢٦٢٠۔

وہ ہر وقت اور ہر حال میں لوگوں میں سب سے زیادہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور ان کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ کا بھی یہی کردار تھا، ایک شخص نے سیدنا سعید بن مسیب رحمہ اللہ سے عرض کیا:

''جس آیت میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اسے میں سمجھ گیا ہوں مگر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا سمجھ میں نہیں آیا۔ قول کریم (نیک بات) کا مطلب کیا ہے؟ سیدنا سعید رحمہ اللہ نے جواب دیا: ''اس کا مطلب ہے کہ ان سے اس طرح بات کرو جس طرح غلام اپنے آقا سے بات کرتا ہے۔''

ابن سیرین رحمہ اللہ اپنی والدہ کے سامنے احترام واکرام کی وجہ سے اتنی آہستہ آواز میں بولتے تھے گویا بیمار ہوں۔

والدین کی نافرمانی سے اجتناب:

جب ہم اس روشن اور تابناک پہلو سے آگے بڑھتے ہیں اور اس کے بالمقابل دوسرے پہلو پر نظر ڈالتے ہیں جس میں والدین کی نافرمانی سے ڈرایا گیا ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سخت وعید ہے جو بیٹے کے نافرمان وسخت دل کو ہلا کر رکھ دیتی ہے اور اس کے ضمیر کو جھنجوڑ دیتی ہے۔

اس قسم کی احادیث نافرمان بیٹے کی زبردست سرزنش کرتی ہیں کیونکہ ان میں والدین کی نافرمانی کو شرک سے متصل درجہ میں رکھا گیا ہے، جبکہ ان کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ پر ایمان کے بعد کا درجہ دیا گیا ہے۔ والدین کی نافرمانی ایک بدترین اور سخت ترین جرم ہے، جس کے تصور ہی سے سچے مسلمان کا دل دہل جاتا ہے اور اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ اس کا شمار کبائر، بڑے بڑے گناہوں اور خطاؤں میں ہوتا ہے۔ سیدنا ابوبکرہ نفیع بن الحارث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا:

''کیا میں تمھیں بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟'' ہم نے عرض کیا: کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول! (ﷺ)'' آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَلْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَ عُقُوْقُ الْوَالِدَيْنِ)) ①

''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔''

پہلا حق ماں کا ہے، پھر باپ کا:

اسلام نے اپنے ارشادات میں ماں باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک پر زور دیا اور ہر ایک کا الگ الگ خاص طور پر تذکرہ کیا ہے تاکہ اولاد کے نزدیک والدین کے ساتھ حسن سلوک کے توازن میں خلل نہ ہو اور والدین میں سے کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

ابھی ایک حدیث میں گزرا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ ﷺ سے جہاد پر بیعت کرنے کی خواہش ظاہر کرتا ہے، آپ اس سے دریافت کرتے ہیں: ''کیا تمھارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟''

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ماں باپ دونوں کے حسن سلوک کو برابر واجب قرار دیا ہے۔

سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انھیں مشرک ماں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم دیا، ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے اچھے برتاؤ کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟''

رسول کریم ﷺ نے جواب دیا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: ''پھر؟'' فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: ''پھر؟'' فرمایا: ''تیری ماں۔'' اس نے کہا: ''پھر؟'' فرمایا: ''تمھارا باپ۔'' ②

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب عقوق الوالدين من الكبائر : ٥٩٧٦۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة : ٥٩٧١۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدين وأيهما أحق به : ٢٥٤٨)

اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ماں کی خدمت اور اچھا برتاؤ، باپ کے ساتھ حسن سلوک پر مقدم ہے، رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی مسلمانوں کو اس کی اہمیت بتلائی اور اس پر زور دیا حتیٰ کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما جو اس امت کے عالم اور فقیہ ہیں نے ماں کے ساتھ حسن سلوک کو اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ قریب کرنے والا عمل بتایا ہے، ان کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا:

"میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا تھا، اس نے میرے ساتھ نکاح کرنے سے انکار کر دیا اور دوسرے شخص نے اسے نکاح کا پیغام دیا تو اس نے اس کے ساتھ نکاح کرنا منظور کر لیا، مجھے غیرت آئی اور میں نے اسے قتل کر دیا، کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "کیا تمھاری والدہ زندہ ہیں؟ اس نے کہا: "نہیں" آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تو پھر تم سے جتنا ہو سکے اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور اس سے تقرب حاصل ہونے والے اعمال کرو۔"

سیدنا عطاء بن یسار جنھوں نے اس حدیث کو سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں کہ میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا اور دریافت کیا:

"آپ نے اس شخص سے ماں کے زندہ ہونے کے بارے میں کیوں سوال کیا تھا؟" انھوں نے فرمایا: "میں نہیں جانتا کہ والدہ کے ساتھ حسن سلوک سے زیادہ کوئی عمل اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والا ہے۔"[1]

امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الادب المفرد" میں جس کا آغاز انھوں نے "والدین کے ساتھ حسن سلوک" کے باب سے کیا ہے، "ماں کے ساتھ حسن سلوک" کے باب کو "باپ کے ساتھ حسن سلوک" کے باب پر مقدم رکھا ہے۔ اس طرح امام بخاری نے اپنے ابواب میں

---

[1] الأدب المفرد: ٤۔

یکسانیت وہم آہنگی پیدا کی ہے اور نبی کریم ﷺ کے طریقے کا لحاظ کیا ہے۔

قرآن مجید نے والدین سے حسن سلوک کرنے اور حقوق پہچاننے کے سلسلے میں بیٹے کے جذبات برانگیختہ کیے ہیں چنانچہ اس نے والدین کے حقوق پہچاننے کی تاکید کے ساتھ ماں کی فضیلت کی طرف الگ اشارہ کیا ہے کیونکہ وہ حمل و رضاعت کے مراحل میں انتہائی مشقتیں اور تکالیف برداشت کرتی ہے۔ قرآن مجید نے اس کی ایسی نازک اور لطیف تصویر کشی کی ہے جو فیاضی مطلق شفقت و مہربانی اور رحم و کرم پر دلالت کرتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّ فِصْلُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَ لِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴾ (لقمان : ١٤)

”ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لیے ہم نے اسے نصیحت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر بجا لا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے۔“

کتنی اعلیٰ تربیت ہے! اور کس قدر رحم اور ہمدردی سے معمور رہنمائی ہے! کہ ”میرا اور اپنے والدین کا شکر بجالا“ والدین نے اپنے بچے کے ساتھ جو خیر کا معاملہ کیا تھا، اس پر ان کا شکر اللہ تعالیٰ کے شکر کے درجے سے متصل ہے جو تمام فضائل کی اصل اور نیک اعمال کی بنیاد ہے۔ اس دین نے والدین کو کتنا بلند درجہ مرحمت فرمایا ہے!!

دنیا میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب بیٹے کو دنیا حاصل ہوتی ہے، روزی کی بہتات ہوتی ہے، اس کے خزانے مال و دولت سے پر ہو جاتے ہیں، بہت زیادہ کشادگی حاصل ہو جاتی ہے اور خوبصورت بیوی اسے اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے تو وہ اپنے والدین سے بے توجہی برتنے لگتا ہے، اپنے باپ کو اور جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا اور جو احسانات کیے تھے وہ سب بھول جاتا ہے، اس پر کچھ خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ روک لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا

ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

لیکن حقیقی اور سچا مسلمان اس سے کوسوں دور رہتا ہے اس لیے کہ وہ ہمیشہ اسلام کی بلند، پرحکمت اور سیدھی تعلیمات کے مبارک اور موجزن سرچشمہ سے اپنا تعلق استوار رکھتا ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ اعلان سنتا ہے:

« أَنْتَ وَمَالُكَ لِأَبِيكَ »[1]

''تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمھارا مال بھی۔''

حدیث کا مکمل متن یہ ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول (ﷺ)! میں صاحب اولاد ہوں، میرے پاس کچھ مال ہے، میرا والد اسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

« أَنْتَ وَ مَالُكَ لِوَالِدِكَ ، إِنَّ أَوْلَادَكُمْ مِنْ أَطْيَبِ كَسْبِكُمْ فَكُلُوا مِنْ كَسْبِ أَوْلَادِكُمْ »[2]

''تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمھارا مال بھی، تمھاری اولاد تمھاری بہترین کمائی ہے، اپنی اولاد کی کمائی میں سے کھاؤ۔''

مسند احمد کی ایک روایت ہے:

« فَكُلُوهُ هَنِيئًا »[3]

''ان کی کمائی سے مزے لے کر کھاؤ۔''

امام خطابی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ حاشیہ چڑھایا ہے:

''سوال کرنے والے نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ اس کا باپ اس کا مال ہلاک کرنا

---

1. احمد: ۲/۲۱۴۔ ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب ما للرجل من مال ولدہ: ۲۲۹۲۔
2. ابو داؤد، کتاب البیوع، باب الرجل یأکل من مال ولدہ: ۳۵۳۰۔
3. مسند احمد: ۲/۱۷۹۔

چاہتا ہے اس کا مطلب شاید یہ ہے کہ ان پر خرچ کرنے کے لیے جتنے مال کی ضرورت ہے وہ بہت زیادہ ہے، اس لیے مال کا منافع کافی نہیں ہے بلکہ اصل مال بھی خرچ کرنا پڑے گا، مگر اس کے باوجود نبی ﷺ نے انھیں معذور نہیں سمجھا اور ان پر خرچ نہ کرنے سے رخصت نہیں دی بلکہ فرمایا: ''تم بھی اپنے باپ کے ہو اور تمھارا مال بھی۔'' یعنی انھیں تمھارے مال میں سے جب اور جتنی ضرورت ہوگی اتنا لے لیں گے جس طرح کہ اپنے مال میں سے لیتے ہیں، یہی نہیں بلکہ اگر تمھارے پاس مال نہ ہو اور تم کماتے ہو تو ضروری ہے کہ تم کما کر ان پر خرچ کرو۔''

ایک مومن کا وجود اس ادب نبوی سے جھوم اٹھتا ہے اور ہدایت کے فیوض سے اس کا نفس کھل اٹھتا ہے چنانچہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک، ان کی دیکھ بھال، محبت و ہمدردی اور داد و دہش میں منہمک ہو جاتا ہے، ان کی نافرمانی سے بچا رہتا ہے اور حقیقی طور پر ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''وہ اور اس کا مال اس کے باپ کا ہے۔''

والدین کے دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا:

اس دین حنیف کی ہدایات وارشادات میں صرف والدین ہی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ اس سے بڑھ کر والدین کے دوستوں، عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی نیک سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ اَنْ یَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ اَبِیْهِ))[1]

''سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرے۔''

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل صلة أصدقاء ...... الخ : ٢٥٥٢۔

ایک روایت میں ہے:

«إِنَّ مِنْ أَبَرِّ الْبِرِّ صِلَةَ الرَّجُلِ أَهْلَ وُدِّ أَبِيهِ بَعْدَ أَنْ يُوَلِّيَ» [1]

"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی کرے۔"

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ملاقات ان کے والد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دوست سے ہوئی، انھوں نے ان کی خوب خاطر تواضع اور اکرام کیا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ جو لوگ تھے انھوں نے ان سے کہا: "اس کے لیے تو یہی کافی تھا کہ اسے ایک یا دو درہم دے دیتے۔" ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

"اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ نیک سلوک کرو اور رشتوں کو نہ توڑو، ورنہ اللہ تعالیٰ تمھیں بے نور کر دے گا۔" [2]

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: "اے اللہ کے رسول! کیا کوئی ایسی نیکی باقی ہے جو میں اپنے والدین کے مرنے کے بعد کروں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہاں ان کے مرنے کے بعد چار چیزیں کرنے کی ہیں، ان کے لیے دعا و استغفار کرنا، ان کے عہد کو پورا کرنا، ان کے دوستوں کی عزت کرنا اور ان کے رشتوں کو جوڑنا جو ان کے بغیر نہیں جوڑے جا سکتے۔" [3]

والدین کے ساتھ محبت، وفاداری، حسن سلوک اور احترام و اکرام کا یہ کتنا اعلیٰ مقام ہے کہ بیٹا ان کی زندگی میں اور ان کی وفات کے بعد بھی ان کے دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی

---

1. مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل صلة أصدقاء الأب و الأم ونحوهما: ٢٥٥٢۔
2. طبراني في الأوسط: ٢٧٩/٨، رقم الحديث: ٨٦٣٣۔ مجمع الزوائد: ١٤٧/٨۔ كنز العمال: ٤٥٤٦٠۔
3. الأدب المفرد، باب بر الوالدين بعد موتهما: ٣٥۔ ضعيف، دیکھیے سلسلة الضعيفة: ٥٩٧۔

کرتا ہے۔ حقیقی اور سچا مسلمان ہمیشہ ان کے دوستوں کے ساتھ محبت و مودت، تعلق اور دوستی کے رشتے کو مستحکم رکھتا ہے اور والدین کی وفات کے بعد بھی ان سے محبت کرتا رہتا ہے۔ ان کے ساتھ احترام و اکرام کے ساتھ پیش آتا ہے، وہ اس قدیم دوستی کو نہیں بھولتا اور اس شریف انسانی رشتے سے غفلت نہیں برتتا جسے اس کے محبوب والدین نے قائم کیا تھا۔ ایسے ہی بلند انسانی جذبات اور خالص دوستی سے زندگی کا حسن قائم ہے، جینے کا مزہ باقی ہے اور یہ چیزیں اس زندگی میں سچے مسلمان کے وجود سے مربوط و متعلق ہیں۔

مغرب میں بیٹا سن رشد کو پہنچتے ہی اپنے والدین سے الگ ہوجاتا ہے اور ماں باپ اور بیٹے کا رشتہ منقطع ہو جاتا ہے، پھر اپنے ماں باپ سے ملاقات کرنے اور رحم و ہمدردی کا برتاؤ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بیٹا اپنے کام سے کام رکھتا ہے اور مڑ کر بھی اپنے بوڑھے والدین کو محبت و وفا داری اور ہمدردی و حسن سلوک کی نگاہ سے نہیں دیکھتا کہ جنھوں نے اپنے نوخیز لڑکوں کے لیے پوری زندگی قربان کردی۔ مغرب میں بیٹے کی اپنے والدین کے ساتھ اس نافرمانی، سختی اور بدسلوکی کی اس نیک برتاؤ، محبت و مودت، وفا داری اور جذباتی سیرابی سے کیا نسبت جس کا اظہار اسلام کا وفادار فرزند والدین کی حیات میں اور وفات کے بعد، ان کے دوستوں کے ساتھ صلہ رحمی کر کے کرتا ہے!

یہ اسلام اور اس کا منفرد اور ممتاز نظام ہی ہے جس نے نفوس کو اس طرح ڈھال دیا ہے اور اتنے بلند اور شریف انسانی تعلقات قائم کیے ہیں جن کی بلندی تک کوئی دوسرا نظام پہنچ سکا ہے اور نہ کوئی قانون۔

والدین سے کس طرح حسن سلوک کرتا ہے؟

اسلام نے مسلمان کی جو شخصیت ڈھالی ہے وہ حقیقتاً والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے والی ہے، وہ ان کے ساتھ احترام و اکرام کے خوبصورت مظاہر کے ساتھ پیش آتا ہے، اگر وہ کہیں بیٹھا ہوتا ہے اور اس کے والدین اس کے پاس آتے ہیں تو وہ کھڑا ہوجاتا

ہے، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہے۔ ان کے سامنے ادباً و احتراماً پست آواز سے بولتا ہے اور ان کے سامنے نرمی اور رحم کے ساتھ جھک کر رہتا ہے۔ ان سے بات کرتے وقت مہذب اور لطیف جملے سوچ سوچ کر بولتا ہے اور اس کی زبان پر کوئی سخت لفظ، ترش جملہ، نقص وعیب کی عبارت یا طعن و تشنیع کا کلمہ نہیں آتا اور نہ ان کے ساتھ برتاؤ کرنے میں کسی بھی حال میں اس سے کوئی ایسا فعل سرزد ہوتا ہے جو ادب و احترام اور تکریم سے گرا ہوا ہو، وہ ہمیشہ اس ارشاد باری تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ○ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ﴾ (بنی اسرائیل : ۲۳،۲۴)

"تمھارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو، اگر تمھارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہو کر رہیں تو انھیں اف تک نہ کہو، نہ انھیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار! ان پر رحم فرما! جس طرح انھوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔"

بعض اوقات والدین سیدھے راستے سے منحرف اور راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہوتے ہیں ایسی حالت میں وفادار مسلمان بیٹے پر واجب ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ نرمی، خوش اخلاقی، نرم خوئی اور بردباری کے ساتھ پیش آئے اور جس باطل پر وہ ڈٹے ہوئے ہیں اس سے ہٹانے کی کوشش کرے۔ ان کے ساتھ سختی سے نہ پیش آئے، تند خوئی اور بدمزاجی کا مظاہرہ نہ کرے اور نہ انھیں جھڑکے بلکہ پوری ذہانت، ہوشیاری اور نرمی کے ساتھ انھیں

مطمئن کرنے اور حق کی طرف پھیرنے کی کوشش کرے۔ اس سلسلہ میں قوی دلیل، منطق سلیم اور مہذب و پر حکمت اسلوب سے مدد حاصل کرے۔

باشعور اور سمجھ دار مسلمان کو یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ اس سے والدین کے ساتھ یہ اسلوب اختیار کرنے کا ہر حال میں مطالبہ ہے خواہ وہ مشرک ہوں، شرک کی حالت میں بھی...... یہ جانتے ہوئے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے...... ضروری ہے کہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اور خوش معاملگی سے پیش آئے۔ اس سلسلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے:

﴿ وَ وَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَّ فِصٰلُهُ فِي عَامَيْنِ اَنِ اشْكُرْ لِي وَ لِوَالِدَيْكَ اِلَيَّ الْمَصِيْرُ ○ وَ اِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا وَّ اتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴾ (لقمان: ١٤، ١٥)

”ہم نے انسان کو اپنے والدین کا حق پہچاننے کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (سو ہم نے اسے نصیحت کی کہ) میرا اور اپنے والدین کا شکر بجالا، میری ہی طرف تجھے پلٹنا ہے، لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان، دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ مگر پیروی اس شخص کے راستے کی کر جس نے میری طرف رجوع کیا ہے، پھر تم سب کو پلٹنا میری ہی طرف ہے، اس وقت میں تمھیں بتا دوں گا کہ تم کیسے عمل کرتے رہے ہو۔“

والدین اگرچہ رشتہ داروں میں سب سے قریبی اور سب سے زیادہ محبوب ہوتے ہیں مگر ان کی جلالت قدر کے باوجود ان سے تعلق کا درجہ عقیدہ کے بعد آتا ہے چنانچہ اگر وہ مشرک ہوں اور اپنے بیٹے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے کا حکم دیں تو اس میں ان کی اطاعت نہیں کیونکہ ”خالق کی معصیت میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں۔“ عقیدہ کا رشتہ ہر رشتہ سے بلند اور اس کا معاملہ ہر چیز سے برتر و بالا ہے لیکن اس کے باوجود وہ اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتا رہتا ہے اور ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے اور ان کی دیکھ بھال کرنے میں کچھ کمی نہیں کرتا۔

حقیقی مسلمان ہر حال میں اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرتا ہے اور جس طرح بھی ممکن ہوتا ہے انھیں نیک بخت کرنے اور ان کے دلوں میں خوشی و مسرت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اطاعت الٰہی کی حدود میں رہتے ہوئے ان کے ساتھ حسن سلوک، ان کی دیکھ بھال اور ان کے اکرام کے متعدد طریقے اختیار کرتا ہے مثلاً ان کے لیے لذیذ کھانے، بہترین کپڑے، آرام دہ گھر، زمانے اور معاشرتی معیار زندگی کی مناسب اور جائز سہولیات اور آرام پہنچانے والی چیزیں فراہم کرتا ہے اور ان سب چیزوں سے بڑھ کر ان سے اچھی بات کرتا ہے، خندہ پیشانی اور کھلے ہوئے چہرے کے ساتھ جس سے محبت و اشتیاق اور وفاداری ٹپکتی ہے، پیش آتا ہے۔

حقیقی مسلمان اپنے والدین کی وفات کے بعد بھی ان کے ساتھ حسن سلوک کا سلسلہ جاری رکھتا ہے۔ ان کی طرف سے صدقہ کرتا ہے اور ان کے لیے کثرت سے دعا و استغفار کرتا رہتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴾ (الانبياء: ٢٤)

”اور نرمی اور رحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو اور دعا کیا کرو کہ

پروردگار! ان پر رحم فرما! جس طرح انھوں نے رحم وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔''

یہ ہیں والدین کے ساتھ حسن سلوک کے سلسلہ میں اسلام کی ہدایات اور یہ ہے اس حقیقی مسلمان کا کردار جو ان سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ آج جبکہ مادی زندگی نے مسلمانوں پر تسلط جما لیا ہے اور جدید تمدن کی روشنی نے ان کی نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے کیا مسلمان ان اسلامی ہدایات کا التزام کرتے ہیں؟ اور کیا وہ اس اسلامی طریقہ پر عمل پیرا ہیں؟

آج کل لوگ بیوی بچوں پر پوری توجہ مبذول کرتے ہیں، رہے والدین تو ان پر بیوی بچوں کے بعد توجہ کی جاتی ہے اور بعض اوقات وہ معمولی سی توجہ سے بھی محروم رہتے ہیں الا یہ کہ ان کی اولاد بہت نیک اور متقی ہو۔

اس کا سبب یہ ہے کہ مغرب کے وہ جدید معاشرتی نظام جنھوں نے بہت سے مسلمانوں کی عقلوں کو مسحور کر لیا اور ان پر تسلط جما لیا ہے۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے، ان کے بڑھاپے کا احترام ولحاظ کرنے، بڑھاپے میں انھیں مارے مارے پھرنے اور ذلت وحقارت سے بچانے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اس وجہ سے جو شخص ان افکار ونظریات اور نظاموں سے متاثر ہوتا ہے وہ صرف اپنے بیوی بچوں کے بارے ہی میں سوچتا ہے اور پیچھے پلٹ کر اس بوڑھی نسل پر محبت وسلوک اور وفاداری کی ایک نگاہ بھی نہیں ڈالتا، جس نے بارہا اس کی تربیت میں راتیں جاگ جاگ کر کاٹی ہیں اور اسے پروان چڑھانے اور زندگی کے سرد وگرم برداشت کرنے کے لیے اسے تیار کرنے میں اپنا قیمتی سرمایہ قربان کر دیا ہے چنانچہ وہ جب آرام دہ گھر، عمدہ لباس، لذیذ کھانے اور آرام دہ سواری کے بارے میں سوچتا ہے تو پوری طرح بیوی بچوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اس کے دل کے کسی گوشے میں یہ خیال نہیں آتا کہ ان نعمتوں، سہولتوں اور خوشحالیوں میں اس کے والدین کا بھی حصہ ہے اور وہ اپنے محبوب بیٹے کے ہاتھوں ان کو حاصل کرنے کے شدید محتاج اور

ضرورت مند ہیں۔

والدین کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا، محبت سے لبریز دل کے ساتھ ان کی طرف متوجہ ہونا، خوب سخاوت سے ان پر خرچ کرنا، اچھی اور انسیت والی بات کرنا، محبت آمیز مسکراہٹ اور خندہ پیشانی سے پیش آنا مسلمانوں کی اعلیٰ خصلت ہے۔ خواہ زندگی کے معاملات کتنے ہی پیچیدہ ہو جائیں، اس میں کتنا ہی ارتقاء ہو جائے اور اس پر باہر سے آئی ہوئی عادات کی کتنی ہی تہیں جم جائیں مگر مسلمانوں کو اپنے اندر اس خصلت کو برقرار رکھنا چاہیے، یہ خصلت ان کے دل کو سخت ہونے سے محفوظ رکھتی ہے، کردار کی انانیت سے بچائے رکھتی ہے، ان میں اصالت ونجابت، انسانیت اور وفا داری پیدا کرتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ان کے لیے جنت کے دروازے کھول دیتی ہے۔

❀......❀......❀

باب چہارم

مسلمان کا تعلق اپنی بیوی کے ساتھ

گھر وہ پرورش گاہ ہے جہاں نوخیز نسل کے بال و پر نکلتے ہیں۔ یہ وہ پہلا ماحول ہے جہاں ان کی پرورش و پرداخت ہوتی ہے اور وہ فضا ہے جس میں ان کے رجحانات، مزاج اور شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سرسبز و شاداب کلیوں کی دیکھ بھال کرنے، انھیں نفع بخش غذا پہنچانے اور مکمل رہنمائی کرنے جس سے جسم، عقل اور روح تینوں کی برابر پرورش ہو، میں والدین کا کتنا عظیم کردار ہے۔

مسلمان کا تعلق اپنی بیوی کے ساتھ

شادی اور عورت اسلام کی نظر میں:

اسلام میں شادی کا مقصد یہ ہے کہ نفس کی تسکین ہو، دل کو راحت ملے، ضمیر قرار پکڑے اور مرد و عورت محبت و مودت ، رحم و ہمدردی، یکسانیت و ہم آہنگی، باہمی تعاون، آپس میں شفقت و مہربانی اور ایک دوسرے کی خیر خواہی کے ساتھ زندگی گزاریں تاکہ دونوں الفت و محبت، حلم و بردباری اور شفقت و مہربانی کی ایسی مبارک فضا قائم کریں جس میں نو خیز نسل کی پرورش ہو سکے اور ایک محفوظ مسلم خاندان پروان چڑھ سکے۔

قرآن کریم نے مرد اور عورت کے درمیان اس فطری اور ابدی تعلق کی بہت ہی لطیف اور پر اشتیاق تصویر کشی کی ہے جس میں امن وسکون اور اطمینان کی باد نسیم چلتی ہے اور جس سے محبت ، مفاہمت اور رحمت کی خوشبو پھوٹتی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَ جَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّ رَحْمَةً ﴾ (الروم : ٢١)

”اور اس کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمھارے لیے تمھاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس سکون حاصل کرو اور تمھارے درمیان محبت اور رحمت پیدا کر دی۔“

یہ دونفوس کے درمیان انتہائی گہرے رشتے کا تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان پیدا کرتا ہے تاکہ دونوں سکون وقرار اور راحت کی نعمت سے لطف اندوز ہوں اور ایسا سکون اور محبوب گھر وجود میں آئے جو خالص محبت ومودت اور رحمت وشفقت سے معمور ہو۔

اسلام کی نظر میں صالح عورت دنیاوی زندگی کی عمدہ ترین شے ہے اور مرد کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت۔ جب وہ زندگی کی تکالیف، رنج وغم اور محنت ومشقت کی تھکن سے اس کے پاس جاتا ہے تو راحت، تسلی اور ایسا سامان زیست پاتا ہے جس کی مثل انسانی زندگی میں کوئی شے نہیں، رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

((اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ)) ①

''دنیا سامان زیست ہے اور اس کا بہترین سامان صالح عورت ہے۔''

اسلام کی نظر میں شادی کا کتنا بلند اور تابناک مقصد ہے اور وہ عورت کی نسوانیت کو کتنا بلند اور محترم مقام دیتا ہے!

مسلمان کیسی بیوی چاہتا ہے؟

شادی اور عورت کے اس بلند مقام کی وجہ سے حقیقی مسلمان ان کھوکھلے مظاہر کی خواہش نہیں کرتا، جنھیں اس زمانے کی بعض نوجوان لڑکیاں اختیار کرتی ہیں بلکہ اس کے دل میں اس لڑکی کی شخصیت گھر کرتی ہے جو کامل مسلمان ہو اسی لیے وہ اپنی رفیقۂ حیات منتخب کرنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ایسی لڑکی تلاش کرتا ہے جو اسلامی صفات کے زیور سے آراستہ ہو، جن سے ازدواجی زندگی میں آرام وچین اور سکون واستقرار ہو سکے، وہ صرف خوبصورتی، حسن وجمال اور زیب وزینت کو معیار نہیں بناتا جس پر کہ عام طور پر نوجوان فریفتہ ہوتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ دین، عقل اور حسن سیرت کو بھی پیش نظر رکھتا ہے

① مسلم، كتاب الرضاع، باب خير متاع الدنيا المرأة الصالحة : ١٤٦٩۔

اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

«تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَ جَمَالِهَا وَ لِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ، تَرِبَتْ يَدَاكَ» ①

''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے، دولت، خاندانی وجاہت، خوبصورتی اور دین داری، تم دین دار عورت سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ، تمھارے ہاتھ گرد آلود ہوں۔''

رسول کریم ﷺ کی وصیت ''مسلم نوجوان دین دار عورت تلاش کرے'' کا مطلب یہ نہیں کہ شکل وصورت کی خوبصورتی کی خواہش آپ ﷺ نے مہمل قرار دی ہے۔ آپ ﷺ نے نکاح سے قبل عورت کو دیکھنا مستحسن قرار دیا ہے تا کہ مسلمان کو ایسی عورت سے شادی کرنے کے بعد پچھتانا نہ پڑے جس سے اس کے قلب کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک نہ مل سکے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''نہیں۔'' فرمایا:

«فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا» ②

''پہلے جا کر دیکھ لو، کیونکہ اس سے تعلقات میں پائیداری ہوگی۔'' (یعنی تم دونوں کے درمیان اس سے محبت اور موافقت پیدا ہوگی)

ایک شخص جس نے ایک انصاری عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا:

''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے اس

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب الأکفاء فی الدین: ۵۰۹۰۔ مسلم: ۱۴۶۶۔

② نسائی، کتاب النکاح، باب إباحة النظر قبل التزویج: ۳۲۳۷۔

یہ دو نفوس کے درمیان انتہائی گہرے رشتے کا تعلق ہے جسے اللہ تعالیٰ ان کے درمیان پیدا کرتا ہے تاکہ دونوں سکون وقرار اور راحت کی نعمت سے لطف اندوز ہوں اور ایسا سکون اور محبوب گھر وجود میں آئے جو خالص محبت ومودت اور رحمت وشفقت سے معمور ہو۔

اسلام کی نظر میں صالح عورت دنیاوی زندگی کی عمدہ ترین شے ہے اور مرد کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت۔ جب وہ زندگی کی تکالیف، رنج وغم اور محنت ومشقت کی تھکن سے اس کے پاس جاتا ہے تو راحت، تسلی اور ایسا سامان زیست پاتا ہے جس کی مثل انسانی زندگی میں کوئی شے نہیں، رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا:

«اَلدُّنْیَا مَتَاعٌ وَ خَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» [1]

''دنیا سامان زیست ہے اور اس کا بہترین سامان صالح عورت ہے۔''

اسلام کی نظر میں شادی کا کتنا بلند اور تابناک مقصد ہے اور وہ عورت کی نسوانیت کو کتنا بلند اور محترم مقام دیتا ہے!

مسلمان کیسی بیوی چاہتا ہے؟

شادی اور عورت کے اس بلند مقام کی وجہ سے حقیقی مسلمان ان کھوکھلے مظاہر کی خواہش نہیں کرتا، جنھیں اس زمانے کی بعض نوجوان لڑکیاں اختیار کرتی ہیں بلکہ اس کے دل میں اس لڑکی کی شخصیت گھر کرتی ہے جو کامل مسلمان ہو اسی لیے وہ اپنی رفیقۂ حیات منتخب کرنے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ ایسی لڑکی تلاش کرتا ہے جو اسلامی صفات کے زیور سے آراستہ ہو، جن سے ازدواجی زندگی میں آرام وچین اور سکون واستقرار ہو سکے، وہ صرف خوبصورتی، حسن وجمال اور زیب وزینت کو معیار نہیں بناتا جس پر کہ عام طور پر نوجوان فریفتہ ہوتے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ساتھ دین، عقل اور حسن سیرت کو بھی پیش نظر رکھتا ہے

[1] مسلم، كتاب الرضاع، باب خير متاع الدنيا المرأة الصالحة: ١٤٦٩۔

اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

((تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا وَ لِحَسَبِهَا وَ جَمَالِهَا وَ لِدِينِهَا، فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ ، تَرِبَتْ يَدَاكَ)) ①

''عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے ، دولت، خاندانی وجاہت، خوبصورتی اور دین داری، تم دین دار عورت سے نکاح کرنے میں کامیاب ہو جاؤ، تمھارے ہاتھ گرد آلود ہوں۔''

رسول کریم ﷺ کی وصیت ''مسلم نوجوان دین دار عورت تلاش کرے'' کا مطلب یہ نہیں کہ شکل وصورت کی خوبصورتی کی خواہش آپ ﷺ نے مہمل قرار دی ہے۔ آپ ﷺ نے نکاح سے قبل عورت کو دیکھنا مستحسن قرار دیا ہے تاکہ مسلمان کو ایسی عورت سے شادی کرنے کے بعد پچھتانا نہ پڑے جس سے اس کے قلب کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک نہ مل سکے۔ سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''نہیں۔'' فرمایا:

((فَانْظُرْ إِلَيْهَا، فَإِنَّهُ أَجْدَرُ أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا)) ②

''پہلے جا کر دیکھ لو، کیونکہ اس سے تعلقات میں پائیداری ہوگی۔'' (یعنی تم دونوں کے درمیان اس سے محبت اور موافقت پیدا ہوگی)

ایک شخص جس نے ایک انصاری عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، نبی ﷺ نے اس سے فرمایا:

''کیا تم نے اسے دیکھ لیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''نہیں۔'' آپ ﷺ نے اس

---

① بخاری، كتاب النكاح، باب الأكفاء في الدين : ٥٠٩٠ـ مسلم : ١٤٦٦ـ

② نسائی، كتاب النكاح، باب إباحة النظر قبل التزويج : ٣٢٣٧ـ

شخص کو اسے دیکھ لینے کا حکم دیا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے متعدد احادیث میں اس بات پر زور دیا ہے کہ دیگر معنوی صفات کے ساتھ ساتھ خوبصورتی بھی ان بنیادی صفات میں سے ہے جنھیں آدمی نیک عورت میں چاہتا ہے اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کا بدل نہیں ہوسکتا۔ ارشاد گرامی ہے:

"مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مفید اور باعث خیر و برکت نعمت نیک بیوی ہے کہ جب اس سے کسی کام کے لیے کہے تو وہ خوش دلی سے انجام دے اور جب وہ اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور جب وہ اس کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو وہ اس کی قسم پوری کر دے اور جب وہ کہیں چلا جائے تو وہ اس کے پیچھے اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرے اور شوہر کے مال و اسباب کی نگرانی میں شوہر کی خیر خواہ اور وفادار رہے۔"[2]

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی نے پوچھا: "بہترین عورت کون سی ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا:

«اَلَّتِیْ تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ وَ تُطِیعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهَا بِمَا یَکْرَهُ»[3]

"جسے دیکھ کر شوہر کو خوشی حاصل ہو، جو اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے اور کوئی ایسا کام نہ کرے جو اسے ناپسند ہو اور اس کے مال کو ایسی جگہ خرچ نہ کرے جہاں اس کی مرضی نہ ہو۔"

رسول کریم ﷺ نے اپنے ان ارشادات میں ایسی عورت کی شخصیت کی طرف رہنمائی

---

1. نسائی، کتاب النکاح، باب إباحة النظر قبل التزویج: ۳۲۳۶۔
2. ابن ماجه، کتاب النکاح، باب أفضل النساء: ۱۸۵۷۔
3. نسائی، کتاب النکاح، باب أی النساء خیر: ۳۲۳۳۔

کی ہے جو مرد کو سعادت و نیک بختی اور سکون وقرار عطا کر سکتی ہو اور زوجیت کی آغوش اور نو خیز نسل کی گود میں بشاشت، چین وسکون اور خوشی انڈیل سکتی ہو اور ساتھ ہی ساتھ وہ نسلوں کی مربی، بہادروں کی معمار اور عباقرہ (Genious) کو پیدا کرنے والی ہو سکتی ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ شادی کی بنیاد راسخ ہو اور جسم، عقل، روح اور جذبات کے تقاضوں میں توازن رہے تاکہ یہ رشتہ انتہائی قوی ہو کہ مزاجوں کے اختلاف سے اس میں کچھ بھی رکاکت اور کمزوری واقع نہ ہو اور نفسانی خواہشات اسے برباد نہ کر دیں چنانچہ حقیقی مسلمان جو اپنے تمام اعمال میں شریعت الٰہی کا اتباع کرتا ہے اور اسی سے رہنمائی حاصل کرتا ہے ''گھورے پر اگے ہوئے سبزے'' (یعنی وہ عورت جو بظاہر حسین مگر بباطن خراب) کے پھندے میں نہیں پھنستا بلکہ لوگوں سے کہتا ہے: ''گھورے پر اُگے ہوئے سبزے سے بچو۔''

ازدواجی زندگی میں اسلامی طریقہ کا التزام کرنا:

حقیقی اور سچا مسلمان شادی کے بعد بیوی کے ساتھ حسن معاشرت برتنے اور اچھا سلوک کرنے کے سلسلہ میں اسلام کی بلند تعلیمات پر عمل کرتا ہے۔ اسلام نے عورت کے بارے میں جو ہدایات دی ہیں اور اس کی تکریم اور نیک برتاؤ کے بارے میں جتنی توجہ دلائی ہے اس پر اگر ہم غور کریں تو ہمیں بہت تعجب ہوگا۔

اسلام نے عورت کے بارے میں خیر کی وصیت کی ہے اور اس کو اتنا بلند مرتبہ عطا فرمایا ہے جتنا اس کے علاوہ کسی مذہب میں نہیں دیا گیا، رسول اللہ ﷺ نے تمام مسلمانوں کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا:

((اِسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَ اِنَّ اَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ، وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ

اَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ))[1]

"عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلیوں میں سب سے زیادہ ٹیڑھا حصہ اوپر کا ہے، اگر اس کو سیدھا کرو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اگر چھوڑے رہو گے تو ٹیڑھی ہی رہے گی، پس عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔"

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

((اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا، اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَ بِهَا عِوَجٌ وَ اِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَ كَسْرُهَا طَلَاقُهَا))[2]

"عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، تم کسی بھی صورت میں اسے سیدھا نہیں کر سکتے، اگر تم اس کے ٹیڑھا رہتے ہوئے لطف اندوز ہو گے تبھی اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہو، ورنہ اگر اسے سیدھا کرنے لگو گے تو ٹوٹ جائے گی اور اس کا ٹوٹنا اس کی طلاق ہے۔"

اس بلیغ نبوی تمثیل میں عورت کی حقیقت اور اس کے فطری مزاج کا دلکش بیان ہے کہ عورت شوہر کی خواہش کے مطابق کسی ایک حال پر قائم نہیں رہ سکتی سو مسلمان شوہر کو سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کی جبلت، فطرت اور طبعی عادت ہے اس لیے وہ جس چیز کو اپنے دل میں صحیح یا کامل سمجھتا ہے اسے راستے پر لانے کے لیے سختی نہ کرے، اس کے خاص نسوانی مزاج کا خیال رکھے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کی ہے ویسے ہی اسے قبول کر لے۔ بعض ان چیزوں کے سلسلہ میں جنھیں شوہر چاہتا ہے اس کے دل میں ٹیڑھ ہے، اگر وہ

---

1. بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم و ذریته: ۳۳۳۱۔
2. مسلم، باب الرضاع، باب الوصیة بالنساء: ۱۴۶۶۔

اسے اپنے ارادے اور اپنے مزاج کے مطابق سیدھا کرنا چاہے گا تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو پسلی کی کجی کو سیدھا کرنا چاہے اور وہ ٹوٹ جائے اور عورت کے ٹوٹ جانے سے مراد طلاق کا واقع ہو جانا ہے۔''

جب سچے مسلمان شوہر کے وجدان میں رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد عالی جاگزیں ہو جاتا ہے جو عورت کی نفسیات اور مزاج کے گہرے مطالعہ پر مبنی ہے تو وہ بیوی کی بہت سی لغزشوں میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہے اور اس کی بہت سی خامیوں سے چشم پوشی برتتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ اس کی فطرت ہے اور اسی طرح اس کی تخلیق ہوئی ہے چنانچہ اس طرح ازدواجی زندگی بڑے چین وسکون امن اور نیک بختی سے گزرتی ہے اور گھر میں کسی طرح کا شور وغل، چیخ و پکار اور لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا۔

جو شخص اس حدیث کے متن پر غور کرے گا وہ دیکھے گا کہ نبی کریم ﷺ نے شروع میں فرمایا: ''عورت کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' پھر اس کی شخصیت کا جائزہ لینے کے بعد آخر میں بھی یہی فرمایا: ''عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔'' عورت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے کس قدر توجہ فرمائی ہے! اس کی نفسیات کا آپ ﷺ کو کتنا گہرا فہم ہے اور اس پر کتنی عظیم مہربانی!! پھر سچے مسلمان شوہر کے لیے اس کے علاوہ اور کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ وہ اس ارشاد نبوی کی سچی تصویر بن جائے اور اس پر ہر وقت عمل پیرا رہے۔

عورت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے اتنی زیادہ توجہ دی ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع میں بھی آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی طرف اشارہ کرنا فراموش نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کو احساس ہو گیا تھا کہ یہ لوگوں کے ساتھ حج میں آخری ملاقات ہے، اس لیے مسلمانوں سے کہنے کی جو جو باتیں تھیں ان کا نچوڑ آپ ﷺ نے اس خطبہ میں پیش کر دیا تھا۔ اس عظیم خطبہ میں بھی آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کو فراموش نہیں کیا اور عورتوں کے بارے میں حسن سلوک کی تنبیہ فرمائی جس سے

عورتوں کے بارے میں آپ ﷺ کی توجہ اور اہتمام کا پتا چلتا ہے:

''لوگو! سنو! عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ، کیونکہ وہ تمھارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، تمھیں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا کوئی حق نہیں، سوائے اس صورت کے جب ان کی طرف سے کوئی کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھیں تو پھر خواب گاہوں میں ان سے علیحدہ رہو اور انھیں مارو تو ایسا نہ مارنا کہ کوئی شدید چوٹ آئے اور پھر جب وہ تمھارے کہنے پر چلنے لگیں تو ان کو خواہ مخواہ ستانے کے بہانے نہ ڈھونڈو۔ دیکھو! تمھارے کچھ حقوق تمھاری بیویوں پر ہیں اور تمھاری بیویوں کے کچھ حقوق تم پر ہیں، ان پر تمھارا حق یہ ہے کہ وہ تمھارے بستروں کو غیروں سے محفوظ رکھیں اور تمھارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے دیں جن کا آنا تمھیں ناگوار ہو اور سنو! ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انھیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔'' [1]

رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو سچا اور باشعور مسلمان سنتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ آپ ﷺ نے شوہروں اور بیویوں کے حقوق اور فرائض کا تعین کر دیا ہے اور عورتوں کا حق یہ بتلایا ہے کہ شوہر ان کے ساتھ رحم اور ہمدردی سے پیش آئیں، ان کے ساتھ مہربانی اور شفقت کا برتاؤ کریں اور اچھا سلوک کریں۔ اس کے بعد مسلم گھرانے میں بیوی پر ظلم کرنے یا اسے ضرر پہنچانے کے بارے میں سوچنے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی۔

رسول کریم ﷺ نے عورت کے بارے میں بہت سی ہدایات دی ہیں حتیٰ کہ بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے شوہر کو اس امت کے بہترین اور ممتاز لوگوں میں سے قرار دیا ہے، فرمایا:

---

1. ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة علی زوجھا: ۱۱۶۳۔ ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأة علی الزوج: ۱۸۵۱۔

((اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَ خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ)) ①

”کامل ایمان والے مومن وہ ہیں جو اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہوں اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے حق میں سب سے اچھے ہوں۔“

کچھ عورتیں آپ ﷺ کے گھر والوں کے پاس آئیں اور اپنے شوہروں کی شکایت کرنے لگیں، رسول اللہ ﷺ نے مردوں میں اعلان کر دیا:

((لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ، لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ)) ②

”محمد ﷺ کے گھر والوں کو بہت سی عورتوں نے گھیر لیا ہے جو اپنے شوہروں کی شاکی ہیں، ان کے شوہر اچھے لوگ نہیں ہیں۔“

اسلام نے عورت کو اتنا بلند مقام عطا کیا ہے کہ شوہر کو حکم دیا کہ وہ اس کے ساتھ انصاف برتے، اس کا احترام و اکرام کرے اور اچھے سلوک سے پیش آئے خواہ وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔ اس دین اسلام کے علاوہ پوری تاریخ میں کبھی عورت کو یہ مقام نہیں دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی محکم کتاب میں فرماتا ہے:

﴿ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ (النساء: ١٩)

”ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمھیں ناپسند ہو تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمھیں پسند نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اسی میں بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔“

---

❶ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق المرأة عن زوجها: ١١٦٢۔

❷ ابو داؤد، کتاب النکاح، باب ضرب النساء: ٢١٤٦۔

یہ آیت کریمہ سچے مسلمان کے وجدان کو لمس کرتی ہے تو اس کے شعلۂ غضب کو ٹھنڈا کر دیتی ہے اور اس کی کراہیت کی حدت کو کم کر دیتی ہے۔ اس طرح اسلام ازدواجی بندھن کو ٹوٹنے سے بچا لیتا ہے اور مقدس تعلق کو بدلتے ہوئے جذبات اور ادھر ادھر بکنے والے رجحانات کی حماقت سے محفوظ کر دیتا ہے۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول کتنا عظیم ہے جو انھوں نے اس شخص سے کہا تھا جس نے ناپسندیدگی کی وجہ سے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا:

«وَيُحَكَ اَلَمْ تُبْنَ الْبُيُوْتُ اِلَّا عَلَى الْحُبِّ؟ فَأَيْنَ الرِّعَايَةُ وَالتَّذَمُّمُ»

"تمھارا برا ہو! کیا گھر محبت کے علاوہ اور کسی بنیاد پر قائم نہیں ہوتے ہیں؟ گھر داری اور عہد کی پاسداری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔"

اسلام میں زوجیت کا رشتہ حقیر جذباتی میلانات اور حیوانی رجحان کے دباؤ سے کہیں بلند ہے، حقیقی مسلمان اپنی مروت، شرافت، صبر و تحمل، قوت برداشت، کشادہ دل اور اخلاقی بلندی کی بنا پر، اس بیوی کے ساتھ بھی معاملہ کرنے میں بلند رہتا ہے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتا ہے اور حیوانی خواہشات، تاجرانہ حرص اور کم مائیگی سے بہت دور رہتا ہے۔

سچا مسلمان اپنے رب کا حکم بجا لاتا ہے، اپنی بیوی کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے، خواہ اس کو ناپسند کرتا ہو۔ وہ اپنے رب کا ارشاد یاد رکھتا ہے اور اس میں غور کرتا ہے کہ انسان بعض اوقات کسی چیز کو ناپسند کرتا ہے، اس سے کراہت محسوس کرتا ہے اور اس سے دور جانا چاہتا ہے حالانکہ وہ چیز خیر سے پر اور برکت سے لبریز ہوتی ہے۔ اسی لیے باشعور مسلمان جانتا ہے کہ کیسے محبت کی جائے اور کیسے کراہت کی جائے؟ چنانچہ وہ جس سے محبت کرتا ہے اس کی محبت کی رو میں بیوقوفوں اور اندھوں کی طرح بہ نہیں جاتا اور اسی طرح جس سے نفرت کرتا ہے اس سے بداخلاق، اعراض کرنے والے، حق تلفی کرنے والے شخص کی طرح منہ نہیں موڑ

لیتا اور علیحدگی نہیں اختیار کر لیتا بلکہ وہ معتدل رہتا ہے اور انصاف سے کام لیتا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان اور مومن عورت کو اس کا شوہر کتنا ہی ناپسند کرے مگر بہت سے ایسے اخلاق بھی ہو سکتے ہیں جنھیں مرد پسند کرتا ہے اس لیے شوہر کو اس پسندیدہ پہلو سے تجاہل نہیں برتنا چاہیے اور ناپسندیدہ پہلو کو پس پشت ڈال کر صرف پسندیدہ پہلو کو نمایاں کرنا چاہیے، فرمایا:

((لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً، إِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا آخَرَ))①

"کوئی مومن مرد اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر بیوی کی کوئی عادت اس کو ناپسند ہے تو ہو سکتا ہے کہ دوسری خصلت اسے پسند آ جائے۔"

حقیقی مسلمان مثالی شوہر بھی:

حقیقی مسلمان ان صریح اور قطعی نصوص سے جن میں عورت کے ساتھ انصاف کرنے اور اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے واقف ہوتا ہے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے مثالی شوہر ثابت ہوتا ہے۔ اس کی بیوی اس کے اچھے برتاؤ، اس کی خوش اخلاقی اور اس کی مہذب اور صالح رفاقت سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ وہ خوش حال زندگی گزارتی ہے اور دونوں میں محبت و مودت برقرار رہتی ہے خواہ عمر کتنی ہی لمبی ہو جائے اور کتنا ہی زمانہ گزر جائے۔

جب وہ گھر میں داخل ہوتا ہے تو خندہ پیشانی اور کھلے چہرے کے ساتھ بیوی بچوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور انھیں سلام کرنے میں پہل کرتا ہے، جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے:

﴿ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ﴾ (النور : ٦١)

"جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے اہل خانہ کو سلام کیا کرو، اللہ تعالیٰ کی

---

① مسلم، کتاب الرضاع، باب الوصية بالنساء: ١٤٦٧۔

طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے۔"

سلام کرنے پر رسول کریم ﷺ نے بھی زور دیا ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

"بیٹا! جب تم گھر میں داخل ہو تو گھر والوں کو سلام کرو، اس سے تم پر بھی برکت نازل ہوگی اور تمھارے گھر والوں پر بھی۔"[1]

یہ کتنی بڑی برکت کا فعل ہے کہ آدمی اپنے گھر والوں سے ملتے وقت سلام کرے، ان کی طرف موسم بہار کی سی تازگی کے ساتھ متوجہ ہو، ان کی زندگی کو سعادت و سرور اور خوشی و مسرت سے بھر دے، ان میں انسیت، رحمت اور خوشی پیدا کر دے، اگر ضرورت محسوس کرے تو اپنی بیوی کے کاموں میں ہاتھ بٹائے۔ اگر اس میں تھکن، اکتاہٹ اور تنگی کی شکایت دیکھے تو نرم اور میٹھی باتوں سے اس کی دلجوئی کرے اور اسے یہ احساس دلائے کہ وہ ایک قوی، کریم اور حلیم و بردبار شوہر کے سایہ میں زندگی گزار رہی ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے، اس کی دیکھ بھال رکھتا ہے، اس کے معاملات پر توجہ دیتا ہے اور ممکن حد تک اس کی جائز ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ شریعت کی جائز حدود میں اس کے لیے زینت اختیار کر کے اس کی نسوانیت کو خوش کرتا ہے، اس کے لیے اپنے اوقات اور اپنی توجہ کا ایک حصہ فارغ رکھتا ہے اور اپنا تمام وقت مطالعہ یا دیگر کاموں میں نہیں لگاتا اور دیگر خواہشات کی تکمیل میں یا ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں یا دوستوں سے ملاقات کرنے میں نہیں صرف کرتا۔ اسلام نے عورت کو شوہر سے لطف اندوز ہونے کا حق دیا ہے یہاں تک کہ اس نے شوہر کو اس کی بھی اجازت نہیں دی ہے کہ وہ اپنے تمام اوقات کو سب سے عظیم اور اشرف عمل "عبادت" میں مشغول رکھے تاکہ اس دین محکم میں جو توازن پایا جاتا ہے اس میں کوئی خلل نہ واقع ہو۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ان کے عبادت میں غلو کے بارے میں معلوم ہوا تو ان سے فرمایا:

---

1. ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی التسلیم إذا دخل بیته : ۲۶۹۸۔

"مجھے معلوم ہوا کہ تم دن میں مسلسل روزے رکھتے ہو اور رات میں مسلسل نمازیں پڑھتے ہو، کیا یہ صحیح ہے؟" عرض کیا: "کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!" آپ ﷺ نے فرمایا: "ایسا نہ کرو کبھی روزہ رکھو اور کبھی روزہ نہ بھی رکھو، کچھ وقت سویا کرو اور کچھ وقت نماز پڑھا کرو، کیونکہ تم پر تمھارے بدن کا بھی حق ہے، تمھاری آنکھوں کا بھی حق ہے، تمھاری بیوی کا بھی حق ہے اور تمھارے مہمانوں کا بھی حق ہے۔"①

سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ خولہ بنت حکیم نبی ﷺ کی بیویوں کے پاس بوسیدہ اور پرانے کپڑوں میں اور بری ہیئت میں گئیں تو ان لوگوں نے ان سے کہا:

"تم نے یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟" انھوں نے اپنے شوہر کی شکایت کی کہ "وہ رات کو نمازیں پڑھتے ہیں اور دن میں روزہ رکھتے ہیں۔" نبی ﷺ کی بیویوں نے یہ بات آپ ﷺ تک پہنچا دی۔ آپ ﷺ سیدنا عثمان بن مظعون سے ملے اور انھیں ملامت کرتے ہوئے فرمایا: "کیا تمھارے لیے میری ذات میں اسوہ نہیں؟" انھوں نے عرض کیا: "کیوں نہیں اللہ تعالیٰ مجھے آپ پر قربان کرے۔" اس کے بعد سیدہ خولہ آئیں تو ان کی ہیئت اچھی تھی اور ان سے خوشبو پھوٹ رہی تھی۔ ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«يَا عُثْمَانُ! اِنَّ الرَّهْبَانِيَةَ لَمْ تُكْتَبْ عَلَيْنَا، اَفَمَا لَكَ فِيَّ أُسْوَةٌ؟ فَوَاللّٰهِ اِنَّ اَخْشَاكُمْ وَاَحْفَظَكُمْ لِحُدُوْدِهِ لَاَنَا» ②

---

① بخاری، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم: ١٩٧٥۔ مسلم، کتاب الصیام، باب النهی عن الصوم الدهر: ١١٥٩۔

② حلیة الاولیاء: ١٠٦/١۔ طبقات ابن سعد: ٣٩٥/٣۔ کنز العمال: ٣٠٥/٨۔ مسند احمد: ٢٢٦/٦۔

"اے عثمان! ہم پر رہبانیت نہیں فرض کی گئی، کیا تمھارے لیے میری ذات میں اسوہ نہیں ہے، اللہ کی قسم! تم میں سے سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کی حدود کی حفاظت کرنے والا میں ہوں۔"

رسول کریم ﷺ صحابہ کے درمیان اپنے اس ارشاد کو عام کرتے تھے اور ان کی تعبدی زندگی اور ازدواجی زندگی کے درمیان اعتدال اور توازن قائم رکھنے کا حکم دیتے تھے، یہاں تک کہ یہ اعتدال اور توازن ان کی عادت اور فطرت ثانیہ بن گئی جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کو حکم دیتے تھے، ان سے آراستہ ہونے کی خواہش رکھتے تھے اور اگر کوئی اس سے آزاد ہو کر عبادت، زہد اور کنارہ کشی میں مبالغہ کرتا تو اس کا مقدمہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیتے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

"نبی ﷺ نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کے درمیان مؤاخات کرائی، سلمان رضی اللہ عنہ، ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے گھر گئے تو دیکھا کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا سادے اور بے رونق کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو انھوں نے کہا: "تمھارے بھائی ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو دنیا میں کسی چیز کی کوئی حاجت ہی نہیں۔" ابوالدرداء رضی اللہ عنہ آئے، ان کے لیے کھانا بنایا گیا اور کہا کھاؤ، کہنے لگے: "میں روزے سے ہوں" سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "جب تک تم نہیں کھاؤ گے میں ہرگز نہیں کھاؤں گا" چنانچہ سیدنا ابوالدرداء نے بھی کھایا۔ رات آئی اور سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نماز پڑھنے کے لیے جانے لگے تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "ابھی سو جاؤ" یہاں تک کہ جب رات کا آخری پہر آیا تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کہا: "اب اٹھو۔" چنانچہ اس وقت دونوں نے نماز پڑھی، پھر سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے کہا: "تم پر تمھارے رب

کا بھی حق ہے اور تمھارے نفس کا بھی حق ہے اور تمھارے گھر والوں کا بھی حق ہے، اس لیے ہر صاحب حق کو اس کا حق دو۔'' سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا تذکرہ کیا، نبی ﷺ نے فرمایا: ''سلمان رضی اللہ عنہ نے سچ کہا۔''①

متقی، باشعور اور خوش اخلاق مسلمان وقتاً فوقتاً خوش طبعی، لطیف ہنسی مذاق اور خوش کن اور مزیدار لطیفوں کے ذریعے اپنی بیوی کے ساتھ دائمی زندگی کی خشکی کو زائل کرتا ہے اور آپس میں رہن سہن کے گوشوں کو تروتازہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ رسول کریم ﷺ کے اسوہ پر عمل کرتا ہے جو اپنی پوری زندگی میں ایک بلند مقام پر تھے۔ آپ ﷺ باوجودیکہ بڑی بڑی ذمہ داریاں سرانجام دیتے تھے، دین کی بنیادیں راسخ کرتے تھے اور امت مسلمہ کی تعمیر کرتے تھے۔ جہاد کے لیے جماعتیں تیار کرتے تھے اور دیگر عظیم کاموں میں مصروف رہتے تھے، پھر بھی اپنی ازواج کے ساتھ حسن معاشرت، نرم خوئی، کشادہ روئی، خوش طبعی اور ہنسی مذاق میں ایک مثالی شوہر تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نبی ﷺ کی خدمت میں حریرہ (یعنی دودھ، گھی اور آٹے سے تیار کیا ہوا کھانا) لے کر آئی جسے میں نے خود آپ ﷺ کے لیے تیار کیا تھا۔ وہاں سودہ (رضی اللہ عنہا) بھی تھیں، نبی ﷺ میرے اور ان کے بیچ میں تھے۔ میں نے سودہ سے کہا: ''کھاؤ'' انھوں نے انکار کیا۔ میں نے کہا: ''کھاؤ ورنہ تمھارے چہرہ پر مل دوں گی۔'' انھوں نے پھر بھی انکار کیا، میں نے حریرہ میں اپنا ہاتھ ڈالا اور ان کے چہرہ پر مل دیا۔ نبی ﷺ ہنسنے لگے، آپ ﷺ نے سودہ (رضی اللہ عنہا) سے فرمایا: ''اس کے چہرے پر بھی لتھیڑ دو ......'' ایک روایت میں ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنا گھٹنا نیچے کر لیا تا کہ سودہ مجھ سے بدلہ لے سکیں

① بخاري، كتاب الصوم، باب من أقسم على أخيه ...... الخ: ١٩٦٨۔

چنانچہ انھوں نے بھی پلیٹ سے کچھ (حریرہ) لے کر میرے چہرے پر مل دیا اور رسول اللہ ﷺ ہنستے رہے۔"[1]

غور کرنے کا مقام ہے کہ بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرنے، حسن معاشرت کا برتاؤ کرنے اور اس کے دل میں خوشی و مسرت پیدا کرنے میں رسول اللہ ﷺ کا اخلاق کتنا پسندیدہ، آپ کی طبیعت کتنی خوش طبع اور آپ کا دل کتنا کشادہ تھا۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

"وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ تھیں، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے دوڑ میں مقابلہ کیا تو وہ جیت گئیں، پھر جب بدن پر گوشت چڑھ گیا اور وہ فربہ ہوگئیں تو ایک سفر میں اسی طرح دوڑ کا مقابلہ ہوا، اس میں رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس جیت کا بدلہ ہے۔"[2]

رسول اللہ ﷺ اپنی محبوب اور نوجوان بیوی کے دل میں خوشی اور مسرت پیدا کرنے کے سلسلہ میں فراخ دل تھے، چنانچہ آپ ﷺ انھیں مختلف قسم کے جائز کھیل دکھانے کے لیے بلاتے تا کہ ان کے نفس کو تسکین اور خوشگواری حاصل ہو اور وہ ان کے دیکھنے سے لطف اندوز ہوں، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

"اللہ کی قسم! مجھے وہ منظر اب تک یاد ہے کہ نبی ﷺ میرے حجرے کے دروازے پر کھڑے ہیں، حبشی لوگ مسجد نبوی میں نیزوں کے ذریعے کھیل رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے ہیں اور آپ ﷺ کے کندھے اور کان کے درمیان سر رکھے ان کا کھیل دیکھ رہی ہوں، پھر آپ ﷺ میری ہی وجہ سے کھڑے رہتے ہیں اور اس وقت تک کھڑے رہتے ہیں جب

---

1. الهيثمي : ٣١٦/٤ـ المنتخب : ٣٩٣/٤ـ كنز العمال : ٣٠٢/٧ـ
2. ابوداوٗد، كتاب الجهاد، باب في السبق على الرجل : ٢٥٧٨ـ احمد : ٢٦٤/٦ـ

تک کہ خود میں نہ پلٹ جاؤں ۔ اندازہ کرلو کہ اس نو عمر اور کھیل کی حریص لڑکی (ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کا مقام کیا تھا؟"①

حقیقی مسلمان جب دیکھتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ ازواج کے ساتھ حسن معاشرت، ہنسی مذاق، بے تکلفی اور خوش روئی سے پر ہے تو وہ بھی اپنی بیوی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے والا، خوش اخلاق، نرم خو، کشادہ رو اور فراخ دل ہو جاتا ہے البتہ اس کی خوش طبعی اور کشادہ روئی، حلال لطف کے حدود اور جائز تفریح کے دائرے میں ہوتی ہے۔

متقی اور سچا مسلمان معمولی معمولی باتوں پر برانگیختہ اور آپے سے باہر نہیں ہوتا، جس طرح جاہل شوہر کرتے ہیں کہ اگر کبھی اتفاقاً کھانا ان کے مزاج کے خلاف پک گیا یا کھانا وقت مقررہ سے کچھ تاخیر سے ملا تو غصہ سے ان کی گردن کی رگیں پھول جاتی ہیں اور وہ ایک ہنگامہ برپا کر دیتے ہیں، ان کی آنکھوں سے غیظ و غضب کے شرارے نکلنے لگتے ہیں، میاں بیوی کے درمیان لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے اور تلخی اور رنجش پیدا ہو جاتی ہے۔

حقیقی مسلمان جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم انسان کا اسوہ اختیار کرتا ہے وہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کو ذہن نشین رکھتا ہے جس کی وجہ سے وہ خود بھی نیک، حلیم اور بردبار رہتا ہے۔ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل یاد کرتا ہے کہ:

«مَا عَابَ طَعَامًا قَطُّ: إِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ، وَإِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ» ②

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں نکالا، اگر پسند آیا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا۔"

---

① مسلم، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة فى اللعب الذى ...... الخ : ٨٩٢۔ بخاری: ٥٢٣٦۔

② مسلم، كتاب الأشربة، باب المؤمن يأكل فى معي ...... الخ : ٢٠٦٤۔ بخارى، كتاب المناقب، باب صفة النبى ﷺ : ٣٥٦٣۔

وہ یہ حدیث بھی یاد کرتا ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے اپنے گھر والوں سے سالن مانگا، انھوں نے کہا ہمارے پاس صرف سرکہ ہے، آپ ﷺ نے اسے منگوایا، آپ ﷺ تناول فرماتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے:

"سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے، سرکہ کیا ہی اچھا سالن ہے۔"①

ان بے وقوف اور احمق شوہروں کو سن لینا چاہیے کہ جن کی بیویوں کی کسی غلطی یا بھول چوک کی وجہ سے کھانا پکنے میں تاخیر ہو جاتی ہے یا کھانا ان کے ذوق کے مطابق پسندیدہ نہیں بن پاتا تو ان کی آنکھوں سے غصہ کی وجہ سے شرارے نکلنے لگتے ہیں...... کہ بہت ممکن ہے کہ کچھ ناگزیر اسباب پیش آ گئے ہوں، جن کی وجہ سے بیچاری بیوی اس تقصیر اور غلطی میں پڑنے پر مجبور ہو مگر یہ شوہر بغیر ان اسباب کو جانے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، وہ غور کریں کیا وہ عورتوں کی دیکھ بھال اور نگہبانی کرنے والے مرد نہیں ہیں؟

سچا مسلمان شوہر اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور نیک سلوک کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ اپنی بیوی کی معزز سہیلیوں کے ساتھ بھی اچھے سلوک سے پیش آتا ہے، ان کے ساتھ خیر کا معاملہ کرتا ہے اور اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اختیار کرتا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"ایک بوڑھی عورت نبی ﷺ کے پاس آتی، آپ ﷺ اس کے آنے پر خوشی کا اظہار فرماتے، اس کا اکرام و احترام کیا کرتے اور اس سے کہتے: "آپ کیسی ہیں؟ آپ کا حال کیسا ہے؟ ہمارے بعد آپ کیسی رہیں؟" وہ جواب دیتی "خیریت سے، میرے ماں باپ قربان جائیں آپ پر اے اللہ کے رسول!" جب وہ واپس چلی گئیں تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا: "آپ اس بڑھیا پر اتنی توجہ فرماتے ہیں؟ آپ اس کا اتنا اکرام کرتے

① مسلم، كتاب الأشربة، باب فضيلة الخل والتأدم به: ٢٠٥٢_

ہیں جتنا کسی کا نہیں کرتے۔'' نبی ﷺ جواب دیتے:

((أَمَا عَلِمْتِ أَنَّ كَرَمَ الْوُدِّ مِنَ الْإِيمَانِ)) [1]

''(یہ ہمارے یہاں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آتی تھیں) کیا تمھیں معلوم نہیں کہ دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ایمان میں سے ہے۔''

بعض اوقات کسی سبب سے بیوی کو غصہ آجاتا ہے، وہ برانگیختہ ہو جاتی ہے تو اپنے شوہر سے روٹھ جاتی ہے اور اسے اپنے غصہ اور برانگیختہ ہونے کا احساس دلاتی ہے۔ اس وقت مسلمان شوہر کو چاہیے کہ اپنے پسندیدہ اخلاق، اپنے وسیع حلم و بردباری اور بیوی کی حقیقت، شخصیت اور مزاج پر گہری نظر کے ذریعے اسے راضی کرلے اور اس کے دل میں گھر کرے جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ معاملہ کرتے تھے جب وہ آپ ﷺ سے خفگی کا اظہار کرتی تھیں اور دن دن بھر آپ ﷺ سے روٹھی رہتی تھیں۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم قریشی لوگ اپنی عورتوں کو دبا کر رکھتے تھے، جب ہم مدینہ آئے تو دیکھا کہ یہاں لوگوں پر ان کی عورتیں حاوی ہیں۔ ان سے ہماری عورتیں بھی سیکھنے لگیں۔ میرا گھر مدینہ کے اطراف میں بنو امیہ بن زید کے محلّہ میں تھا۔ ایک دن میری بیوی بھی غصہ کا اظہار کرنے لگی۔ میں نے ڈانٹا تو زبان درازی کرنے لگی اور میری بات کا دو بدو جواب دینے لگی۔ مجھ پر یہ ناگوار گزرا تو اس نے کہا: ''میرا جواب دینا آپ کو ناگوار گزر رہا ہے، اللہ کی قسم! نبی ﷺ کی بیویاں آپ ﷺ کو دوبدو جواب دیتی ہیں اور ان میں سے کوئی آپ ﷺ سے دن بھر روٹھی بھی رہتی ہے۔'' میں گھر سے نکلا، حفصہ رضی اللہ عنہا کے یہاں گیا اور اس سے پوچھا: ''کیا تم رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیتی ہو؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' میں نے

---

[1] کنز العمال: ۱۱۵/۷۔

کہا: ''اور تم میں سے کوئی رسول اللہ ﷺ سے دن بھر روٹھی بھی رہتی ہے؟'' اس نے کہا: ''ہاں!'' میں نے کہا: ''تم میں سے ایسا جو بھی کرے وہ ناکام ہوگئی اور خسارے میں پڑ گئی، کیا تم میں سے کوئی اس بات سے بے خوف ہوگئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ناراض ہونے پر اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض ہوجائے گا؟ اور وہ ہلاک ہوکر رہے گی؟ رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب نہ دیا کرو اور ان سے کچھ نہ مانگا کرو، جو کچھ ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کرو۔''①

پھر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے جو گفتگو ہوئی تھی وہ بیان کی تو رسول کریم ﷺ مسکرانے لگے۔

مسلمان کو ایسے ہی پسندیدہ اخلاق سے آراستہ ہونا چاہیے تاکہ وہ رسول کریم ﷺ کے شمائل و عادات اور اعمال میں آپ کا اسوہ اختیار کرسکے، تبھی وہ اپنے اس دعویٰ پر دلیل قائم کرسکتا ہے کہ اسلام معاشرتی زندگی کا دین ہے۔ آج افراد، خاندان اور معاشرے جس بدبختی، انتشار و اضطراب، قلق و بے چینی اور پراگندہ حالی کا شکار ہیں ان کا واحد سبب یہ ہے کہ لوگ ان بلند قدروں سے دور ہوگئے ہیں جن کی اسلام نے اشاعت کی تھی، ان سے پورے طور پر ناواقف ہیں اور ان کے بارے میں غلط تصورات قائم کر رکھے ہیں جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یہ قدریں بیش بہا اخلاقی قدریں ہیں اگر زوجین ان سے آراستہ ہوجائیں تو خاندان میں گھریلو جھگڑے نہ ہوں اور نہ تعلقات میں بگاڑ پیدا ہو بلکہ گھروں میں سعادت و طمانیت، سکون و قرار اور خوشحالی کی فضا چھائی رہے۔

کامیاب شوہر ثابت ہونا:

اس طرح وہ باشعور اجتماعی زندگی میں ایک کامیاب شوہر ثابت ہوتا ہے اور صالح، پاکیزہ اور پاک دامن بیوی کے نزدیک محبوب ہوتا ہے کیونکہ وہ اسلامی تعلیمات کی روشنی

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل ...... الخ: ٥١٩١۔ مسلم: ١٤٧٩۔

میں جانتا ہے کہ وہ کس طرح نرمی، خوش اخلاقی اور دانائی سے بیوی کے دل میں گھر کر سکتا ہے؟ اور اسے صحیح رخ کی طرف موڑ سکتا ہے جس کا اسلامی زندگی تقاضا کرتی ہے۔ وہ اسلامی زندگی جو فطرت سلیمہ اور پاکیزہ اخلاق سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ وہ اس کے رجحانات، ترغیبات اور مزاج سے واقف ہوتا ہے اور ایک لحہ بھی یہ فراموش کیے بغیر کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کو سیدھا کرنا ممکن نہیں، یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کے رجحانات و ترغیبات کے درمیان اور جو وہ اس کے اندر مثالی اور اچھی سیرت دیکھنا چاہتا ہے دونوں کے درمیان موافقت و یکسانیت پیدا کر دے۔

بیوی کے ساتھ دور اندیشی سے کام لینا:

حقیقی اور باشعور مسلمان اپنی بیوی کے ساتھ ہمیشہ زیرکی اور دور اندیشی سے کام لیتا ہے۔ وہ اس کے احساسات کی رعایت کرتے ہوئے اس کے سامنے اس کے گھر والوں میں سے کسی کی برائی نہیں کرتا اور نہ اپنی زبان سے کوئی ایسا کلمہ نکالتا ہے جس سے اس کے رشتہ داروں کے بارے میں نفرت اور طعنہ کا اظہار ہو چنانچہ وہ بھی اس کے احساسات کا احترام کرتی ہے۔ اس کے قول و فعل کے ذریعہ اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی اور نہ اس کے گھر والوں کی کوئی برائی کرتی ہے۔

اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے راز کسی پر ظاہر نہیں کرتا، اگر وہ کوئی چیز اسے بتلاتی ہے تو اس کا راز افشا نہیں کرتا کیونکہ ان امور میں ذرا سے تساہل سے زوجین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو جاتے ہیں اور محبت و مودت کا شعلہ سرد پڑ جاتا ہے۔ سچا اور باشعور مسلمان جب تک اسلام کے شفاف سر چشمے سے سیراب ہوتا ہے، بلند اور معتدل اسلامی آداب اختیار کرتا ہے وہ ان تمام چیزوں سے بہت دور رہتا ہے اور ان سے اپنے آپ کو پوری طرح محفوظ رکھتا ہے۔

نقص کی اصلاح کرنا:

باشعور مسلمان شوہر اگر اپنی بیوی کے علم یا کردار میں کوئی نقص دیکھتا ہے تو اس کی اصلاح کرتا ہے، اس راستے میں وہ کامیاب، لطیف اور سنجیدہ طریقے اختیار کرتا ہے اور اگر اس درمیان اس کی طرف سے نافرمانی اور سرکشی کا اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کو نرمی، بردباری اور ذہانت سے سیدھے راستے کی طرف پھیر دیتا ہے، وہ لوگوں کے سامنے اسے سرزنش نہیں کرتا اور اس پر عتاب و ملامت نہیں کرتا خواہ جو بھی اسباب ہوں کیونکہ عورت کو سب سے زیادہ جس چیز سے تکلیف پہنچتی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی اس کی ملامَت یا سرزنش کے وقت موجود رہے۔ متقی اور باشعور مسلمان لوگوں میں سب سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کے احساسات کا بھی خیال رکھتا ہے۔

بیک وقت بیوی اور ماں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا:

صالح اور باشعور مسلمان شوہر جانتا ہے کہ کس طرح اپنی ماں اور بیوی دونوں کو بیک وقت خوش رکھے، وہ دونوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اپنی ذہانت، نرم خوئی، بردباری اور شخصی قوت کا اس طرح استعمال کرتا ہے کہ کسی پہلو میں بھی زیادتی نہ ہو، اس طرح نہ تو وہ اپنی ماں کا نافرمان ہوتا ہے اور نہ اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے بلکہ ماں کے حقوق پہچانتا ہے اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے۔ وہ بیوی کے حقوق بھی پہچانتا ہے اور ماں کے ساتھ حسن سلوک کے راستے اور اس کے لحاظ میں بیوی کا کوئی حق ہڑپ نہیں کرتا، سچا اور باشعور مسلمان اس پر باآسانی قادر ہوسکتا ہے بشرطیکہ وہ تقویٰ اختیار کرے اور اسلام اور اس کی روشن تعلیمات سے مستفید پسندیدہ اور نرم اخلاق سے آراستہ ہو، اسلامی تعلیمات نے ماں اور بیوی دونوں کے ساتھ انصاف کیا ہے اور دونوں کو ان کا صحیح مقام دیا ہے۔

بہترین نگہداری:

ان بلند اخلاق اور اچھے برتاؤ کی بدولت مسلمان شوہر بیوی کے دل میں گھر کر لیتا ہے چنانچہ وہ کسی بات میں اس کی نافرمانی نہیں کرتی۔ اسی وجہ سے مسلمان مرد کو عورت پر نگہبان بنایا گیا ہے کیونکہ دین نے اسے متعدد صفات سے آراستہ کیا ہے، متعدد بنیادی چیزوں سے نوازا ہے اور متعدد ضوابط و قوانین کا پابند بنایا ہے:

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ﴾ (النساء: ٣٤)

”مرد عورتوں پر نگہبان ہیں اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔“

اس نگہبانی کے بہت سے فرائض ہیں اور اس کے سبب سے مرد پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں چنانچہ مرد اپنی بیوی کے بارے میں پوری طرح ذمہ دار ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

« كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالْاَمِيْرُ رَاعٍ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِهِ وَالْمَرْاَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَ وَلَدِهِ، فَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ » [1]

”تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے متعلقین اور ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ حاکم ذمہ دار ہے، مرد اپنے گھر والوں کے متعلق ذمہ دار ہے، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے بچے کی ذمہ دار ہے۔ تم میں ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔“

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها: ٥٢٠٠۔ مسلم: ١٨٢٩۔

یہ ذمہ داریاں اسلامی معاشرے میں ہر فرد کو جکڑے رہتی ہیں اور ہر شخص معاشرتی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو میں ذمہ دار ہوتا ہے کیونکہ اسلام کی نظر میں زندگی عمل پیہم، جدو جہد اور تعمیر کا نام ہے، جو معاشرہ کے ہر فرد سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ذمہ دار ہو، اس کی نظر میں زندگی کھیل تماشا، بیکاری اور لہو ولعب کا نام نہیں۔

اسلام نے جہاں عورت کے ساتھ اچھے سلوک کا حکم دیا ہے اور اسے بلند مقام عطا کیا ہے وہیں اسے یہ بھی حکم دیا ہے کہ وہ زندگی میں اپنے کردار کو پہچانے اور شریعت نے اس کے لیے جو حدود متعین کی ہیں ان کی پابندی کرے تاکہ وہ اپنا مشن پورا کر سکے۔ نئی نسل کی تربیت کے سلسلہ میں مرد کے دوش بدوش بہترین طریقے پر اپنا کردار انجام دے سکے اور زندگی کو لذت و سعادت اور حسن و جمال سے بھر دے۔

اسلام نے جہاں مرد سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ عورت کے ساتھ نیک برتاؤ کرے اور حسنِ سلوک سے پیش آئے وہیں عورت کو بھی یہ حکم دیا ہے کہ وہ حلال، انصاف اور عدل کی حدود میں مرد کی اطاعت کرے۔ اس اطاعت پر اسلام نے جتنی سختی سے زور دیا ہے اس کا اندازہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے:

«لَوْ كُنْتُ آمِرًا اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْأَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا» [1]

"اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ وہ کسی دوسرے انسان کو سجدہ کرے تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔"

یہی نہیں بلکہ اسلام نے شوہر کی خوشنودی کو جنت میں داخل ہونے کا سبب قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"جس عورت نے بھی اس حالت میں انتقال کیا کہ اس کا شوہر اس سے راضی

---

1. ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأة: ١١٥٩۔

اور خوش تھا تو وہ جنت میں داخل ہوگی۔“ ①

اسلام نے نافرمانی اور شوہر سے الگ رہنے والی عورت کے بارے میں یہ وعید سنائی ہے کہ فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ وہ راست روی اختیار کر لے اور شوہر کے ساتھ مصالحت کر لے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا بَاتَتِ الْمَرْأَةُ هَاجِرَةً فِرَاشَ زَوْجِهَا لَعَنَتْهَا الْمَلَائِكَةُ حَتّٰى تُصْبِحَ)) ②

”جب عورت اپنے شوہر سے ناراض ہو کر اس کے بستر سے الگ رات گزارے تو فرشتے صبح تک اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔“

اسلام نے عورت کے لیے مرد کی نگہبانی پر بہت زور دیا ہے اور بیوی پر شوہر کی اطاعت وخوشنودی لازم قرار دی ہے حتیٰ کہ اس نے اس بات کی بھی اجازت نہیں دی کہ وہ بغیر خاوند کی اجازت کے نفلی روزے رکھے یا خاوند کے گھر میں کسی ایسے مہمان کو آنے دے جو اس کے شوہر کو ناپسند ہو۔ حدیث نبوی ہے:

((لَا يَحِلُّ لِلْمَرْأَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَ زَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ، وَلَا تَأْذَنُ فِیْ بَيْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ)) ③

”کسی عورت کے لیے جائز نہیں کہ اس کا شوہر موجود ہو اور وہ بغیر اس کی اجازت کے نفلی روزے رکھے یا کسی کو اس کے گھر میں آنے دے۔“

---

① ترمذی، کتاب الرضاع، باب ما جاء فی حق الزوج علی المرأة: ١١٦١۔

② مسلم، کتاب النکاح: باب تحریم امتناعها من فراش زوجها: ١٤٣٦۔ بخاری، کتاب بدء الخلق: باب اذا قال احدُکم امین والملائکة ...... الخ: ٣٢٣٧۔

③ بخاری، کتاب النکاح، باب لا تأذن المرأة ......: ٩٥، ٥١۔ مسلم، کتاب الزکاة: باب ما انفق العبد من مال مولاه: ١٠٢٦۔

اسلام نے شوہر کو عورت پر نگہبانی کا حق دیا ہے تاکہ اس کی مردانگی کا پورے طور پر اظہار ہو اور اسے معلوم ہو کہ خاندان میں زندگی کی کشتی کو کس طرح امن و سلامتی اور ہدایت و راستی کے ساحل سے ہمکنار کیا جا سکتا ہے۔ اس نے تمام مردوں کو خبر دار کیا ہے کہ عورتوں کے فتنے میں مبتلا ہونے سے بچیں کہ کہیں ان سے ان کی نگاہیں خیرہ ہو جائیں، ان کے عزم پست ہو جائیں اور ان کے دین میں فتور پیدا ہو جائے اور وہ عورتوں کے جادۂ حق سے منحرف ہونے سے بے پروا ہو جائیں، پھر زمام کار ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور منحرف عورت ہی گھر کی سب کچھ بن جائے کہ جس کی نافرمانی نہ کی جا سکے، جس کی بات نہ ٹالی جا سکے اور جس کی خواہش رد نہ کی جا سکے۔ رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث کس قدر مبنی بر صداقت ہے جس میں عورتوں کو مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً هِيَ اَضَرُّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» [1]

''میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔''

مسلمان شوہر اپنی منحرف بیوی کے سامنے کمزوری نہیں دکھاتا، خواہ ان کا فتنہ کتنا ہی سخت ہو بلکہ اس کو نرمی اور لطافت سے سمجھاتا ہے کہ وہ اس کے نزدیک محبوب ہے مگر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اس سے بڑھ کر محبوب ہونی چاہیے۔ آدمی اپنی بیوی سے خواہ کتنی محبت کرے مگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت سے کم ہونی چاہیے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ

---

[1] مسلم کتاب الرقاق، باب أکثر اهل الجنة الفقراء وأکثر أهل النار النساء و بیان الفتنة النساء: ٢٨٤٠۔ بخاری، کتاب النکاح: باب ما یتقی من شؤم المرأة: ٥٠٩٦۔

مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾

(التوبة: ٢٤)

"اے نبی! کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے عزیز واقارب اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تمھیں خوف ہے اور تمھارے وہ گھر جو تمھیں پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جدو جہد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے اور اللہ تعالیٰ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کیا کرتا۔"

اس طرح حقیقی اور سچے مسلمان کی گھریلو زندگی ان تمام تناقضات ومخالفات سے پاک ہوتی ہے جنھیں ہم بہت سے ان لوگوں کے گھروں میں دیکھتے ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں۔

وہ جو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی بیوی، اس کی بیٹیاں اور اس کی بہنیں بے پردہ بازاروں میں نکلتی ہیں، بدن پر لباس ہوتے ہوئے بھی وہ ننگی معلوم ہوتی ہیں، سر دوپٹے سے خالی اور سینے اور بازو کھلے رہتے ہیں مگر وہ اس بدترین صورتحال کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتا...... اس میں دراصل مردانگی کی کمی ہے۔ اس نے اسلام کا طوق گلے سے نکال پھینکا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے، اس عمیق کھائی سے اسے سچی توبہ ہی نکال سکتی ہے جو اس کے ضمیر کو بیدار کر دے اور وہ اس سے ایک ایسے زبردست جھٹکے سے نجات پا سکتا ہے جو اس کی مردانگی کو متحرک کر دے اور اسے سیدھے راستے کی طرف پھیر دے۔

اسلام نے عورت کے لیے کچھ الگ آداب متعین کیے ہیں اور شوہر کے لیے الگ آداب متعین کیے ہیں اور ایسے لباس کی تعیین کی ہے جسے پہن کر عورت باہر نکل سکتی ہے یا

نامحرم مردوں کے سامنے آسکتی ہے۔ اس لباس کو ''شرعی پردہ'' کہتے ہیں۔ مسلمان عورت جس نے اسلام کے شفاف چشمے سے سیرابی حاصل کی ہے اور اس کی ٹھنڈی فضاؤں میں پرورش پائی ہے اس پردے کو بخوشی پورے اطمینان قلب اور یکسوئی کے ساتھ قبول کرتی اور یہ سمجھتی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوا حکم ہے، یہ نہ مردوں کی طرف سے ظلم و زیادتی ہے اور نہ اس کا مقصد ان کی انانیت کو خوش کرنا اور عورت کو اپنے لیے خاص کرنا ہے۔ نہ انھوں نے اپنی رائے سے یہ فیصلہ دیا ہے اور نہ یہ کوئی رسم ہی ہے جسے عہد اموی میں ولید کے زمانے میں اس کی بدچلنی کی وجہ سے رواج عام حاصل ہو گیا جیسا کہ پردہ کو حقیر سمجھنے والے مرد اور عورتیں بغیر کسی دلیل کے کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں سیدہ صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

> ''ہم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھے، ہم نے قریش کی عورتوں اور ان کے فضل و برتری کا ذکر کیا، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''بے شک قریش کی عورتوں کو بہت فضیلت حاصل ہے مگر اللہ کی قسم! میں نے انصار کی عورتوں سے زیادہ صاحب فضل، کتاب اللہ کی تصدیق کرنے اور قرآنی تعلیمات و احکامات پر آمنا وصدقنا کہنے والیاں کسی کو نہیں پایا۔''
>
> جب سورہ نور نازل ہوئی:
>
> ﴿ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ﴾ (النور: ٣١)
>
> ''اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رکھیں۔''

انصار اپنے اپنے گھر گئے اور اپنی عورتوں، بیٹیوں، بہنوں اور رشتہ داروں کو اللہ کی نازل کردہ آیات سنائیں تو ہر انصاری عورت نے اپنی منقش چادر لی اور اس کا برقع بنا لیا۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حکم پر ایمان لاتے ہوئے، اس کی تصدیق کرتے ہوئے وہ اسے پہن کر صبح رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں،

ان کے برقع پہننے سے ایسا لگتا تھا گویا ان کے سروں پر کوے بیٹھے ہوں۔“ ①

اللہ تعالیٰ انصار کی عورتوں پر رحم کرے، ان کا ایمان کتنا قوی تھا! ان کا اسلام کس قدر سچا تھا! حق نازل ہونے پر وہ کتنی خوبصورتی سے اس کی طرف رجوع کرتی تھیں! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لانے والی ہر عورت کو چاہیے کہ وہ انصار کی عورتوں کا اسوہ اختیار کرے۔ مخصوص اسلامی لباس پہنے اور اپنے ارد گرد جو عریانی، بے پردگی اور تبرج پھیلا دیکھتی ہے اس سے مطلق متاثر نہ ہو، دمشق یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے والی ایک باپردہ مسلمان طالبہ کا موقف مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جب اس سے ایک اخباری نامہ نگار نے اس کے پردہ کے بارے میں سوال کیا کہ اس سخت گرمی میں آخر کون سی چیز اسے برقع پہننے پر مجبور کرتی ہے تو اس نے جواب دیا:

«قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا»

”جہنم کی آگ کی گرمی اس سے زیادہ سخت ہوگی۔“

مسلمان گھرانوں میں ایسی ہی باشعور اور پاکیزہ مسلمان بیٹیوں کی ضرورت ہے جو نئی نسل کی بہترین تربیت کریں تاکہ اس طرح معاشرہ میں ان جوانمرد، بہادر اور کام کرنے والے لوگوں کی کثرت ہو، الحمد للہ آج بھی ایسی بیٹیاں بڑی تعداد میں ہم میں موجود ہیں۔

سچا مسلمان اس بات کا ذمہ دار ہے کہ اس کی عورتیں اپنے گھروں سے نکلنے میں اسلامی آداب کا التزام کریں اور شرعی پردہ اختیار کریں جو مسلمان عورت کا نشان امتیاز اور اس کا مخصوص لباس ہے۔ جس دن بھی شوہر پر اس کی بیوی یا اس وقت کا ماحول و معاشرہ غالب آ گیا اور اس نے خاوند کو اس شرعی حکم سے تجاوز کرنے پر آمادہ کر لیا، مردان کے سامنے کچھ نہ کر سکا تو جان لیں کہ اس دن دراصل اس کے دین اور اس کی مردانگی دونوں کا

① تفسیر ابن کثیر، سورة النور: ٣٨٠،٣٨٩/٣۔ ابو داوٗد، کتاب اللباس، باب من قول الله تعالى "يدنين عليهن من جلابيبهن": ٤١٠٠۔ تفسير ابن ابی حاتم: ٢٥٧٥/٨۔

خاتمہ ہوگیا۔

بیوی کے بارے میں شوہر کی ذمہ داری صرف باہر نکلنے کے آداب تک محدود نہیں ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر عبادات اور زندگی کے طور طریق بھی ان میں شامل ہیں۔ بیوی اگر عبادت میں کوتاہی کرتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس سے کوئی تقصیر یا معصیت سرزد ہوتی ہے تو شوہر اس کا ذمہ دار ہے۔ اسی طرح شوہر اپنی بیوی کے حسن سیرت، کردار کی استقامت اور فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں بھی جوابدہ ہے۔ اگر کسی بھی پہلو میں اس سے کوئی کوتاہی سرزد ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کی مردانگی میں کمی اور اس کے حسن اسلام میں نقص ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے جس ''قوامیت'' سے نوازا ہے اس میں کوئی عیب ہے۔

اسلام نے عورت کو مرد کے پاس امانت رکھا ہے۔ عورت عام طور پر اپنے شوہر ہی کے دین پر ہوتی ہے، وہ اسے اپنے ساتھ جنت یا جہنم میں لے جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اگر انھوں نے اپنی عورتوں اور گھر والوں کے بارے میں تساہل برتا اور انھیں حق کی طرف مائل کرنے کی کوشش نہیں کی تو وہ بڑے دردناک انجام سے دو چار ہوں گے، قرآن کریم نے اس انجام کا اتنا خوفناک اور بھیانک نقشہ کھینچا ہے کہ اس کی شدت سے دل لرز جاتے ہیں اور اس کے ہول سے سر چکرا جاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَ أَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم : ٦)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو، اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جس پر نہایت تندخو اور

سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے، جو حکم بھی انھیں دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

عورت پر مرد کی قوامیت اسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب شوہر اپنے گھر اور خاندان کی قیادت کرنے والا کامیاب مرد ہو۔ مسلمان شوہر کی مردانگی کا اظہار سختی، ترش روئی، تندخوئی، بدخلقی اور چرب زبانی سے نہیں ہوتا، یہ تو جاہلیت کی مردانگی ہے، اسلام میں مردانگی کے خصائص یہ ہیں: قوی پرکشش، محبوب شخصیت، بلند اور پاکیزہ اخلاق، حلم و بردباری، عفو و درگزر، اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ حقوق کا پاس ولحاظ اور خاندان کے تمام افراد پر احکام الٰہی کا نفاذ، خیر کی طرف ماہرانہ اور سنجیدہ قیادت، فضول خرچی اور بخیلی کے بجائے سخاوت و انفاق، دانائی، شعور، دنیا و آخرت میں ذمہ داری کا احساس اور مسلمان گھرانے کو جس مثالی حالت میں رہنا چاہیے اس کا ادراک۔

یہ ہیں وہ صفات جنھیں اسلام حقیقی مسلمان شوہر میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔

❀......❀......❀

باب پنجم

مسلمان کا تعلق اپنی اولاد کے ساتھ

جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے مگر اس کے رشتہ دار اس کے بدلہ میں اس سے قطع رحمی، سختی اور بدسلوکی کا معاملہ اختیار کرتے ہیں، احادیث کے ذریعے اس شخص کے نفس میں حلم و بردباری، صبر، عفو اور سماحت و کرم کے اخلاق راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اس شخص کے ساتھ ہوتی ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے، مگر دوسرے اس کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ اسی طرح اس گناہ کی بھیانک اور خوفناک تصویر کشی کی گئی ہے جو سختی برتنے والوں، احسان فراموش، ناشکرے اور قطع رحمی کرنے والوں کو ملتا ہے۔

مسلمان کا تعلق اپنی اولاد کے ساتھ

اولاد انسان کی آنکھ کی ٹھنڈک، زندگی کا سرور اور جیون کی انسیت ہے۔ اسی سے زندگی کا لطف قائم ہے، اسی سے توقعات اور امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں، اسی کی برکت سے رزق ملتا ہے، رحمت کا نزول ہوتا ہے اور اجر میں اضافہ ہوتا ہے۔

مگر یہ سب اس وقت ہوگا جب اولاد کی تربیت اچھی اور پرورش نیک ہو، جس سے وہ خیر کے عناصر، نیکی کے عوامل اور سعادت کے سرچشمے ثابت ہوں۔ اگر اولاد میں یہ چیزیں جمع ہو جائیں تو واقعی وہ دنیاوی زندگی کی آرائش ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے:

﴿ اَلْمَالُ وَ الْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (الكهف : ٤٦)

"یہ مال اور یہ اولاد دنیوی زندگی کی آرائش ہیں۔"

اسی لیے نبی ﷺ جس شخص سے محبت کرتے اسے کثرت مال و اولاد کی دعا دیا کرتے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے ساتھ ان کی ماں اور خالہ بھی تھیں۔ نبی ﷺ نے انھیں نماز پڑھائی اور پھر ان کے لیے خیر کی دعا کی۔ ام انس رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ آپ کا ادنیٰ خادم ہے اس کے لیے دعا کر دیجیے۔" آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے خیر کی دعا کی اور دعا کے آخر میں فرمایا:

((اَللّٰھُمَّ اَکْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَ بَارِكْ لَهُ فِيمَا أَعْطَيْتَهُ)) [1]

"اے اللہ! اس کے مال، اولاد اور جو چیز بھی انھیں عطا کی ہے اس میں اسے برکت عطا فرما۔"

لیکن اگر ماں باپ اپنی اولاد کی تربیت اور صالح رہنمائی سے غفلت برتیں تو اولاد مصیبت بن جاتی ہے۔ وہ تنگی، سختی، بدبختی اور دائمی حزن و غم کا باعث بنتی ہے جس کے پیچھے راتوں کی نیند حرام اور دن کا سکون غارت ہو جاتا ہے۔

تربیت اولاد کا احساس رکھنا:

حقیقی اور باشعور مسلمان اپنی اولاد کے سلسلہ میں اہم ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے۔ وہ قرآن کریم کا یہ اعلان سنتا ہے:

﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحريم : ٦)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔"

وہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی سنتا ہے جس میں اس کی اہم ذمہ داریاں یاد دلائی گئی ہیں، ارشاد نبوی ہے:

"تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے متعلقین اور ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ امام وحاکم ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں سوال کیا جائے گا، مرد اپنے گھر والوں کے بارے میں ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے گا، عورت اپنے

---

[1] بخاری، كتاب الدعوات ، باب قول الله تبارك وتعالى و صل عليهم ...... الخ : ٦٣٣٤۔ مسلم ، كتاب الفضائل ، باب من فضائل أنس بن مالك رضی الله عنه: ٢٤٨٠۔

شوہر کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا، خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا، تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور ہر شخص سے اس کے متعلقین اور ماتحت لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔''①

یہ ایک ہمہ گیر ذمہ داری ہے جو اسلام نے تمام انسانوں پر عائد کی ہے اور ان میں سے کسی کو اس سے مستثنیٰ نہیں کیا ہے۔ اس کے مطابق والدین کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ وہ اپنے بچوں کی ایسی کامل اسلامی تربیت اور صالح پرورش کریں جو مکارم اخلاق پر مبنی ہو۔ جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے بتلایا ہے کہ آپ اس کی تکمیل اور لوگوں کے درمیان اس کی اشاعت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ» ②

''میری بعثت کا مقصد صرف یہ ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔''

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت و تابعداری پر بچوں کی پرورش کے سلسلہ میں والدین کی ذمہ داری کی اہمیت و عظمت کا سب سے بڑا ثبوت علماء کا یہ قول ہے کہ ہر گھر میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد سنا جاتا ہے، ارشاد نبوی ہے:

«مُرُوْا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ» ③

''تمھاری اولاد جب سات برس کی ہو جائے تو انھیں نماز کا حکم دو اور جب دس

---

① بخاری، كتاب النكاح، باب "قوا أنفسكم و أهليكم نارا": ٥١٨٨۔ مسلم، كتاب الإمارة، باب فضيلة الامير العادل وعقوبة الجائر: ١٨٢٩۔

② مسند احمد: ٢/٣٨١۔ التمهيد لابن عبد البر، كتاب الكلام، باب ما جاء في الصدق والكذب: ١٦/٣٧٤۔

③ ابو داوٗد، كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة: ٤٩٥۔ أحمد: ٣/٣٨١۔

برس کی ہو جائے تو مار کر نماز پڑھاؤ۔"

تقریباً ہر گھر میں والدین یہ ارشاد نبوی جانتے ہیں مگر سات برس کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی وہ بچوں کو نماز کا حکم نہیں دیتے اور دس برس کے ہونے پر نماز نہ پڑھنے پر مارتے بھی نہیں۔ جس گھر میں ایسا نہیں کیا جاتا وہ گھر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے اور اس کوتاہی اور تقصیر کے سلسلہ میں والدین گناہگار اور اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہوں گے۔

گھر وہ پرورش گاہ ہے جہاں نوخیز نسل کے بال و پر نکلتے ہیں۔ یہ وہ پہلا ماحول ہے جہاں ان کی پرورش و پرداخت ہوتی ہے اور وہ فضا ہے جس میں ان کے رجحانات، مزاج اور شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس سرسبز و شاداب کلیوں کی دیکھ بھال کرنے، انھیں نفع بخش غذا پہنچانے اور مکمل رہنمائی کرنے جس سے جسم، عقل اور روح تینوں کی برابر پرورش ہو، میں والدین کا کتنا عظیم کردار ہے۔

تربیت اولاد میں بہترین اسالیب اختیار کرنا:

باشعور مسلمان والدین اپنے بچوں کی نفسیات سمجھتے ہیں اور اسی کے مطابق ان سے برتاؤ کرتے ہیں۔ وہ ان کی صاف اور پاکیزہ نفسیات کا لحاظ کرتے اور اسے ڈھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے میں بہترین اسالیب اختیار کرتے ہیں۔

ماں باپ میں سے ہر ایک مختلف وسائل سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے۔ اس سے قریب ہوتا ہے۔ اس کی عقل و عمر کے معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کے ساتھ کھیل کود کرتا ہے، اس سے خوش طبعی کے ساتھ پیش آتا ہے، ہنسی مذاق کرتا ہے، محبت و ایثار اور ہمدردی کے کلمات کہتا ہے، جس سے ان کے دل خوش و خرم ہو جاتے ہیں اور وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، اس کی باتوں کو پورے ذوق و شوق، گرمجوشی اور صدق دل سے سنتے، دل سے اس کی اطاعت کرتے اور اس کے احکام بجا لاتے ہیں۔ جو اطاعت محبت، احترام و اکرام اور اعتماد و بھروسا کے ساتھ کی جائے اس کے مقابلہ میں اس اطاعت کی کیا حیثیت جو

سختی، زبردستی، دباؤ، جبر اور ڈانٹ ڈپٹ سے ہو۔ پہلی اطاعت ہمیشہ رہنے والی اور دیرپا ہے جبکہ دوسری اطاعت وقتی اور جلد ختم ہو جانے والی ہے، جو سختی، تشدد اور دباؤ کے ختم ہوتے ہی یا تھوڑے ہی وقت میں ختم ہو جاتی ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ باپ کے بے تکلف ہونے اور ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے سے ان کی نگاہوں میں اس کی حیثیت کم ہو جاتی ہے اور اس کے تربیتی مقام میں فرق آجاتا ہے حالانکہ یہ صریح غلطی ہے۔ بچوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آنا، وہ کامیاب اور پر حکمت تربیتی اسلوب ہے جسے آج کل تربیت کے جدید انداز میں اختیار کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے آج سے پندرہ سو سال پہلے اپنے قول و فعل سے اس کی طرف دعوت دی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”جس کا کوئی بچہ ہو اسے اس کے ساتھ کھیل کود کرنا چاہیے۔“ (1)

رسول اللہ ﷺ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے بچوں عبداللہ، عبیداللہ اور کثیر کو ایک قطار میں کھڑا کرتے اور فرماتے:

”جو میرے پاس سب سے پہلے دوڑ کر آئے گا اسے فلاں فلاں چیز دوں گا، وہ سب دوڑ کر آتے۔ کوئی پیٹھ پر گرتا تو کوئی سینے پر اور آپ ان سب کو بوسہ دیتے۔“ (2)

طبرانی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا، پھر اس کے دونوں پاؤں اپنے پاؤں پر رکھ دیے اور فرمایا:

”چڑھو۔“ (3)

---

(1) كنز العمال: ٤٥٤١٣۔

(2) احمد: ٢١٤/١۔

(3) طبرانی فی الکبیر: ٤٩/٣، ٥٠، رقم الحدیث: ٢٦٥٣۔

رسول عظیم ﷺ کا انداز تربیت سب سے زیادہ سیدنا حسن اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو اپنی پیٹھ پر لادنے، ان کے ساتھ کھیل کود کرنے اور نرمی، محبت اور تواضع کے ساتھ خوش طبعی کرنے میں نمایاں ہوتا ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے ہر زمانہ اور ہر جگہ کے بڑوں کے لیے ایک نمونہ پیش کیا ہے کہ خواہ وہ کتنے ہی باوقار اور کتنے ہی اصحاب قدر و منزلت ہوں مگر ان نرم و نازک اور سرسبز و شاداب کلیوں کے ساتھ سے پیش آئیں۔

بعض اوقات نبی ﷺ کہیں تشریف لے جانے کے لیے باہر نکلتے، آپ ﷺ کے ساتھ صحابہ بھی ہوتے، راستے میں آپ کا کوئی نواسہ ملتا تو آپ اس سے خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرنے کے لیے لپکتے اور اس میں کوئی حرج اور کسر شان نہ سمجھتے۔ طبرانی نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

”ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک دعوت میں مدعو تھے، راستے میں سیدنا حسین رضی اللہ عنہ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، نبی ﷺ لوگوں کے درمیان سے نکل کر ان کی طرف لپکے پھر دونوں ہاتھ پھیلا دیے۔ حسین رضی اللہ عنہ ادھر ادھر بھاگنے لگے، نبی ﷺ ہنس ہنس کر انھیں پکڑنے لگے، یہاں تک کہ پکڑ لیا اور ایک ہاتھ ان کی ٹھوڑی پر رکھا دوسرا سر پر پھر انھیں چمٹا لیا اور بوسہ دیا۔“ ①

مسلمان کو اپنے بچوں کے ساتھ اسی طرح برتاؤ کرنا چاہیے، اسے چاہیے کہ ان کے ساتھ گھل مل کر رہے، ان کے ساتھ خوش طبعی اور ہنسی مذاق کرے اور ان کے دلوں میں سعادت و سرور پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

اولاد کو اپنی محبت و شفقت کا احساس دلانا:

باپ کی اولین ذمہ داریوں میں سے یہ ہے کہ وہ بچوں کو رحمت، شفقت، مہربانی اور محبت کا احساس دلائے تاکہ نفسیاتی طور پر ان کی صحیح پرورش ہو، ان کے دل اعتماد سے

① ابن ماجه، المقدمة، باب فضل الحسن والحسين : ١٤٤ ـ طبراني كبير : ٣٣/٣ـ

معمور، ان کے نفوس خلوص و محبت سے لبریز اور ان کے خیالات توقعات اور امیدوں کی آماجگاہ ہوں۔

رحمت رسول کریم ﷺ کے اخلاق و شمائل میں سب سے نمایاں خصلت تھی، جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کسی کو بچوں کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم مدینہ کے کسی گاؤں میں دودھ پلانے کے لیے لے جائے گئے تھے، آپ ﷺ جاتے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہو لیتے، آپ ﷺ گھر میں داخل ہوتے، انھیں اٹھا کر بوسہ دیتے اور پھر واپس آ جاتے۔''①

نبی ﷺ کی رحمت نوخیز پھولوں کے لیے عام تھی۔ آپ کھیلتے ہوئے چھوٹے بچوں کے ساتھ بھی محبت و ہمدردی اور شفقت کا معاملہ کرتے تھے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''نبی ﷺ جب بھی بچوں کے پاس سے گزرتے ان کے سامنے خوشی و مسرت کا اظہار کرتے اور انھیں سلام کرتے۔''②

آپ ﷺ کے زندہ و جاوید تربیتی اقوال میں سے ایک یہ قول بھی ہے:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا»③

''وہ شخص ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا حق نہ پہچانے۔''

---

① مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال ...... : ٢٣١٦۔

② بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم علی الصبیان : ٦٢٤٧۔ مسلم، کتاب السلام، باب استحباب السلام علی الصبیان : ٢١٦٨۔

③ احمد: ١٨٥/٢۔ ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی الرحمة : ٤٩٤٣۔ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی رحمة الصبیان : ١٩٢٠۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیا تو سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''میرے تو دس لڑکے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَا يَرْحَمْ لَا يُرْحَمْ» ①

''جو دوسروں کے ساتھ رحم کا برتاؤ نہیں کرتا، اس کے ساتھ بھی رحم کا معاملہ نہیں کیا جاتا۔''

رسول عظیم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کوشش فرماتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلوں میں رحمت کے چشمے جاری کر دیں اور ان میں انسانی خصائص کی سب سے نمایاں خصوصیت ''محبت و شفقت'' پیدا کر دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دن ایک دیہاتی آیا اور کہنے لگا: ''کیا تم لوگ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہو؟ ہم تو اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَوَ أَمْلِكُ لَكَ أَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ؟» ②

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل سے محبت نکال دی ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کو بوسہ دیتے، اپنی جگہ بٹھاتے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ کے لیے کھڑی ہو جاتیں، آپ کا ہاتھ پکڑتیں، استقبال کرتیں، آپ کو بوسہ دیتیں اور آپ کو اپنی جگہ بٹھاتیں۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں

---

① بخاری، كتاب الأدب، باب رحمة الولد ...... الخ : ٥٩٩٧۔ مسلم، كتاب الفضائل: باب رحمته صلى الله عليه وسلم ...... الخ : ٢٣١٨۔

② بخاری، كتاب الأدب : باب رحمة الولد ...... الخ : ٥٩٩٨۔ مسلم، كتاب الفضائل: باب رحمته صلى الله عليه وسلم ...... الخ : ٢٣١٧۔

آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان کا استقبال کیا اور بوسہ دیا۔"①

سچا مسلمان اس نبوی طریقہ کو دیکھتے ہوئے اپنی اولاد کے ساتھ ترش روئی سے پیش نہیں آتا۔ ان کے ساتھ سختی کا معاملہ اور تلخی سے گفتگو نہیں کرتا بلکہ اگر فطری طور پر اس کی طبیعت میں سختی اور اس کے اخلاق میں خشکی بھی ہو تو بھی وہ ان کے ساتھ خوش معاملگی سے پیش آتا ہے کیونکہ اس دین نے جو روشن ہدایات دی ہیں وہ دل میں رقت پیدا کرتی ہیں، رحمت و شفقت کے چشمے جاری کرتی ہیں اور محبت و مودت کو موجزن کرتی ہیں، کیونکہ اولاد حقیقت میں دل کے ٹکڑے ہیں جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے۔②

وَ اِنَّمَا اَوْلَادُنَا بَيْنَنَا

اَكْبَادُنَا تَمْشِىْ عَلَى الْاَرْضِ

اِنْ هَبَّتِ الرِّيْحُ عَلَى بَعْضِهِمْ

تَمْتَنِعُ الْعَيْنُ مِنَ الْغَمْضِ

"اولاد تو ہمارے دلوں کے ٹکڑے ہیں، جو زمین پر چلتے پھرتے ہیں، اگر انھیں ہوا بھی لگ جاتی ہے تو آنکھ جھپکنا بند کر دیتی ہے۔"

بچے جذبات بھڑکانے والے اور محبت و شفقت کو برانگیختہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہ والدین کے دلوں میں دیکھ بھال کرنے، پرورش و پرداخت کرنے اور ان کے لیے قربانی دینے کا جذبہ پیدا کر دیتی ہے۔

اولاد پر سخاوت کرنا:

اسلام نے والدین کے فطری جذبہ اور اولاد سے ان کی محبت و شفقت پر اکتفا نہیں کیا

---

① ابو داوٗد، كتاب الأدب، باب في القيام: ٥٢١٧۔ ترمذی، كتاب المناقب، باب ما جاء في فضل فاطمة رضي الله عنها: ٣٨٧٢۔

② یہ دونوں اشعار حطان بن المعلی کے ھیں، شرح الحماسة للتبریزی: ٢٧٥/١۔

اس لیے بعض اوقات زندگی میں ایسے حادثے پیش آجاتے ہیں جو بچے سے غافل کر دیتے ہیں اور جن کی وجہ سے والدین یا ان میں سے کوئی ایک بچے کے لیے زندگی کی آسائشیں قربان نہیں کرتے یا حالات سخت ہو جاتے ہیں، جینا دوبھر ہو جاتا ہے، فقر و فاقہ عام ہو جاتا ہے جس کی بنا پر والدین یا ان میں سے کوئی ایک ذمہ داریوں کے بوجھ اور گراں بار خرچوں سے پریشان ہو جاتے ہیں اسی لیے اسلام نے والدین کے فطری جذبہ کے ساتھ ساتھ ان کے لیے عظیم ثواب کا تذکرہ بھی کیا ہے جس کی بنا پر قربانیاں آسان ہو جاتی ہیں، زندگی کی پریشانیاں بے حیثیت اور سہل ہو جاتی ہیں اور فقر و فاقہ کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''میں اور وہ عورت جس کے رخسار سرخی مائل سیاہ رنگ کے ہوں اور جس کا شوہر مر گیا ہو اور اس نے اپنے بچے پر صبر کیا ہو (یعنی بچے کی پرورش کی ہو اور دوسری شادی نہ کی ہو) جنت میں اس طرح ہوں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو انگلیوں کا اشارہ کیا یعنی بہت قریب ہوں گے۔''[1]

یہی نہیں بلکہ اسلام نے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ اجر والا عمل بتلایا ہے۔ اس کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((دِينَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَ دِينَارٌ اَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ وَ دِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلَى مِسْكِينٍ وَ دِينَارٌ اَنْفَقْتَهُ عَلَى اَهْلِكَ ، اَعْظَمُهَا اَجْرًا الَّذِي اَنْفَقْتَهُ عَلَى اَهْلِكَ))[2]

''ایک دینار تم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا، ایک دینار غلام کے آزاد

---

1. ابوداوٗد، کتاب الأدب، باب فی فضل من عال: ٥١٤٩۔
2. مسلم، کتاب الزکاة: باب فضل النفقة علی العیال والمملوك: ٩٩٥۔

کرنے میں صرف کیا، ایک دینار مسکینوں پر صدقہ کیا اور ایک دینار گھر والوں پر خرچ کیا، ان میں سے وہ دینار جو گھر والوں پر خرچ کیا اس کا اجر سب سے زیادہ ہے۔"

مسلم کی دوسری روایت میں ہے:

"افضل ترین دینار وہ ہے جس کو آدمی اپنے گھر والوں پر خرچ کرے اور وہ دینار جسے ان جانوروں پر خرچ کرے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں کام آئیں اور وہ دینار جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے ساتھیوں پر خرچ کرے۔" ①

حقیقی اور سچے مسلمان کے دل میں گھر والوں پر خرچ کرنے سے خوشی و راحت اور سعادت محسوس ہوتی ہے کیونکہ اسے یقین ہوتا ہے کہ مسلمان اپنے اہل وعیال پر جو کچھ بھی خرچ کرتا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس میں اجر عظیم سے نوازتا ہے، یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے اجر رکھا ہے جسے آدمی محبت، ہمدردی اور خوش طبعی سے اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ اس کا اثبات اس حدیث سے ہوتا ہے جسے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

((وَلَسْتَ تُنْفِقُ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ إِلَّا أُجِرْتَ بِهَا حَتَّى اللُّقْمَةِ تَجْعَلُهَا فِي فِي امْرَأَتِكَ)) ②

"تم اللہ کی خوشنودی چاہتے ہوئے جو کچھ بھی خرچ کرو گے اس پر تمھیں اجر ملے گا، یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی اجر پاؤ گے جو تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھو گے۔"

سچا مسلمان اپنے اہل وعیال سے بے توجہی نہیں برت سکتا اور انھیں فقر و فاقہ، تنگی اور

---

① مسلم، کتاب الزکاۃ: باب فضل النفقة علی العیال والمملوك: ٩٩٤۔

② بخاری، کتاب المغازی، باب حجة الوداع: ٤٤٠٩۔ مسلم، کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث: ١٦٢٨۔

پراگندہ حالی میں نہیں چھوڑ سکتا کیونکہ اس نے رسول عظیم ﷺ کا یہ ارشاد سنا ہے، جس میں آپ ﷺ نے ان لوگوں کو ڈرایا ہے جو اپنی خانگی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کرتے اور انھیں سخت عذاب اور شدید گناہ سے آگاہ کیا ہے:

((كَفٰى بِالْمَرْءِ إِثْمًا أَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ يَمْلِكُ قُوتَهُ)) ①

”آدمی کا یہی گناہ کافی ہے کہ وہ جن لوگوں کا کفیل ہو ان کی کفالت سے ہاتھ اٹھالے اور وہ لوگ اِدھر اُدھر مارے مارے پھریں۔“

لڑکیوں اور لڑکوں کے مابین کوئی فرق نہ کرنا:

لڑکیوں کی ولادت سے بعض لوگوں کا دل تنگ ہو جاتا ہے اور وہ یہ تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں صرف لڑکوں سے نوازے حالانکہ انھیں نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے کتنے عظیم ثواب کا وعدہ کیا ہے جس کے صرف لڑکیاں ہوں اور وہ ان پر صبر کرے، ان کی اچھی تربیت کرے اور ان کے ساتھ مہربانی وشفقت سے پیش آئے۔ اگر انھیں معلوم ہو جائے کہ لڑکیوں کی پرورش کرنے، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور رحم و ہمدردی سے پیش آنے والے باپ کو کتنا ثواب ملنے والا ہے تو وہ اس پر رشک کریں اور اپنے لیے بھی ویسا ہی ہونے کی تمنا کریں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، فَصَبَرَ عَلَيْهِنَّ وَ أَطْعَمَهُنَّ وَ سَقَاهُنَّ وَ كَسَاهُنَّ مِنْ جِدَتِهِ كُنَّ لَهُ حِجَابًا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ②

”جس شخص کی تین لڑکیاں ہوں، وہ ان پر صبر کرے، انھیں اچھا پہنائے تو وہ اس کے لیے جہنم کی آگ سے پردہ ہوں گی۔“

دوسری روایت میں ہے:

---

① مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل النفقة على العيال والمملوك: ٩٩٦۔

② ابن ماجه، كتاب الأدب: باب بر الوالد...... الخ: ٣٦٦٩ ـ احمد: ٤/١٥٤۔

((مَنْ كَانَ لَهُ ثَلَاثُ بَنَاتٍ يُؤْوِيهِنَّ وَ يَرْحَمُهُنَّ وَ يَكْفُلُهُنَّ فَقَدْ وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ الْبَتَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ بَعْضِ الْقَوْمِ وَاثْنَتَيْنِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ! ؟ قَالَ وَاثْنَتَيْنِ)) ①

''جس کی تین لڑکیاں ہوں اور وہ ان کے رہنے کا انتظام کرے، ان کی ضرورتیں پوری کرے اور ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے تو اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔'' ایک آدمی نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اگر دو لڑکیاں ہوں تو؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر دو ہوں تب بھی۔''

اس اجر و انعام کے بعد کون باپ لڑکیوں کی تربیت کرنے اور ان پر خرچ کرنے کو گراں سمجھے گا۔ اسلام جو ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لوگوں کے حالات اور مشکلات کا حل پیش کرتا ہے، یہ ملحوظ رکھتا ہے کہ بعض اوقات لڑکی کو طلاق دے دی جاتی ہے، وہ اپنے باپ کے گھر لوٹ آتی ہے اور بعض اوقات اس کا باپ تنگی اور فاقہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ ذرائع آمدنی بہت ہی محدود ہوتے ہیں اور باپ کثیر العیال ہوتا ہے۔ اس موقع پر اسلام اس کے تکلیف میں مبتلا اور پریشان دل کے زخم پر مرہم رکھتا ہے اور وہ جس غم، پریشانی اور تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے وہ اس کا درماں بنتا ہے اور اس کثیر العیال باپ کو بتلاتا ہے کہ اس واپس آئی ہوئی لڑکی پر خرچ کرنا سب سے عظیم صدقہ اور تقرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ نبی کریم ﷺ نے سراقہ بن جعشم رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''کیا میں تمھیں سب سے عظیم صدقہ کے بارے میں نہ بتلاؤں؟'' انھوں نے عرض کیا: ''کیوں نہیں؟ اے اللہ کے رسول!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ کہ تمھاری بیٹی تمھارے پاس لوٹ آئے اور تمھارے علاوہ اس کی ضروریات پوری کرنے والا اور کوئی نہ ہو۔'' ②

---

① مسند احمد: ۳/ ۳۰۳۔

② طبرانی فی الکبیر: ۷/ ۱۵۳۔

اس پاکیزہ جذباتی آسودگی و سیرابی سے جس سے کہ اسلام میں اولاد محفوظ ہوتی ہے مادی زندگی کی اس خشکی کا کیا مقابلہ جس سے مغرب میں اولاد دو چار ہوتی ہے۔ جہاں بچے اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچتے ہی والدین کی گرم آغوش سے الگ ہو جاتے ہیں۔ خواہ وہ لڑکے ہوں یا لڑکیاں تاکہ وہ مادی زندگی کی سختیوں کو جھیلیں اور کسب معاش کی زحمتوں سے دو چار ہوں حالانکہ ابھی وہ اس قابل نہیں ہوئے ہوتے اور ابھی گھریلو محبت و شفقت سے پوری طرح سیراب بھی نہیں ہوئے ہوتے۔

یہ ہے نمایاں فرق! الٰہی قانون جو انسان کو سعادت بخشتا ہے اور انسانی قانون کے درمیان جو انسان کی بدبختی کا ذمہ دار ہے۔

اسی مادی قانون کا نتیجہ ہے کہ ہم مغرب میں آوارہ اور مارے مارے پھرنے والے نوجوان لڑکوں کی فوج اور در در کی ٹھوکریں کھانے والی آوارہ نوجوان لڑکیوں اور "غیر شادی شدہ ماؤں" کا جم غفیر دیکھتے ہیں اور دونوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے۔

تعمیر شخصیت اور ذہن سازی کا دھیان رکھنا:

باشعور مسلمان باپ اپنے بچوں پر نگاہیں رکھتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ کیا پڑھتے اور کیا لکھتے ہیں؟ وہ جانتا ہے کہ ان کی دلچسپیاں کیا ہیں؟ انھوں نے یہ خود اختیار کی ہیں یا غیر شعوری طور پر اس کی جانب متوجہ ہوئے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ ان کے دوست کیسے ہیں؟ جن کے ساتھ وہ رہتے ہیں اور جن کے ہمراہ اپنے اوقات گزارتے ہیں؟ وہ جانتا ہے کہ وہ لوگ خالی اوقات میں کہاں کہاں جاتے ہیں؟ وہ ان پر پوری نگرانی رکھتا ہے اور یہ سب چیزیں اس طرح جانتا ہے کہ انھیں احساس بھی نہیں ہو پاتا چنانچہ جب وہ ان میں مطالبہ خواہشات، غلط دوستوں کے ساتھ رہنے، مشتبہ جگہوں پر جانے، سگریٹ نوشی جیسی مضر عادات میں مبتلا ہونے، مکروہ یا حرام کھیلوں میں دلچسپی لینے کے سلسلہ میں انحراف دیکھتا ہے جس سے کہ وقت کا ضیاع ہوتا ہے، طاقت صرف ہوتی ہے اور وہ بیکاری اور لہو ولعب کے

عادی ہو جاتے ہیں تو وہ انھیں نرمی، حکمت اور دانائی سے سیدھے راستے کی طرف پھیر دیتا ہے اور ہوشیاری سے انھیں مطمئن کر کے راستی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ بخاری کی ایک حدیث میں ہے:

﴿مَا مِنْ مَوْلُودٍ إِلَّا يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ﴾ ①

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔''

اس طور پر اثر انداز ہونے والے مذکورہ تربیتی عوامل کے مشاہدہ کے ذریعے بچے کی عقل ڈھالنے، اس کی شخصیت کی تعمیر کرنے اور اس کے نفس کی تربیت کرنے کے سلسلہ میں والدین کی ذمہ داری نمایاں ہوتی ہے۔

لڑکے جن کتابوں کا مطالعہ کریں انھیں ایسا ہونا چاہیے کہ ان سے ان کے ذہن کھلیں، ان میں مکارم اخلاق پیدا ہوں اور ان کی شخصیتیں اسلامی اقدار و روایات کی پابند ہوں نہ کہ وہ ایسی ہوں کہ ان کے ذریعے ان کی عقلوں میں فساد پیدا ہو، ان کی فطرتیں مسخ ہوں اور ان کے نفوس میں خیر کے شعلے سرد پڑ جائیں۔

اسی طرح ان کی دلچسپیاں ایسی ہونی چاہییں کہ ان کے نفوس میں خیر کے پہلو پروان چڑھیں نہ کہ شر کے پہلو۔ ان کے دل میں حق کی چنگاریاں روشن ہوں نہ کہ باطل کی اور ان میں ذوق سلیم کی پرورش ہو نہ کہ ذوق سقیم کی۔

دوست ایسا ہونا چاہیے جو جنت کی طرف رہنمائی کرے نہ کہ جہنم کی طرف، جو حق کی طرف لے جائے نہ کہ باطل کی طرف، جو ہدایت، بلندی، کامیابی اور حسن سلوک کی طرف رہنمائی کرے نہ کہ ضلالت، پستی، ناکامی اور نافرمانی کی طرف۔ نہ جانے کتنے دوست

---

① بخاری، كتاب الجنائز: باب اذا أسلم الصبي...... الخ: ١٣٥٩۔

ایسے ہیں جنھوں نے اپنے دوستوں کو برائی کے گڑھوں، شر کی وادیوں اور ذلت کی کھائیوں میں دھکیل دیا ہے اور درآنحالیکہ والدین اپنے بیٹوں سے پوری طرح غافل ہیں۔ شاعر عدی بن زید العبادی نے ساتھی اور دوست کے بارے میں کتنے پرحکمت اشعار کہے ہیں۔

إِذَا كُنْتَ فِيْ قَوْمٍ فَصَاحِبْ خِيَارَهُمْ
وَلَا تَصْحَبِ الْأَرْدَى فَتَرْدَى مَعَ الرَّدِيْ
عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَ سَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ
فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ [1]

"جب تم لوگوں کے درمیان رہو تو ان میں سے بہترین کی مصاحبت اختیار کرو اور ایسے شخص کے ساتھ نہ رہو جس نے اپنے لیے ہلاکت کا فیصلہ کرلیا ہو، ورنہ اس کے ساتھ تم بھی ہلاک ہو جاؤ گے۔ آدمی کے بارے میں دریافت کرنے کے بجائے یہ معلوم کرو کہ اس کے دوست واحباب کیسے ہیں؟ اس لیے کہ ہر شخص اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے۔"

اس طرح باشعور مسلمان باپ کی نگاہ بیٹوں کی تربیت میں کتب و رسائل، دوست واحباب، خواہشات و ترغیبات، مدرسہ و اساتذہ، محفلوں، ذرائع ابلاغ اور ہر اس چیز پر دھیان دیتی ہے جو اس کے بیٹوں کی شخصیتوں کی تعمیر اور ان کی عقل، دل اور عقیدہ کی تربیت پر اثر انداز ہوتی ہے اور ضرورت پڑنے پر وہ سلبی یا ایجابی طور پر دخل اندازی کرتا ہے تاکہ بچوں کی تربیت میں ناکامی نہ ہو، رکاوٹیں نہ پیدا ہوں، ان میں اخلاقی امراض نہ جنم لیں اور ان کے کردار مسخ نہ ہوں۔

اس طور پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ بچوں کی تربیت میں بعض خاندانوں کے کامیاب ہونے اور بعض کے ناکام ہونے کا کیا راز ہے؟ پہلی قسم کے خاندان نے بچوں کے سلسلہ میں اپنی

---

[1] دیوان عدی: ص ۱۰۷۔

ذمہ داریوں کا احساس کیا اور ان پر پوری توجہ دی۔ چنانچہ ان کے بچے خود ان کے لیے بھی خیر و برکت کا موجب بنے اور معاشرہ کے لیے بھی، جبکہ دوسری قسم کے خاندان نے ان کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری سے بے توجہی برتی اور بطریق احسن اپنی ذمہ داری کی ادائیگی سے پہلو تہی برتی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود ان کے لیے بھی اور معاشرہ وقوم کے لیے بھی وبال اور دائمی شر ثابت ہوئے۔ اس زندگی میں اور مرنے کے بعد بھی ان کے لیے غم والم کا سبب بن گئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَ اَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ فَاحۡذَرُوۡہُمۡ ﴾

(التغابن: ١٤)

”تمھاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمھارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو۔“

اگر والدین صحیح طریقے کو اختیار کیے رہیں، اپنی اولاد کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داریاں پہچانیں اور بحسن وخوبی انھیں سرانجام دیں تو اولاد ان کی دشمن کیوں ہو گی؟

اولاد کے درمیان مساوات برتنا:

بچوں کی تربیت کا پر حکمت اسلوب یہ ہے کہ ان کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کیا جائے اور تمام معاملات میں کسی کو دوسرے پر فضیلت وفوقیت نہ دی جائے اس لیے کہ جو بیٹا اپنے اور اپنے بھائیوں کے درمیان مساوات اور برابری محسوس کرے گا اس کی پرورش صحیح نہج پر ہو گی، وہ اپنے بھائیوں سے حسد و کینہ نہیں رکھے گا اور نہ اس کے دل میں غیرت و حسد کے جذبات پیدا ہوں گے بلکہ ان کے بالمقابل اس کے دل میں رضا، رواداری، ایثار، حسن سلوک اور دوسرے سے محبت کے جذبات نشوونما پائیں گے۔ یہی وہ مطلوبہ چیز ہے جس پر اسلام نے زور دیا ہے اور والدین کو اس کا حکم بھی دیا ہے۔

بزاز نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کی تخریج کی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تھا کہ اسی دوران ایک لڑکا آیا، اس نے اسے بوسہ دیا

اور پھر اپنی ران پر بٹھالیا، پھر اس کی بیٹی آئی تو اس نے اسے اپنے سامنے بٹھالیا۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم نے ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ کیوں نہیں کیا؟''

اولاد کے درمیان مساوات کا برتاؤ کرنے کے سلسلہ میں عظیم مربی، رسول اللہ ﷺ کی جانب سے یہ ایک دقیق تربیتی تنبیہ اور یاد دہانی ہے، خواہ وہ بیٹے ہوں یا بیٹیاں، اس لیے رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم نے ان کے ساتھ برابری کا برتاؤ کیوں نہیں کیا؟'' یعنی اولاد کے ساتھ آپ ﷺ نے لڑکے اور لڑکیوں کی تفریق نہیں فرمائی۔ بخاری و مسلم نے سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''میرے والد مجھے لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:
''میں نے اپنے اس بیٹے کو اپنا ایک غلام ہدیہ کر دیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
''کیا تم نے اسی طرح اپنے ہر لڑکے کو ایک ایک غلام ہدیہ کر دیا ہے؟'' عرض کیا:
''نہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اس سے بھی واپس لے لو۔'' ①

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ ایسے کیا ہے؟'' عرض کیا: ''نہیں!''
آپ ﷺ نے فرمایا:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ)) ②

''اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے بچوں میں عدل و مساوات کا معاملہ کرو۔''

ایک دوسری روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا:

---

① مسلم ، کتاب الهبات ، باب کراهة تفضيل بعض الاولاد ...... الخ : ۱۶۲۳۔
بخاری، کتاب الهبة ، باب الهبة للوالد : ۲۵۸۶۔

② بخاری، کتاب الهبة ، باب الإشهاد فی الهبة : ۲۵۸۷۔

''اے بشیر! کیا اس کے علاوہ تمھارے اور بیٹے بھی ہیں؟'' عرض کیا: ''ہاں!'' فرمایا: ''کیا تم نے اسی طرح تمام لڑکوں کو غلام دے دیا ہے؟'' عرض کیا: ''نہیں۔'' فرمایا: ''تو پھر مجھے گواہ نہ بناؤ، میں ظلم و زیادتی کا گواہ نہیں بنوں گا۔'' پھر فرمایا: ''کیا تمھارے لیے یہ بات خوش آئند نہ ہوگی کہ وہ سب بھی تمھارے ساتھ برابر کا حسن سلوک کریں؟'' عرض کیا: ''کیوں نہیں۔'' فرمایا: ''تو پھر تم بھی ان کے ساتھ برتاؤ میں تفریق و امتیاز نہ کرو۔'' ①

چنانچہ متقی مسلمان اپنے بچوں میں عدل و مساوات کا برتاؤ کرتا ہے۔ کوئی چیز ہدیہ کرنے، ان پر خرچ کرنے یا کسی دوسرے معاملہ میں کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں دیتا، جس کے نتیجہ میں وہ سب بھی اس کے لیے دعائے خیر کرتے ہیں۔ ان کے دل اس کی محبت سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کے نفوس حسن سلوک، احترام و اکرام اور تعظیم سے معمور ہوتے ہیں۔

بلند اخلاق کی نشو ونما کرنا:

خوش طبعی، رضا، قناعت اور حسن سلوک سے لبریز ان نفوس کے ساتھ باپ اپنے بچوں کو عالی اوصاف اور بلند انسانی فضائل کے مدارج تک پہنچا دیتا ہے۔ وہ ان میں دوسروں سے محبت کرنے، کمزور لوگوں کے ساتھ مہربانی سے پیش آنے، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے، بڑوں کا احترام کرنے، چھوٹوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا برتاؤ کرنے، خیر کے کام سے راحت حاصل کرنے، لوگوں کے درمیان عدل و انصاف کی اشاعت کی رغبت کرنے اور اسی طرح کے دیگر بلند اخلاق کی نشو ونما کرتا ہے۔ خیر کا انھیں لوگوں سے صادر ہوسکتا ہے جو اس سے سیراب ہو چکے ہوں، مگر جو شخص اس سے تہی دامن

---

① بخاري، كتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة جور إذا أشهد: ۲٦٥۰۔ مسلم كتاب الهبات: باب كراهة تفضيل...... الخ: ۱٦۲۳۔

ہو، اس سے اس کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے:

((اَلصَّلَاحُ مِنَ اللّٰهِ وَالْأَدَبُ مِنَ الْآبَاءِ)) ①

''درستی تو منجانب اللہ ہوتی ہے البتہ ادب سکھانا والدین کا کام ہے۔''

باشعور مسلمان باپ کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کے دل میں کیسے داخل ہو اور کس طرح پسندیدہ مثالی نمونہ، خوش اخلاقی، حسن معاشرت، دیکھ بھال، رحمت و تواضع، کشادہ روئی، محبت، اہتمام، حوصلہ افزائی، شفقت و مہربانی، مساوات و عدل، خیر خواہی، رہنمائی اور دیگر تربیت کے پر حکمت اسالیب کو اختیار کر کے نرمی اور سختی کے امتزاج کے ساتھ ان میں حکمت اور پاکیزہ اخلاق کو پروان چڑھائے۔ نہ ہی ایسی نرمی اختیار کرے جو کمزوری کا باعث ہو اور نہ ایسی سختی سے پیش آئے جو نقصان دہ ثابت ہو۔ اس طرح اولاد حسن سلوک، نگرانی اور محبت کی فضا میں پروان چڑھے گی اور اس فضا میں پرورش پا کر ایسی اولاد نمو دار ہوگی جو اچھا برتاؤ کرنے والی وفادار اور نیک اولاد ثابت ہوگی، جن کی شخصیت بے عیب اور بے داغ ہوگی، جن کے ذہن کھلے اور روشن ہوں گے، جو عطا و بخشش پر قادر ہوں گے اور جو ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہوں گے اور ایسا ہونا ہر اس خاندان میں بدیہی ہے جس کی پرورش اور نشو و نما اسلامی اصولوں پر ہوئی ہو اور جس نے قرآنی آداب سے استفادہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾ (البقرة: ١٣٨)

''اللہ کا رنگ اختیار کرو کہ اس کے رنگ سے اچھا کس کا رنگ ہوگا؟''

❀......❀......❀

---

① الأدب المفرد: ٩٢۔

باب ششم

مسلمان کا تعلق
اپنے عزیز و اقارب
کے ساتھ

غفلت اس دل پر طاری نہیں ہوتی جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا اور اسی سے ڈرتا ہو، غفلت تو صرف ان دلوں میں ڈیرہ جماتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی ہدایت سے اعراض کرتے ہوں۔ سچے مسلمان کا دل تو ہمیشہ توبہ و استغفار اور انابت کے لیے کھلا رہتا ہے، وہ ہمیشہ اطاعت، ہدایت، تقویٰ اور رضائے الٰہی سے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔

مسلمان کا تعلق اپنے عزیز واقارب کے ساتھ

رشتہ دار:

مسلمان کا حسن سلوک صرف اس کے والدین اور بیوی بچوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ ان تمام لوگوں کے ساتھ وہ اچھے برتاؤ، حسن سلوک اور قریبی تعلق کا رشتہ قائم رکھتا ہے۔ رشتہ داروں سے مراد وہ اعزاء ہیں جن کا انسان سے نسب کے واسطے سے تعلق ہو، خواہ ان کو میراث میں حصہ ملتا ہو یا نہ ملتا ہو۔

اسلام میں رشتہ داری کا مقام:

اسلام نے رشتہ داری کو وہ معزز اور بلند مقام دیا ہے جو پوری تاریخ انسانیت میں کسی مذہب، کسی نظریہ اور کسی شریعت نے نہیں دیا۔ اسلام نے رشتوں کا پاس اور لحاظ کرنے کی وصیت کی ہے، صلہ رحمی کی ترغیب دلائی ہے اور قطع رحمی سے ڈرایا ہے۔

رشتہ داری کے ساتھ اسلام کے اعزاز واکرام کا اندازہ اس سے بڑھ کر کسی چیز سے نہیں ہوسکتا کہ جس کی تصویر کشی رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے کہ رشتہ داری اللہ تعالیٰ کے روبرو اس بڑے میدان میں جہاں اللہ تعالیٰ نے عالم مثال میں مخلوق کی تخلیق فرمائی، کھڑی ہوتی ہے اور رشتوں کے کاٹنے والوں سے پناہ مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی اس درخواست کو قبول فرمالیتا ہے چنانچہ جو رشتوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے جوڑتا ہے اور جو رشتوں کو کاٹتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے کاٹ دیتا ہے۔ حدیث صحیح میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات پیدا کیں، یہاں تک کہ جب وہ اس سے فارغ ہوا تو رشتہ داری کھڑی ہوئی اور عرض کیا:

((هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ ۔ قَالَ نَعَمْ اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ؟ قَالَتْ: بَلٰى يَا رَبِّ ! قَالَ فَهُوَ لَكِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : فَاقْرَأُوْا إِنْ شِئْتُمْ : ﴿ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ تُقَطِّعُوْا اَرْحَامَكُمْ ﴾ (محمد: ٢٢)))[1]

''کیا یہ جگہ اس کے کھڑے ہونے کی ہے جو تیرے ذریعے قطع رحمی سے پناہ مانگے؟'' فرمایا: ہاں! کیا تو اس پر راضی نہیں ہے کہ جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں اور جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹوں۔'' رشتہ داری نے کہا: ''کیوں نہیں، اے میرے رب!'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تیرے لیے ایسا ہی ہوگا۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چاہو تو یہ ارشاد الٰہی پڑھو:

''کیا اب تم لوگوں سے اس کے سوا کچھ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ تم الٹے منہ پھر گئے تو زمین میں پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں قطع رحمی کرو گے۔''

قرآن کریم میں پے در پے کئی آیات ہیں جو اسلام میں رشتہ داری کا مقام واضح کرتی ہیں۔ رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے، رشتوں کا احساس کرنے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں ذکی الحس ہونے پر ابھارتی ہیں اور ان حقوق کو ہضم کرنے، انھیں پامال کرنے یا ان کے سلسلہ میں ظلم و زیادتی کرنے یا تکلیف پہنچانے سے بچنے کا حکم دیتی اور رشتہ کے تعلقات کو خراب کرنے سے ڈراتی ہیں۔ مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَ الْاَرْحَامَ ﴾ (النساء: ١)

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب من وصل وصله الله : ٥٩٨٧۔

''اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے (اپنے حق) مانگتے ہو اور رشتہ داری اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تقویٰ اختیار کرنے اور اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا ہے اور اس کے متصل بعد رشتوں کے بارے میں حکم دیا ہے۔ اس طرح اس نے رشتہ کی عظمت کا احساس دلایا اور رشتہ کا پاس ولحاظ کرنے اور ہمیشہ اس کے خنک سایہ میں پناہ لینے کی تاکید کی ہے۔

سچے مسلمان کے شعور واحساس میں رشتہ کی اہمیت ومنزلت کے لیے یہی کافی ہے کہ بیشتر آیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کے بعد ہی صلہ رحمی کرنے اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے:

﴿ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾

(بنی اسرائیل : ۲۳)

''تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔''

اس کے بعد فرمایا:

﴿ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ﴾

(بنی اسرائیل: ۲٦)

''اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق اور فضول خرچی نہ کرو۔''

دوسری آیت میں ہے:

﴿ وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ (النساء : ۳٦)

''اور تم سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی سے اور مسافر سے احسان کا معاملہ رکھو۔''

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حسن سلوک میں رشتہ داروں کا درجہ والدین کے بعد آتا ہے۔ جیسا کہ قرآنی آیات میں انسانی تعلقات کی درجہ بدرجہ تحدید کی گئی ہے پھر حسن سلوک کا دائرہ رشتہ داروں سے وسیع ہو جاتا ہے اور اس کی برکات ان تمام محتاجوں اور ضرورت مندوں کو حاصل ہوتی ہیں جو انسانی برادری میں رہتے ہیں۔ حسن سلوک کے مستحقین کی یہ ترتیب انسانی مزاج سے میل کھاتی ہے کہ جو حسن سلوک کا آغاز اپنے قریب ترین لوگوں سے کرنا چاہتا ہے۔ اسی طرح یہ ترتیب اسلام کے اس طریقۂ کار سے بھی موافقت رکھتی ہے جو وہ اسلامی معاشرہ برپا کرنے کے سلسلہ میں اختیار کرتا ہے۔ اسلام میں معاشرتی کفالت و تعاون کا آغاز گھر سے ہوتا ہے۔ پھر وہ رشتہ داروں تک وسیع ہو جاتا ہے اور پھر ان کا دائرہ پوری جماعت کو حاوی ہو جاتا ہے۔

اسلام میں حسن سلوک کی یہ ترتیب بہت ہی آسانی اور سہولت پر مبنی ہے جس میں کوئی دشواری یا پریشانی نہیں اور یہ رحم و مہربانی، رضا، محبت اور الفت کی خوشگوار فضا میں ہوتا ہے، جس سے زندگی بہت ہی دلفریب، حسین اور خوشگوار ہو جاتی ہے۔

صلہ رحمی ان اولین اسلامی مبادی اور اصولوں میں سے ہے جن کے ساتھ یہ دین روز اول ہی سے دنیا والوں کے سامنے ظاہر ہوا جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت کا اعلان کیا، اس کے اصولوں کی تشریح کی اور اس کے نقوش واضح کیے چنانچہ رشتہ داروں کے ساتھ تعلق اور نیک برتاؤ، شریعت اسلامی کے ممتاز اور نمایاں اصولوں میں سے ہے۔ اس کی تائید ہرقل کے ساتھ ابوسفیان کی اس گفتگو سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ جب ہرقل نے ابوسفیان سے

پوچھا: ”تمھارا نبی تمھیں کن چیزوں کا حکم دیتا ہے۔“ تو اس نے جواب دیا وہ کہتے ہیں:

((اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَاتْرُكُوا مَا يَقُولُ آبَاؤُكُمْ وَيَأْمُرُنَا بِالصَّلَاةِ وَالصِّدْقِ وَالْعَفَافِ وَالصِّلَةِ)) ①

”صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ اور جو کچھ تمھارے باپ دادا کیا کرتے تھے اسے چھوڑ دو۔ وہ نماز، سچائی، پاک دامنی اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔“

یہاں صلہ رحمی کو اس دین حنیف کے بنیادی اصولوں......توحید، نماز، سچائی اور پاک دامنی کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے۔ اس سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ صلہ رحمی اس دین کی ان ممتاز خصوصیات میں سے ہے جن کے بارے میں دین کے متعلق پہلی مرتبہ پوچھنے والوں کو آگاہ کیا جاتا ہے۔

سیدنا عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں اسلام کے جملہ اصول و آداب بیان کیے گئے ہیں، سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”میں مکہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ یہ آغاز نبوت کا زمانہ تھا۔ میں نے عرض کیا: ”آپ کیا ہیں؟“ فرمایا: ”نبی ہوں۔“ میں نے عرض کیا: ”نبی کسے کہتے ہیں؟“ فرمایا: ”مجھے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔“ میں نے کہا: ”اللہ تعالیٰ نے آپ کو کیا چیز دے کر بھیجا ہے؟“ تو آپ نے فرمایا:

((أَرْسَلَنِي بِصِلَةِ الْأَرْحَامِ وَ كَسْرِ الْأَوْثَانِ وَ أَنْ يُوَحَّدَ اللّٰهُ لَا يُشْرَكُ بِهِ شَيْءٌ)) ②

---

① بخاری، کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ : ۷۔ مسلم، کتاب الجهاد: باب کتب النبی ﷺ إلی هرقل ...... الخ: ۱۷۷۳۔

② مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین، باب اسلام عمرو بن عبسة رضی اللہ عنه : ۸۳۲۔

''اللہ تعالیٰ نے مجھے رشتہ داریوں کو جوڑنے اور بتوں کو توڑنے کے لیے بھیجا ہے تا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔''

یہ بالکل عیاں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے اس حدیث میں اسلام کے اہم اصول و مبادی کی مختصر تشریح کرتے ہوئے صلہ رحمی کو مقدم رکھا ہے، آپ ﷺ نے اس کو ان اصول ومبادی میں سر فہرست ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دین کے نظام میں، جسے اللہ تعالیٰ نے دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر نازل کیا ہے، اس کا کتنا عظیم مقام اور کتنا بڑا مرتبہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ بکثرت ایسی ایسی نصوص مروی ہیں جو صلہ رحمی پر ابھارتی، اس کی ترغیب دیتی، قطع رحمی سے ڈراتی اور ایسا کرنے والے کو وعید سناتی ہیں۔

سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے کہ جس سے میں جنت میں داخل ہو جاؤں؟'' نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کرو۔''[1]

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کی عبادت، توحید، نماز اور زکوٰۃ کے بعد اسی سیاق میں صلہ رحمی کا تذکرہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کا شمار بھی ان جلیل القدر نیک اعمال میں ہوتا ہے جن کی بدولت ان کا کرنے والا جنت میں داخل ہوگا اور جہنم سے محفوظ رہے گا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بخاری ، کتاب الأدب ، باب فضل صلة الرحم : ۵۹۸۳۔ مسلم ، کتاب الایمان ، باب بیان الایمان الذی یدخل به الجنة : ۱۳۔

«مَنْ اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ لَهُ فِیْ رِزْقِهٖ وَ یُنْسَأَ لَهُ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهُ» ①

''جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں کشادگی کر دی جائے اور اس کی عمر دراز کر دی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

معلوم ہوا کہ صلہ رحمی کرنے سے رزق میں برکت ہوتی ہے اور عمر میں اضافہ۔ صلہ رحمی مال میں اضافہ کرتی ہے، اسے پروان چڑھاتی ہے، اس انسان کے عرصۂ حیات کو دراز کرتی ہے اور اس سے زندگی میں برکت ہوتی ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''جو شخص اپنے رب سے ڈرے گا اور صلہ رحمی کرے گا، اس کی عمر دراز کر دی جائے گی۔ اس کے مال میں اضافہ کر دیا جائے گا اور اس سے اس کے اہل و عیال خوش رہیں گے۔'' ②

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے کے رزق اور عمر میں کشادگی اور برکت ہوتی ہے اور دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں اس کی محبت پیدا ہوتی ہے اور وہ اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اس کے بالمقابل دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع رحمی کرنے والے پر نحوست اور مصیبت طاری ہوتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ بھی نفرت کرتا ہے اور لوگ بھی بغض رکھتے ہیں اور آخرت میں بھی وہ جنت سے دور ہی رہے گا۔ قطع رحمی کرنے والے کی بدبختی اور محرومی کے لیے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعُ رَحِمٍ» ③

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب من بسط له فی الرزق لصلة الرحم: ٥٩٨٦۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم و تحریم قطیعتها: ٢٥٥٧۔

② الأدب المفرد: ٥٨۔

③ بخاری، کتاب الأدب، باب اثم القاطع: ٥٩٨٤۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم ...... الخ: ٢٥٥٦۔

''جنت میں قطع رحمی کرنے والا نہیں جائے گا۔''

اس کی نحوست، ہلاکت اور گمراہی کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ جس قوم میں ہو اس پر رحمت نازل نہیں ہوتی جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے امام بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں روایت کیا ہے:

((اِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تَتَنَزَّلُ عَلٰی قَوْمٍ فِیهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ)) ①

''رحمت اس قوم پر نازل نہیں ہوتی ہے جس میں قطع رحمی کرنے والا ہو۔''

اس لیے جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس مجلس میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے جس میں قطع رحمی کرنے والا موجود ہو کیونکہ وہ نزول رحمت اور قبولیت دعا کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ طبرانی نے سیدنا اعمش رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا:

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن فجر کی نماز کے بعد ایک حلقہ میں بیٹھے تھے۔ کہنے لگے:

''میں قطع رحمی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ ہماری مجلس سے اٹھ جائے کیونکہ ہم اپنے رب سے دعا کرنا چاہتے ہیں اور آسمان کے دروازے قطع رحمی کرنے والے کے لیے بند ہیں۔'' ①

حدیث میں ''مرتجة'' کا لفظ ہے۔

ایک مرتبہ جمعرات کی شام سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ فرمایا:

''میں ہر قطع رحمی کرنے والے کو سختی سے (یعنی با اصرار اور زور دے کر کہتا ہوں) کہ وہ ہمارے اندر سے اٹھ جائے، کوئی نہیں اٹھا۔ انھوں نے اسی طرح تین مرتبہ دہرایا تو ایک نوجوان اٹھا اور اپنی ایک پھوپھی کے پاس گیا جس سے اس

---

① شعب الایمان: ۲۲۳/۶۔

② مجمع الزوائد: ۱۵۱/۸۵۔

نے دو سال سے قطع تعلق کر رکھا تھا۔ اس کی پھوپھی نے اس سے کہا: ''اے بھتیجے! کیسے آنا ہوا؟'' اس نے کہا: ''میں نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یوں فرماتے ہوئے سنا ہے۔'' اس نے کہا: ''ان کے پاس جاؤ اور پوچھو کہ انھوں نے ایسا کیوں فرمایا ہے؟'' وہ گیا تو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''بنی آدم کے اعمال اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں ہر جمعرات کی شام کو پیش کیے جاتے ہیں۔ اس وقت قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا ہے۔''[1]

یہ نصوص ذکی الحس اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور آخرت میں سلامتی چاہنے والے مسلمان کو اندر سے جھنجوڑ دیتی ہیں کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع رحمی سے رحمت رک جاتی ہے، دعا قبول نہیں کی جاتی اور عمل ضائع ہو جاتا ہے اور یہ بہت بڑی آزمائش ہے جس میں انسان مبتلا ہو جاتا ہے۔ وہ دعا کرتا ہے مگر قبول نہیں ہوتی، عمل کرتا ہے مگر بارگاہ ایزدی میں مقبول نہیں ہوتا۔ اپنے رب کی رحمت کی طرف رجوع کرتا ہے مگر رحمت اس سے دور رہتی ہے چنانچہ یہ چیز ناقابل تصور ہے کہ سچا مسلمان کبھی قطع رحمی کرنے والا ہو۔ قطع رحمی ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب کوئی ایسا مسلمان نہیں کر سکتا جس کا دل اسلامی تعلیمات سے منور اور نفس اللہ تعالیٰ کی اطاعت و خوشنودی پر راضی ہو۔ اس لیے کہ قطع رحمی کا شمار ان گناہوں میں ہوتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ ان کا ارتکاب کرنے والوں پر آخرت سے قبل دنیا ہی میں گرفت کرتا ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

«مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرَ اَنْ يُّعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا، مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْآخِرَةِ، مِنَ الْبَغْيِ وَ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ»[2]

---

1. احمد: ٢/٤٨٤۔ الأدب المفرد: ٦١۔ ضعیف ھے، ارواء الغلیل: ٩٤٩۔
2. ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب فی عظم الوعید..... الخ: ٢٥١١۔ ابن ماجه، کتاب الزهد، باب البغی: ٤٢١١۔ احمد: ٥/٣٦۔

''بغاوت اور قطع رحمی سے بڑھ کر کوئی گناہ ایسا نہیں جو اس لائق ہو کہ اس کے ارتکاب کرنے والے کو اللہ تعالیٰ آخرت میں سزا دینے کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی سزا دے۔''

قطع رحمی اور بغاوت دونوں کی اصل ایک ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے حدیث میں دونوں کو ملا دیا ہے۔ یہ اس لیے کہ قطع رحمی ظلم میں سے ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا ظلم ہوگا کہ رشتوں کو کاٹ دیا جائے، محبت کے تعلق کو منقطع کر دیا جائے اور الفت ومودت کے سوتوں کو خشک کر دیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے رشتہ پر قطع تعلق کے ذریعے ہونے والے اس ظلم کی تصویر کشی کرتے ہوئے فرمایا:

((اِنَّ الرَّحِمَ شِجُنَةٌ مِنَ الرَّحُمٰنِ تَقُوُلُ: يَا رَبِّ! اِنِّیُ ظُلِمُتُ، يَا رَبِّ! اِنِّیُ قُطِعُتُ ، يَا رَبِّ! اِنِّیُ ...... فَيُجِيُبُهَا رَبُّهَا عَزَّ وَ جَلَّ اَمَا تَرُضَيُنَ اَنُ اَقُطَعَ مَنُ قَطَعَكِ وَ اَصِلَ مَنُ وَصَلَكِ)) [1]

''رحم (رشتہ دوری)'' رحمٰن سے بندھی ہوئی ہے، (یعنی رحمٰن سے ایسا پیوستہ تعلق ہے جس طرح رگوں کا آپس میں ہوتا ہے) وہ کہتی ہے: اے اللہ! مجھ پر ظلم کیا گیا، اے اللہ! مجھے کاٹا گیا، اے اللہ مجھے ......'' اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے: ''کیا تو اس بات پر خوش نہیں کہ جو تجھے کاٹے میں اسے کاٹوں اور جو تجھے جوڑے میں اسے جوڑوں۔''

اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری کی شان بہت بلند کر دی ہے کیونکہ اسے اپنے نام رحمٰن کے ساتھ بندھا ہوا بتلایا ہے اور اس کے نام کو اپنے نام سے مشتق کر کے اسے عزت بخشی ہے، فرمایا:

---

[1] مسند احمد : ٢/٤٥٥_ بخاری، کتاب الأدب ، باب من وصل وصله الله : ٥٩٨٧_ مسلم، کتاب البر والصلة ، باب صلة الرحم ...... الخ : ٢٥٥٤_

«أَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَ شَقَقْتُ لَهَا مِنَ اسْمِي فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَ مَنْ قَطَعَهَا بَتَتُّهُ» ①

"میں رحمٰن ہوں، میں نے رحم (رشتہ داری) کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے اسے مشتق کیا ہے۔ جو اسے جوڑے گا، اسے میں جوڑوں گا اور جو اسے کاٹے گا میں اسے کاٹوں گا۔"

اس سے باشعور مسلمان کو یہ اشارہ ملتا ہے کہ صلہ رحمی کرنے والا اپنے رب کی رحمت کے خوشگوار، ٹھنڈے اور خنک سائے میں ہوگا۔ اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوگا، اس کی نعمتوں سے وہ لطف اندوز ہوگا اور عزت سے رہے گا۔ اس کے برخلاف قطع رحمی کرنے والا اس سائے سے محروم ہوگا، اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کٹا ہوگا اور وہ بدبختی اور ذلت کے ساتھ رہے گا۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق صلہ رحمی کرنا:

چنانچہ متقی اور باشعور مسلمان صلہ رحمی کرتا ہے اور مال و دولت، بیوی بچے اور دنیا اسے عزیزوں اور رشتہ داروں کی خبر گیری کرنے، ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کا اکرام و احترام اور تعاون کرنے سے غافل نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں وہ دین حنیف کی تعلیمات و ہدایات کی پیروی کرتا ہے، جس نے اس تعلق کو قائم کیا ہے اور اسے اہمیت و قرابت کے مطابق سلسلہ وار قرار دیا ہے چنانچہ پہلا درجہ ماں کا قرار دیا، پھر باپ کا، پھر بالترتیب قریب ترین رشتہ داروں کا۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا:

---

① ترمذی کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی قطیعة الرحم: ۱۹۰۷۔ ابوداؤد، کتاب الزکاة، باب فی صلة الرحم: ۱۶۹۴۔ الأدب المفرد: ۵۳۔ سلسلة الصحیحة: ۶۵۔

((اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ، ثُمَّ اُمُّكَ، ثُمَّ اَبُوكَ، ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ)) ①

''تمھاری ماں، پھر تمھاری ماں، پھر تمھاری ماں، پھر تمھارا باپ، پھر رشتہ داروں میں جو تم سے قریب ترین ہو پھر وہ جو اس سے قریب تر ہو۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

''اللہ تمھیں ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر ماؤں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر باپوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے، پھر قریب ترین رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہے۔'' ②

مسلمان کو رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے میں دو اجر ہیں۔ ایک رشتہ دار کا اجر، دوسرا صدقہ کا اجر۔ یہ چیز تقاضا کرتی ہے کہ اگر انھیں مال کی ضرورت ہو تو ان پر اپنا مال خرچ کرے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں اسے دو اجر ملیں گے۔ یہی چیز ہے جسے رسول کریم ﷺ نے پسندیدہ قرار دیا ہے اور اس کی طرف دعوت دی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی سیدنا زینب الثقفیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا:

((تَصَدَّقْنَ يَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ! وَلَوْ مِنْ حُلِيِّكُنَّ))

''اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کرو، خواہ اپنے زیورات ہی میں سے۔''

تو میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے پاس آئی اور ان سے کہا کہ ''آپ تنگ دست آدمی ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں صدقہ کا حکم دیا ہے۔ آپ جا کر پوچھ آیئے کہ اگر میں صدقہ آپ کو صدقہ دوں تو کیا یہ درست ہوگا؟ تا کہ اگر ایسا نہ

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب من أحق الناس...... الخ: ٥٩٧١۔ مسلم، کتاب البر و الصلة: باب بر الوالدین...... الخ: ٢٥٤٨۔

② احمد: ١٣٢/٤۔ ابن ماجه، کتاب الادب، باب بر الوالدین: ٣٦٦١۔

ہو تو میں کسی دوسرے کو دے دوں۔'' عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تم خود ہی چلی جاؤ'' میں گئی تو دیکھا کہ ایک انصاری عورت بھی رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر کھڑی ہے اور وہ بھی اسی لیے آئی تھی جس کے لیے میں۔ نبی ﷺ کی شخصیت بڑی بارعب اور پر ہیبت تھی (ہمارے دستک دینے پر) بلال رضی اللہ عنہ باہر نکلے۔ ہم نے ان سے کہا: ''رسول اللہ ﷺ کو جا کر بتلایئے کہ دو عورتیں دروازے پر کھڑی ہیں اور پوچھ رہی ہیں کہ اگر وہ صدقہ اپنے شوہروں کو دے دیں یا ان یتیم بچوں پر خرچ کریں جو ان کی گود (یعنی ان کی ولایت) میں ہوں تو کیا ایسا صدقہ صحیح ہے؟ آپ ﷺ کو یہ نہ بتلانا کہ ہم لوگ کون ہیں'' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور دریافت کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے پوچھا: ''وہ دونوں کون ہیں؟'' کہا: ''ایک انصاری عورت اور دوسری زینب ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: ''کون سی زینب؟'' کہا عبداللہ کی بیوی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَهَا اَجْرَانِ، اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَ اَجْرُ الصَّدَقَةِ»

''ان کے لیے دو اجر ہیں، ایک قرابت کا اور دوسرا صدقہ کا اجر۔''[1]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَ عَلَى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ : صَدَقَةٌ وَصِلَةٌ»[2]

''مسکین پر صدقہ کرنے کا تو ایک ثواب ہے، یعنی صرف صدقہ جبکہ رشتہ دار پر

---

1. بخاری، کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الزوج ...... الخ: ١٤٦٦۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقۃ والصدقۃ ...... الخ: ١٠٠٠۔
2. ترمذی، کتاب الزکاۃ، باب ماجاء فی الصدقۃ ...... الخ: ٦٥٨۔

صدقہ کرنے کا دوہرا ثواب ہے صدقہ کا اور صلہ رحمی کا۔"

رسول اللہ ﷺ ہر موقع پر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی فضیلت کو تاکید سے بیان کیا کرتے تھے چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ (آل عمران : ۹۲)

"تم ہرگز نیکی نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی عزیز چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔"

تو سیدنا ابوطلحہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ "تم نیکی حاصل نہیں کرسکتے جب تک کہ اپنی عزیز اور محبوب چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔" اور میرے نزدیک سب سے محبوب مال (کھجور کا باغ) بیرحا ہے میں اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کرتا ہوں اور اس کا ثواب اور اجر اللہ تعالیٰ سے پانے کی امید کرتا ہوں۔ اے اللہ کے رسول! اللہ آپ کو جہاں بتلائے وہاں اس کو خرچ کر دیجیے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«بَخٍ ، ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ ذٰلِكَ مَالٌ رَابِحٌ وَ قَدْ سَمِعْتُ مَا قُلْتَ وَ اِنِّیْ اَرٰی اَنْ تَجْعَلَهَا فِی الْاَقْرَبِیْنَ»

"بہت خوب! یہ نفع بخش مال ہے، یہ نفع بخش مال ہے۔ تم نے جو کچھ کہا ہے وہ میں نے سن لیا ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ تم اسے رشتہ داروں میں بانٹ دو۔"

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "ٹھیک ہے، اے اللہ کے رسول! میں ایسا ہی کروں گا۔" چنانچہ سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے رشتہ داروں اور چچا زاد بھائیوں میں تقسیم کر دیا۔"[1]

---

(1) بخاری ، کتاب الزکاۃ ، باب الزکاۃ علی الاقارب : ۱۴۶۱۔ مسلم ، کتاب الزکاۃ ، باب فضل النفقۃ...... الخ : ۹۹۸۔

رسول اللہ ﷺ نے زمانہ کے قلب میں گھس کر اور تاریخ کے پردے چاک کر کے اس رشتہ داری سے متعلق لوگوں کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کا حکم دیا ہے جو صدیوں سے چلا آرہا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے ایک حدیث میں مصری باشندوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا تھا، ارشاد فرمایا:

((اِنَّكُمْ سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ وَ هِيَ اَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ فَاِذَا فَتَحْتُمُوْهَا فَاَحْسِنُوْا اِلٰى اَهْلِهَا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَ رَحِمًا اَوْ قَالَ : ذِمَّةً وَ صِهْرًا)) [1]

"عنقریب تم مصر فتح کر لو گے اور وہ ایسی سرزمین ہے جہاں قیراط (ایک قسم کا پیمانہ) کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ جب اسے فتح کر لو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا۔" یا آپ ﷺ نے فرمایا: "کیونکہ ان سے تمھاری قرابت اور رشتہ ننھیال کا ہے۔"

علماء نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ اس میں اہل مصر سے جس قرابت کا تذکرہ ہے وہ یہ ہے کہ سیدہ ہاجرہ (سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی والدہ) ان میں سے ہیں اور "ننھیال کا رشتہ" سے اس طرف اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے سیدنا ابراہیم کی والدہ ام المومنین سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی اہل مصر سے تھیں۔

یہ وفا اور حسن سلوک کا کتنا عظیم مقام ہے!! اور کتنی بڑی انسانی فیاضی ہے کہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان دونوں معزز رشتوں سے پیدا ہونے والی نسلوں کو حسن سلوک میں شامل کیا گیا ہے۔

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر ایک متقی اور باشعور مسلمان اپنے رشتہ داروں اور عزیزوں پر پوری توجہ مبذول کرے۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے، ان سے تعلق

---

[1] مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب وصية النبي ﷺ بأهل مصر: ٢٥٤٣۔

استوار کرنے اور حسن سلوک سے پیش آنے میں دلفریب و شاداب موسم کی طرح متوجہ ہو اور ان کے ساتھ پوری سخاوت اور فیاضی کا معاملہ کرے۔

غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنا:

اسلام نے صرف مسلمان رشتہ داروں کے ساتھ ہی نیک برتاؤ اور حسن سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس نے اپنی سماحت و رواداری اور انسانیت میں بلند ہو کر غیر مسلم رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے کی وصیت کی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو علی الاعلان بغیر کسی اخفا کے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرما رہے تھے:

"قبیلہ بنی فلاں کے لوگ میرے دوست نہیں ہیں بلکہ میرا دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک لوگ ہیں لیکن ان سے رشتہ داری ہے جسے میں ترو تازہ رکھوں گا۔"[1]

جب آیت نازل ہوئی:

﴿ وَ اَنذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (الشعراء: ٢١٤)

"اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو ڈراؤ۔"

تو رسول اللہ ﷺ نے قریش کو بلایا، جب سب جمع ہو گئے تو آپ ﷺ نے تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

"اے بنی عبد شمس! اے بنی کعب بن لوی! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ، اے بنی عبد المطلب! اپنے آپ کو جہنم سے بچا لو، اور آخر میں فرمایا:

((يَا فَاطِمَةُ ! أَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَإِنِّيْ لَا أَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا غَيْرَ أَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَأَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا))

---

[1] بخاری، كتاب الأدب ، باب قبل الرحم ببلالها : ٥٩٩٠۔ مسلم ، كتاب الايمان ، باب موالاة المؤمنين ...... الخ : ٢١٥۔

اے فاطمہ! اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچا، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں میں آپ لوگوں کو کچھ نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ آپ لوگوں سے رشتہ داری ہے جسے میں شاداب اور تر وتازہ رکھوں گا۔''①

انسانی جذبہ کی سیرابی مسلمان کے دل سے منقطع نہیں ہوتی بلکہ نیکی، احسان اور حسن سلوک کی ایک موج رشتہ داروں کو بھی سیراب کر دیتی ہے خواہ ان کا دین اسلام کے علاوہ کوئی اور ہی کیوں نہ ہو اسی لیے رسول کریم ﷺ نے اس کی تعبیر اختیار فرمائی ہے:

''ہاں یہ ضرور ہے کہ میری آپ لوگوں سے رشتہ داری ہے جسے میں تر وتازہ رکھوں گا۔''

یہ عربی بلاغت کے بیش بہا شہ پاروں میں سے ہے کہ آپ ﷺ نے رشتہ کو زمین سے تشبیہ دی ہے جو صلہ رحمی سے سیراب ہوتی ہے اور جس میں محبت و اخلاق کی بار آوری ہوتی ہے۔ اس کے برعکس قطع رحمی سے وہ زمین سوکھ جاتی ہے اور اس میں بغض و نفرت اور بدسلوکی کے خاردار کانٹے اگ آتے ہیں۔ سچا مسلمان دوسرے سے محبت کرتا ہے اور دوسرے بھی اس سے محبت کرتے ہیں کیونکہ وہ اس میں مکارم اخلاق کو عملی پیراہن میں، زندہ اور چلتا پھرتا دیکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس میں کوئی حرج نہیں سمجھا کہ اس جوڑے کو جو رسول اللہ ﷺ نے انھیں بھیجا تھا، اپنی ماں کے رشتے سے ہونے والے مشرک بھائی کو ہدیہ کر دیں۔

اس سے پہلے ہم نے دیکھا تھا کہ اسلام نے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی رغبت دلائی ہے خواہ وہ مشرک ہوں اور یہاں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام رشتہ داروں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرنے اور اچھا برتاؤ کرنے پر اکساتا ہے خواہ وہ غیر مسلم ہوں۔ اس سے اس دین کی نرمی اور انسانیت پروری کی واضح دلیل قائم ہوتی ہے اور یہ اس دین میں کوئی نئی چیز نہیں،

① مسلم، کتاب الایمان، باب فی قوله الله تعالیٰ "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ": ۲۰۴۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ وَ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ﴾ (الانبیاء: ۱۰۷)

''اے نبی! ہم نے تمھیں دنیا والوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ))[1]

''میری بعثت کا مقصد یہ ہے کہ میں مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔''

صلہ رحمی کا وسیع مفہوم:

سچے اور دین کی تعلیمات کو سمجھنے والے مسلمان کے نزدیک صلہ رحمی صرف مال خرچ کرنے سے نہیں ہوتی بلکہ صلہ رحمی اس سے بہت زیادہ عام اور وسیع ہے۔ صلہ رحمی غریب رشتہ داروں پر مال خرچ کرنے سے ہوتی ہے، صلہ رحمی زیارتوں اور ملاقاتوں سے ہوتی ہے جس سے قرابت کے رشتے مضبوط ہوتے ہیں، محبت کے تعلقات پائیدار ہوتے ہیں اور باہم رحم و ہمدردی اور اخلاق و مودت میں اضافہ ہوتا ہے۔ صلہ رحمی آپس میں ایک دوسرے کی خیر خواہی، بھلائی، تعاون، ایثار و انصاف کے ذریعہ ہوتی ہے۔ صلہ رحمی، اچھی بات، خندہ پیشانی، شگفتہ ملاقات اور پر محبت مسکراہٹ سے ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ صلہ رحمی ان دیگر اعمال سے بھی ہوتی ہے جن سے دلوں میں محبت کے سوتے پھوٹتے ہیں اور عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ محبت و الفت، باہمی رحم و ہمدردی اور تعاون کے جذبات موجزن ہوتے ہیں۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشادات میں صلہ رحمی پر زور دیا ہے اور اس کے لیے ایسی شکلیں بتائی ہیں جن میں کوئی زحمت، پریشانی اور تکلیف نہیں، فرمایا:

---

[1] التمهيد لابن عبد البر، كتاب الكلام، باب ما جاء فى الصدق والكذب: ۳۷۴/۱۶۔ مسند احمد: ۳۸۱/۲۔

«بُلُّوا اَرْحَامَكُمْ وَ لَوْ بِالسَّلَامِ» ①

''اپنے رشتوں کو تروتازہ رکھو، خواہ سلام ہی کے ذریعے سے۔''

قطع تعلقی کے باوجود صلہ رحمی:

سچا مسلمان اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے خواہ وہ لوگ اس کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں کیونکہ وہ صلہ رحمی کے ذریعے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اور خود کو اسلامی اخلاق و آداب سے آراستہ و پیراستہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ صلہ رحمی کرتے ہوئے اس بات کی توقع نہیں رکھتا کہ اسے بھی ویسا ہی بدلہ دیا جائے اور اسی طرح اس کے ساتھ بھی صلہ رحمی کی جائے چنانچہ وہ ہمیشہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی ہی کرتا ہے، خواہ وہ لوگ اس کے ساتھ صلہ رحمی نہ کریں، اس طرح وہ اپنے بلند اسلامی اخلاق کے ذریعے ایک مثالی نمونہ پیش کرتا ہے اور یہ ثابت کرتا ہے کہ اسلام انسان کو ایسے سانچے میں ڈھالتا ہے جو اسے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں تمام احوال میں بلند کردار اور عظیم بنا دیتا ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ وَلٰكِنِ الْوَاصِلُ الَّذِىْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهُ وَصَلَهَا» ②

''صلہ رحمی کرنے والا وہ نہیں جو احسان کا بدلہ احسان سے ادا کرے بلکہ صلہ رحمی کرنے والا وہ ہے کہ جب اس سے قطع رحمی کی جائے تو وہ صلہ رحمی کرے۔''

جو شخص صلہ رحمی کرتا ہے مگر اس کے رشتہ دار اس کے بدلہ میں اس سے قطع رحمی، سختی اور بدسلوکی کا معاملہ اختیار کرتے ہیں، احادیث کے ذریعے اس شخص کے نفس میں حلم و بردباری، صبر، عفو اور سماحت و کرم کے اخلاق راسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور یہ بتلایا

---

① مسند بزار، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم: ۱۸۷۷۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب ليس الواصل ...... الخ: ۵۹۹۱۔

گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تائید اس شخص کے ساتھ ہوتی ہے جو صلہ رحمی کرتا ہے، مگر دوسرے اس کے ساتھ صلہ رحمی نہیں کرتے۔ اسی طرح اس گناہ کی بھیانک اور خوفناک تصویر کشی کی گئی ہے جو سختی برتنے والوں، احسان فراموش، ناشکرے اور قطع رحمی کرنے والوں کو ملتا ہے، مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! میرے کچھ رشتہ دار ہیں، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہوں لیکن وہ نہیں کرتے۔ میں ان کے ساتھ احسان کرتا ہوں لیکن وہ برائی اور بدسلوکی کرتے ہیں۔ میں حلم و بردباری سے کام لیتا ہوں لیکن وہ جہالت سے پیش آتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَئِنْ كُنْتَ كَمَا قُلْتَ فَكَأَنَّمَا تُسِفُّهُمُ الْمَلَّ وَ لَا يَزَالُ مَعَكَ مِنَ اللّٰهِ ظَهِيرٌ عَلَيْهِمْ مَا دُمْتَ عَلَى ذٰلِكَ» ①

''اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ تم نے بیان کیا تو گویا تم ان کو گرم راکھ کھلا رہے ہو اور تمھارے ساتھ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہے، وہ ان کی اذیت رسانیوں اور شر کو دفع کرنے والا ہے جب تک کہ تم اس صفت پر قائم رہو۔''

غور کرنے کا مقام ہے کہ صلہ رحمی کرنے والے اور رشتہ داروں کی جفا اور قطع رحمی کو برداشت کرنے والے مسلمان کو اللہ تعالیٰ کس طرح اپنی تائید مرحمت فرماتا ہے، اس کی مدد کرتا ہے، اس کی اذیتوں کے مقابلہ میں اس کے دل کو صبر سے بھر دیتا ہے اور اسے مسلسل شریف انسانی اخلاق اختیار کرنے پر قائم رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان نافرمان، جفا کرنے والے، بدسلوکی اور قطع رحمی کرنے والے لوگوں کو پہنچنے والے گناہ کی کیسی تشبیہ دی ہے کہ اس سے ان کو ویسے ہی تکلیف ہوگی جس طرح گرم راکھ کھانے والے کو پہنچتی ہے۔

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم ...... الخ : ٢٥٥٨۔

یہ جزا ان لوگوں کو اس لیے ملے گی کہ انھوں نے اس نیک اور احسان و محبت کا معاملہ کرنے والے مسلمان کے ساتھ تقصیر، بدسلوکی، جفا اور قطع رحمی کی تھی۔

ان واضح تعلیمات کو دیکھتے ہوئے سچا مسلمان ہر حال میں صلہ رحمی کرتا ہے، اس کے بدلہ میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتا ہے اور ان تمام جہالتوں، حماقتوں اور بدسلوکیوں کو خاطر میں نہیں لاتا جو وقتاً فوقتاً اس کے رشتہ داروں کی طرف سے ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اعراض کرتا ہے جنھیں پست درجے کے لوگ بہت اہم سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ایک متقی اور باشعور مسلمان اس سے بہت بلند ہوتا ہے کہ وہ ان جہالتوں، حماقتوں اور چھوٹی موٹی باتوں کی طرف توجہ کرے اور ان سے اس کے رشتہ داروں سے تعلقات میں خرابی اور کشیدگی آئے، وہ رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد اچھی طرح ذہن نشین رکھتا ہے:

« اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ : مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَهُ اللّٰهُ وَ مَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَهُ اللّٰهُ » [1]

"رشتہ داری عرش سے لٹکی ہوئی ہے، وہ کہتی ہے جو مجھے جوڑے گا اللہ تعالیٰ اسے جوڑے گا اور جو مجھے کاٹے گا اللہ تعالیٰ اسے کاٹے گا۔"

❀......❀......❀

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب صلة الرحم...... الخ: ٢٥٥٥۔

باب ہفتم

مسلمان کا تعلق اپنے پڑوسیوں کے ساتھ

دنیا میں عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جب بیٹے کو دنیا حاصل ہوتی ہے ، روزی کی بہتات ہوتی ہے ، اس کے خزانے مال و دولت سے پر ہو جاتے ہیں، بہت زیادہ کشادگی حاصل ہو جاتی ہے اور خوبصورت بیوی اسے اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے تو وہ اپنے والدین سے بے توجہی برتنے لگتا ہے، اپنے باپ کو اور جو کچھ اس نے اس پر خرچ کیا اور جو احسانات کیے تھے وہ سب بھول جاتا ہے، اس پر کچھ خرچ کرنے سے اپنا ہاتھ روک لیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوتا ہے۔

مسلمان کا تعلق اپنے پڑوسیوں کے ساتھ

ہوش مند اور باشعور مسلمان جو اپنے دین کے احکام کو اچھی طرح سمجھتا ہے، اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بہترین معاملہ کرتا ہے۔ ان کے ساتھ سب سے زیادہ نیک برتاؤ اور اچھا سلوک کرتا ہے اور مہربانی اور رحم وکرم کے ساتھ پیش آتا ہے۔

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کے متعلق اسلامی تعلیمات:

اس لیے کہ وہ پڑوسی کے سلسلہ میں اسلام کی بیش قیمت تعلیمات اور بے بہا وصیتوں کو اپنے ذہن میں ملحوظ رکھتا ہے اور اسلامی تعلقات کا مرتبہ جو اسلام نے عطا کیا ہے اسے پیش نظر رکھتا ہے۔ اسلام نے پڑوسی کو اتنا بلند مقام اور عالی مرتبہ عطا کیا ہے جتنا نہ اس سے پہلے کسی شریعت نے دیا اور نہ اس کے بعد ہی کوئی نظام اس کی ہمسری کر سکا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اعۡبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشۡرِكُوۡا بِهٖ شَيۡـًٔا وَّ بِالۡوَالِدَيۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡيَتٰمٰى وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ الۡجَارِ ذِى الۡقُرۡبٰى وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ وَ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُكُمۡ ﴾

(النساء:٣٦)

”اور تم سب اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور رشتہ دار پڑوسی سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے

ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمھارے قبضہ میں ہوں ، احسان کا معاملہ رکھو۔"

رشتہ دار پڑوسی سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ پڑوس کا تعلق ہونے کے ساتھ ساتھ نسب یا دین کا بھی رشتہ ہو اور اجنبی ہمسایہ سے مراد وہ شخص ہے جس کے ساتھ نسب یا دین کا رشتہ نہ ہو اور پہلو کے ساتھی سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کسی اچھے کام میں شریک اور ہمراہ ہو۔

معلوم ہوا کہ جو شخص بھی تمھارے پڑوس میں ہے تم پر اس کا حق جوار ہے۔ خواہ تمھارے اور اس کے درمیان کوئی نسب اور دین کا رشتہ نہ ہو۔ اس میں پڑوسی کی تکریم اور اس کا احترام ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اسلام کی انسانی اور تابناک شریعت نے پڑوسی کی کتنی عزت افزائی کی ہے۔

اسی طرح بے شمار احادیث رسول میں بھی بلا کسی تخصیص پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے خواہ اس سے قرابت اور دین کا کوئی تعلق ہو یا نہ ہو اور ان میں اسلام کے ہاں پڑوسی کے تعلق کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« مَا زَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِيْ بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُوَرِّثُهُ » [1]

"مجھے جبرئیل علیہ السلام برابر پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے کی وصیت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میں یہ گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا مستحق قرار دے دیں گے۔"

روح الامین سیدنا جبریل علیہ السلام کی زبان سے پڑوسی کو اسلام کتنے عالی اور باعزت مقام پر فائز کرتا ہے کہ سیدنا جبریل علیہ السلام رسول کریم ﷺ کے سامنے پڑوسی کے ساتھ تعلقات

---

[1] بخاری ، کتاب الادب : باب الوصاءة بالجار : ٦٠١٤ ـ مسلم ، کتاب البر و الصلة ، باب الوصية بالجار...... الخ : ٢٦٢٤ ـ

استوار کرنے پر اس قدر زور دیتے رہے اور اس کے ساتھ نیک برتاؤ کرنے کی اس قدر تاکید کرتے رہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گمان ہونے لگا کہ وہ اسے قرابت کے درجے تک پہنچا دیں گے اور رشتہ داروں کی طرح اسے بھی میراث میں حق دار ٹھہرا دیں گے۔

سیدنا جبریل علیہ السلام کی وصیت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ نے بھی پڑوسی کے ساتھ اکرام واحترام کا معاملہ کرنے اور حسن سلوک کا برتاؤ کرنے پر زور دیا ہے۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے اپنے تاریخی خطبہ میں پڑوسی کے بارے میں بھی وصیت فرمائی اور اس کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر زور دیا۔ آپ ﷺ نے صحابی جلیل سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ کو اس جانب متوجہ کیا، یہاں تک کہ وہ بھی یہ سمجھنے لگے کہ آپ اسے وراثت کا حق دار قرار دے دیں گے۔ سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ اپنی اونٹنی پر سوار تھے۔ اس حالت میں میں نے آپ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "(لوگو!) میں تمھیں پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں۔" آپ ﷺ نے یہ اتنی بار فرمایا اور اتنا زور دے کر فرمایا کہ میں سمجھنے لگا کہ آپ اسے وراثت میں حق دار قرار دے دیں گے۔" [1]

رسول کریم ﷺ نے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے اور اچھا برتاؤ کرنے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور اسے تکلیف نہ پہنچانے کو اللہ اور آخرت پر ایمان کی علامتوں میں سے ایک علامت اور اس کے بہترین نتائج میں سے ایک حتمی اور لازمی نتیجہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهِ وَ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

---

[1] ترمذی، کتاب البروالصلة، باب ماجاء فی حق الجوار: ۱۹۴۳۔ ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی حق الجوار: ۵۱۵۲۔ مسند احمد: ۵/۲۶۷۔

الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَسْكُتْ ›› ①

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کے کلمات زبان سے نکالے ورنہ خاموش رہے۔“

بخاری کی ایک روایت میں ہے:

‹‹ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلَا يُؤْذِ جَارَهُ ›› ②

”جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ پہنچائے۔“

پڑوسی کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا:

اس لیے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ سچا مسلمان جو اس دین کی تعلیمات سے اپنے دل اور عقل کو روشن کرتا ہے، وہ پڑوسی کے ساتھ نرم خو اور خوش خلق ہوتا ہے۔ رہن سہن میں بھلائی کے ساتھ پیش آتا اور معاملات میں نرمی برتتا ہے۔ اس کے پڑوسی کو اگر اس کے گھر سے کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو تو وہ اسے روکتا نہیں۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

‹‹ لَا يَمْنَعُ جَارٌ جَارَهُ أَنْ يَغْرِزَ خَشَبَةً فِي جِدَارِهِ ›› ③

”کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے منع نہ کرے۔“

---

① بخاری، کتاب الأدب: باب من كان يومن باللّٰہ ...... الخ: ٦٠١٨۔ مسلم، کتاب الایمان، باب الحث علی اکرام الجار...... الخ: ٤٨۔

② بخاری، ایضًا: ٦٠١٨۔ مسلم، ایضًا: ٤٧۔

③ بخاری، کتاب المظالم، باب لا یمنع جار جاره...... الخ: ٢٤٦٣۔ مسلم، کتاب المساقاة، باب غرز الخشبة...... الخ: ١٦٠٩۔

جو اپنے لیے پسند کرے وہی پڑوسی کے لیے پسند کرنا:

روشن بصیرت رکھنے والا اور اپنے دین کے نور سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان نرم دل، بیدار مغز، خوش اخلاق اور ذکی الحس ہوتا ہے۔ وہ اپنے پڑوسی کے احساسات میں شریک رہتا ہے۔ اس کی خوشی کو اپنی خوشی اور اس کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتا ہے۔ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اس کے لیے بھی پسند کرتا ہے اور رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد کو اپنے لیے مشعل راہ بناتا ہے:

«لَا یُؤْمِنُ أَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهِ» ①

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

جب بھی اس کے گھر سے کسی اچھی چیز کے پکنے یا بھننے کی خوشبو آتی ہے تو وہ اپنے غریب پڑوسیوں کو فراموش نہیں کرتا بلکہ ان کا بھی خیال رکھتا ہے۔ اس پر شاق گزرتا ہے کہ اس کی ہانڈی کی خوشبو یا کسی چیز کے بھننے کی خوشبو سے اس کے تنگدست پڑوسیوں کو تکلیف ہو، ان میں بھی لذیذ کھانے کی خواہش پیدا ہو اور وہ اپنی مفلسی اور تنگدستی کی بنا پر اس کے حصول پر قادر نہ ہوں، جبکہ بسا اوقات ان میں ناسمجھ بچے، مفلس، یتیم، مسکین بیوہ اور بے بس بوڑھے ہوتے ہیں چنانچہ سچا مسلمان ہمیشہ اجتماعی تعاون کی اس روح کو بیدار رکھتا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کے نفس میں جاگزیں کیا ہے۔ آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

«یَا أَبَا ذَرٍّ! إِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَأَکْثِرْ مَاءَهَا وَ تَعَاهَدْ جِیْرَانَكَ» ②

''اے ابوذر! جب تم شوربے والی کوئی چیز پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کر دو اور

---

① بخاری، کتاب الایمان، باب من الایمان أن یحب لاخیه ما یحب لنفسه: ۱۳۔

② مسلم، کتاب البر والصلة، باب الوصیة بالجار...... الخ: ۲۶۲۵۔

اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔''

دوسری روایت میں ہے:

((إِذَا طَبَخْتَ مَرَقًا فَأَكْثِرْ مَاءَهُ ثُمَّ انْظُرْ أَهْلَ بَيْتٍ مِنْ جِيرَتِكَ فَأَصِبْهُمْ مِنْهَا بِمَعْرُوفٍ)) ①

''جب تم کوئی شوربے والی چیز پکاؤ تو اس میں شوربا زیادہ کر دو پھر اپنے پڑوس میں رہنے والوں کو دیکھو اور اس میں سے انھیں بھلائی کے ساتھ دو۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

''اپنے پڑوسی کو اپنی ہانڈی کی خوشبو سے تکلیف نہ پہنچاؤ۔''

سچے مسلمان کا وجدان یہ برداشت نہیں کر سکتا اور اس کی حس یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا پڑوسی تو تنگی، فاقہ اور تنگدستی میں ہو اور وہ فراخی، خوش حالی اور عیش و آرام سے زندگی گزارے۔ آخر وہ اپنے اور اپنے پڑوسی کے درمیان اس دوری کو کیسے گوارا کر سکتا ہے جبکہ وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنتا ہے:

((مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَ جَارُهُ جَائِعٌ إِلَى جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ)) ②

''وہ شخص مجھ پر ایمان نہیں لایا جو سیر ہو کر سوئے اور اس کی بغل میں اس کا پڑوسی بھوکا ہو اور اسے معلوم بھی ہو۔''

ایک اور روایت میں ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَشْبَعُ وَ جَارُهُ جَائِعٌ)) ③

''وہ شخص مومن نہیں جو خود تو آسودہ ہو مگر اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔''

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب الوصية بالجار...... الخ: ٢٦٢٥۔

② طبراني في الكبير: ٧٥١۔ مسند أبي يعلى: ٢٦٩٩/٥۔

③ مسند بزار: ١١٩۔

زوالِ انسانیت کا باعث زوالِ اخلاق ہے:

اس بنا پر ہم سمجھ سکتے ہیں کہ آج انسانیت چہار جانب سے جس شقاوت اور بدبختی میں گھری ہوئی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ سچا مسلمان زندگی کے میدان سے غائب ہے، اسلام کے عدل پرور اصول و مبادی، خود ساختہ اور پسماندہ اصولوں کے ڈھیر کے پس پشت چھپ گئے ہیں۔ جس سے انسانیت کو اس فضائی دور اور راکٹوں اور مصنوعی سیاروں کے عہد میں فقر و فاقہ، تنگدستی و بدحالی، استحصال، بھوک اور ننگے پن کے سوا کچھ نہ مل سکا جبکہ انسان نے چاند پر بھی اپنی کمندیں ڈال دی ہیں۔ اس کی تصدیق اقوام متحدہ کے تحت بین الاقوامی تنظیم غذا و زراعت کے اس اعلان سے ہوتی ہے جو اس نے ۱۹۷۵ء میں کیا تھا کہ "افریقہ اور ایشیا میں گزشتہ چند سالوں میں ایسے لوگوں کی تعداد دو کروڑ سے لے کر دس کروڑ تک رہی ہے جو بھوک کی وجہ سے موت و زیست کی کشمکش سے دوچار تھے اور اگر صورت حال یہی رہی تو اندیشہ ہے کہ ہر ہفتے تین لاکھ انسان بھوک کی وجہ سے موت کا شکار ہوتے رہیں گے۔ اسی طرح اس وقت تقریباً ایک ارب چھیالیس کروڑ (۱,۴۶,۰۰,۰۰,۰۰۰) انسان ایسے ہیں جن کی اقتصادی حالت پراگندہ ہے اور وہ بدحالی کا شکار ہیں۔"

اسی سال خبر رساں ایجنسیوں نے ایک قصہ نقل کیا تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ ایک یورپی دوشیزہ نے افریقہ کے کسی علاقہ میں جہاں کے لوگ تنگدستی و بدحالی کا شکار تھے، اپنے آپ کو نرس کی خدمات کے لیے رضاکارانہ طور پر پیش کیا۔ وہاں کی حالت دیکھ کر وہ زبردست اعصابی گراوٹ میں مبتلا ہوگئی اور تقریباً مکمل جنون کی حد تک پہنچ گئی۔ اس نے ایک مرتبہ دیکھا کہ افریقہ کے بچے بھوک کو دور کرنے کے لیے "مانجو" پھل کا ایک ٹکڑا حاصل کرنے کے لیے آپس میں حیوانی اور وحشیانہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ آخر کار یہ لڑائی اس وقت رکی جب ایک بچے نے اپنے ساتھی کی ایک آنکھ پھوڑ دی جبکہ جو بچے آپس میں لڑ رہے تھے ان میں سب سے بڑے بچے کی عمر آٹھ سال سے زیادہ نہ تھی۔ غور کرنے کا مقام

ہے کہ بھوک کی بنا پر جسم میں وٹامن نہ ہونے کی وجہ سے نہ جانے کتنے لوگ مکمل طور پر نابینا ہو جاتے ہیں، ان کے جسم کمزور اور نحیف ہو جاتے ہیں اور بڑے بڑے ڈھانچوں کی شکل میں بدل جاتے ہیں جو امراض کا دفاع نہیں کر سکتے اور موت کے جبڑوں کے درمیان پھنسے رہتے ہیں۔

ٹھیک اسی زمانے میں جبکہ ایشیا اور افریقہ پر بھوک چھائی ہوئی ہے ہم دوسری دنیا یعنی مغربی دنیا اور مالداروں کی دنیا کے لوگوں کو دیکھتے ہیں جن کی تعداد پوری دنیا کے باشندوں کے مقابلہ میں صرف بیس فی صد ہے اور وہ عالمی دولت کے اسی فیصد حصے پر قابض ہیں، وہ دولت کی حفاظت جنون کی حد تک کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ۱۹۷۵ء میں برازیل نے ہزاروں ٹن "بن"، محض اس وجہ سے نذر آتش کر دیا تا کہ عالمی بھاؤ کا معیار برقرار رکھا جا سکے اور یورپی منڈی میں شریک ممالک نے اپنی ضرورت سے زائد غذائی اشیاء اور زرعی پیداوار کو برباد کرنے کے لیے پانچ کروڑ ڈالر خرچ کیے تا کہ وہ اپنے بھاؤ میں کمی نہ آنے دیں۔ اسی طرح امریکہ ہر سال پیداوار کو روکنے کے لیے تین ارب ڈالر خرچ کرتا ہے تا کہ اپنے بڑھے ہوئے بھاؤ کو باقی رکھے، اسی طرح امریکی کسان ہزاروں گایوں، بیلوں کو مار کر زمین میں دفن کر دیتے ہیں تا کہ گوشت کے بھاؤ کا معیار برقرار رکھ سکیں۔ یہ سب اس زمانے میں ہو رہا ہے جبکہ افریقہ، ایشیا اور جنوبی امریکہ میں لاکھوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔

یہ غور کرنے کا مقام ہے! کتنا زبردست فرق ہے اسلامی تہذیب میں جس نے انسان کے لیے یہ تک پسند نہیں کیا کہ اس کی ہانڈی کی خوشبو سے اس کے پڑوسی میں لذیذ کھانے کی خواہش بھڑکے اور اسے تکلیف ہو...... اور مغرب کی مادی تہذیب میں جس کی بدولت لاکھوں کروڑوں انسان بھوکوں مر رہے ہیں۔

مادی نظاموں کے پیچھے چل کر پریشان حال انسانیت کتنی بدبختی میں مبتلا ہو گئی ہے، مشرق و مغرب ہر طرف انسانیت کس بے بسی کے عالم میں دم توڑ رہی ہے اور جاہلیت کے

گھٹا ٹوپ اندھیرے میں بھٹک رہی ہے۔

مسلمان پر کتنی عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس نور کی مشعل کے حامل ہوں جو ایک مبارک درخت سے نکلتا ہے جو نہ شرقی ہے نہ غربی کیونکہ اسی سے جاہلیت کی تاریکیاں چھٹ سکتی ہیں اور صرف اسی کی روشنی سے عقل و دل منور ہو سکتے ہیں اور انسانیت رشد و ہدایت اور امن وسلامتی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

مسلمان کا پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا:

دین حنیف کی تعلیمات کو سمجھنے والا مسلمان حتی الامکان اپنے پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی طرف سبقت کرتا ہے اور اپنے پڑوسی کو کوئی قلیل چیز ہدیہ کرنے کو حقیر نہیں سمجھتا۔ جیسا کہ بعض جاہل سمجھتے ہیں اور اسے حقیر سمجھ کر اپنے پڑوسی کو دینے سے گریز کرتے ہیں چنانچہ خود بھی اجر سے محروم ہوتے ہیں اور اپنے پڑوسی کو بھی خیر سے محروم کرتے ہیں۔ اسی چیز کی طرف رسول اللہ ﷺ نے خاص طور پر عورتوں کو متنبہ کیا ہے، کیونکہ بیشتر اوقات وہی اپنی پڑوسنوں کو کوئی قلیل چیز ہدیہ کرنے سے شرماتی ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«يَا نِسَاءَ الْمُسْلِمَاتِ ! لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَ لَوْ فِرْسِنَ شَاةٍ» ①

”اے مسلمان عورتو! کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو کوئی قلیل شے دینے میں حقارت نہ محسوس کرے خواہ وہ بکری کا کھر ہی کیوں نہ ہو۔“

”کھر“ قلت سے کنایہ ہے یعنی کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو کوئی چیز ہدیہ کرے تو اسے حقیر نہ سمجھے خواہ وہ چیز تھوڑی اور معمولی ہی کیوں نہ ہو جیسے بکری کا کھر کیونکہ یہ نہ دینے سے تو اچھا ہی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

① بخاری ، كتاب الأدب ، باب لا تحقرن جارة لجارتها : ٦٠١٧۔ مسلم ، كتاب الزكاة ، باب الحث على الصدقة..... الخ : ١٠٣٠۔

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ﴾ (الزلزال: ٧)

”جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔“

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ)) ①

”جہنم کی آگ سے بچو، خواہ کھجور کے ایک ٹکڑے ہی کے ذریعے۔“

مذکورہ بالا حدیث کا سیاق عام ہونے کی وجہ سے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قلیل چیز کو حقیر سمجھنے سے اس پڑوسن کو روکا جا رہا ہے جسے چیز دی جائے۔ اس وقت حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ کوئی پڑوسن اس چیز کو حقیر نہ سمجھے جو اس کی پڑوسن نے اسے ہدیہ میں دی ہو خواہ وہ چیز قلیل اور معمولی ہی کیوں نہ ہو جیسے بکری کا کھر بلکہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اس کا شکریہ ادا کرے کیونکہ ہدیہ پر شکریہ ادا کرنے سے پڑوسیوں کے درمیان الفت بڑھتی ہے، محبت ومودت پروان چڑھتی ہے اور ان کی زندگی میں باہمی تعاون اور باہمی ہمدردی میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہدیہ پر شکریہ ادا کرنا اسلامی اخلاق میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی اور اس کی ترغیب دی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرِ النَّاسَ)) ②

”جو شخص لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔“

حسنِ سلوک میں مسلم وغیر مسلم میں عدم تفریق:

باشعور مسلمان حسن سلوک کو صرف قریبی یا مسلمان پڑوسی تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس سے تجاوز کر کے وہ غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرتا ہے، اس لیے

---

① بخاری، کتاب الزکاۃ، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة: ١٤١٧۔

② احمد: ٢١١/٥۔ الأدب المفرد: ٢، ١۔ الصحيحة: ٤١٦۔

کہ اسلام کی سماحت و فیاضی، ادیان اور فرقوں کے اختلاف سے بالا ہو کر تمام انسانوں کے لیے عام اور ان سب تک وسیع ہے چنانچہ صحابیٔ جلیل سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے یہاں جب بکری ذبح ہوتی تو وہ غلام سے پوچھتے: ''کیا ہمارے یہودی پڑوسی کو ہدیہ کر دیا ہے؟ کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

''جبریل مجھے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کی برابر وصیت کرتے رہے، یہاں تک کہ میں گمان کرنے لگا کہ وہ اسے وراثت کا حق دار قرار دے دیں گے۔''[1]

اسی لیے مسلمانوں کے پڑوس میں اہل کتاب امن وسکون اور اطمینان کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔ انھیں اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور اعتقادات کے بارے میں کسی طرح کا خوف نہیں ہوتا تھا اور وہ حسن ہمسائیگی، خوش معاملگی اور آزادیٔ عقیدہ سے لطف اندوز ہوتے تھے، اس کی شہادت ان گرجوں سے ہوتی ہے جو قدیم زمانے سے مسلم بستیوں میں قائم ہیں، ان کے اردگرد ہزاروں مسلمان آباد ہیں جو اپنے اہل کتاب پڑوسیوں کی حفاظت و حمایت کرتے تھے، ان کے ساتھ حسن سلوک اور عدل و انصاف کے ساتھ پیش آتے اور قرآن کی ان تعلیمات پر عمل کرتے تھے:

﴿ لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَ تُقْسِطُوْا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

(الممتحنة : ٨)

''اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے، اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

---

[1] ابو داوٗد، کتاب الأدب، باد في حق الجوار: ٥١٥٢۔ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في حق الجوار: ١٩٤٣۔

حسن سلوک میں قریبی پڑوسی کو مقدم رکھنا:

باشعور مسلمان کے ذہن میں یہ چیز رہتی ہے کہ اسلام نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ان کے درمیان دقیق ترتیب و تنظیم کا لحاظ رکھا ہے چنانچہ اس نے پڑوسیوں کے درمیان الفت ومحبت اور اتحاد و اتفاق برقرار رکھنے کے لیے دو قریبی اور ملے ہوئے پڑوسیوں سے تعلق کی نوعیت کی رعایت کرتے ہوئے اور ان کے درمیان عام طور پر پائی جانے والی رنجشوں کا لحاظ رکھتے ہوئے قریب ترین پڑوسی کو حسن سلوک میں مقدم رکھنے کا حکم دیا ہے چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے دو پڑوسی ہیں میں ان میں سے کس کو ہدیہ کروں؟"

فرمایا:

«اِلٰی اَقْرَبِهِمَا مِنْكِ بَابًا» ①

"دونوں میں اس سے جس کا دروازہ تیرے قریب ہو۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پڑوسیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں اس نبوی ارشاد کو ذہن میں رکھا چنانچہ وہ اپنے حسن سلوک اور احسان و اکرام میں دور کے پڑوسی کو قریب کے پڑوسی پر مقدم نہیں کرتے تھے، اسی سلسلہ میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"آدمی حسن سلوک میں دور کے پڑوسی کو قریب کے پڑوسی پر مقدم نہ کرے بلکہ قریب کے پڑوسی کو دور کے پڑوسی پر مقدم رکھے۔" ②

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرنے کے سلسلہ میں اس ترتیب کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو پڑوسی مسلمان کے گھر سے دور رہتے ہیں ان سے گردن موڑ لے اور صرف نظر کر لے کیونکہ جو بھی اس کے گھر کے حلقہ میں رہتا ہے وہ پڑوس کے رشتے میں داخل ہے اور

---

① بخاری، کتاب الهبة، باب فمن يبدء بالهدية: ٢٥٩٥۔

② الادب المفرد: ١١٠۔

حق ہمسائیگی رکھتا ہے، قریبی پڑوسی کو مقدم کرنے کی ترتیب محض تنظیمی ترتیب ہے جس میں رسول کریم ﷺ نے قریبی پڑوسی کی نفسیات کی رعایت کی ہے کیونکہ ان کے درمیان عام طور پر روابط، معاملات اور مستقل تعلقات رہتے ہیں، ورنہ پڑوس کا دائرہ اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں بنی فلاں کے محلہ میں رہنے لگا ہوں، وہاں جس کا گھر میرے گھر سے سب سے زیادہ قریب ہے وہی مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم کو بھیجا، وہ لوگ مسجد نبوی میں آئے، پھر اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر زور سے اعلان کیا:

''لوگو! جان لو کہ چالیس گھر تک پڑوس ہوتا ہے اور وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ و مامون نہ ہو۔''①

سچا مسلمان بہترین پڑوسی ہوتا ہے:

پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سچے مسلمان کی وجدان کی گہرائیوں میں پایا جانے والا ایک احساس اور ایک ایسا وصف ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی فائق کرتا ہے اور لوگوں کے درمیان بھی امتیازی شان عطا کرتا ہے۔ کیونکہ سچا اور باشعور مسلمان جس نے اسلام کے شفاف سرچشمے سے سیرابی اور آسودگی حاصل کی ہو اور اس کی روشن تعلیمات اس کے دل میں جاگزیں ہوگئی ہوں تو وہ ساتھیوں میں بہترین ساتھی اور پڑوسیوں میں بہترین پڑوسی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق:

((خَيْرُ الْأَصْحَابِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِصَاحِبِهِ وَ خَيْرُ الْجِيْرَانِ عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرُهُمْ لِجَارِهِ))②

---

① طبرانی فی الكبير: ۷۳/۱۹، رقم: ۱۴۳ ضعيف۔ الضعيفة: ۲۷۵۔

② ترمذی، كتاب البر و الصلة، باب ما جاء فی حق الجرار: ۱۹۴۴۔

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے ساتھی کے لیے بہتر ہو اور پڑوسیوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے پڑوسی کے لیے بہتر ہو۔"

اسلام نے نیک پڑوسی کو مسلمان کی سعادت قرار دیا ہے۔ اس کا پڑوس، پڑوسی کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک ہو، سعادت وخوش بختی، راحت و آسودگی، امن وسکون اور اطمینان کا باعث ہوتا ہے۔ نیک پڑوسی کی عزت وتکریم اور عظمت و رفعت کے لیے یہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسے مسلمان کی زندگی میں سعادت کا ایک رکن قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"مسلمان کی خوش بختی اور سعادت ان چیزوں میں ہے کہ اس کے پاس وسیع مکان، نیک پڑوسی اور آرام دہ سواری ہو۔"[1]

نیک پڑوسی کا اسلاف کے نزدیک اس قدر عظیم مقام تھا کہ اس کے پڑوس کو وہ عظیم نعمت سمجھتے تھے کہ جس کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی اور اسے ایسی دولت سمجھتے تھے جس کے برابر دنیا کا کوئی ساز و سامان نہیں ہو سکتا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے ایک لاکھ درہم میں اپنے گھر کا بھاؤ تاؤ کیا پھر خریدار سے کہا کہ "یہ تو گھر کی قیمت ہے، اب بتاؤ! سعید کا پڑوس کتنے میں خریدو گے؟ جب سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اسے قیمت بھیج دی اور اسے وہیں باقی رکھا۔

یہ ہے اسلام میں پڑوسی کا مقام! اور یہ ہے نیک اور مسلمان پڑوسی کا کردار! یہ تو نیک پڑوسی کا تابناک اور روشن کردار ہے، اب بد اخلاق اور بد کردار پڑوسی سے متعلق احادیث بھی ملاحظہ کرتے چلیے:

بد اخلاق پڑوسی کے بارے میں وعیدیں:

بد اخلاق پڑوسی کے بارے میں زبردست وعیدیں آئی ہیں۔ ایک ذکی الحس مسلمان

---

1. احمد: ١٦٨/١۔ مستدرك حاكم: ١٦٦/٤، ١٦٧۔

جن کا تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ وہ ان کو سن کر خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ اس پر رعب و دہشت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بد اخلاق پڑوسی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔

برا پڑوسی ایمان کی نعمت سے بے بہرہ:

برا پڑوسی ایمان کی نعمت سے عاری اور محروم ہوتا ہے۔ ایمان مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے اور اس زندگی میں تمام فضائل کی اصل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے پوری تاکید سے فرمایا ہے، جس میں کوئی رعایت یا نرمی نہیں کہ برا پڑوسی اس نعمت سے محروم رہتا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ ، قِيلَ : وَ مَنْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ قَالَ: الَّذِي لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ» ①

"اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں۔" پوچھا گیا: "اے اللہ کے رسول! کون شخص؟" فرمایا: "جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔"

مسلم کی روایت میں ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ لَا يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ» ②

"وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ ہو۔"

کتنا سنگین جرم ہے جس کا ارتکاب برا پڑوسی اپنے پڑوسی کے حق میں کرتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے چنانچہ یہ جرم اسے ایمان کی نعمت سے عاری کر دیتا ہے اور جنت میں داخلہ سے محروم کر دیتا ہے۔

---

① بخاری، كتاب الأدب ، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه : ٦٠١٦۔ مسلم كتاب الايمان، باب بيان تحريم إيذا الجار : ٤٦۔

② مسلم ، كتاب الايمان ، باب بيان تحريم ايذاء الجار : ٤٦۔

سچا، باشعور اور ہوش مند مسلمان ان نصوص کو کھلے دل اور بیدار ذہن کے ساتھ سنتا ہے، چنانچہ اس کے دل میں یہ خیال تک نہیں پھٹکتا کہ وہ کبھی اپنے کسی پڑوسی کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرے، بغض وعداوت رکھے اور مکر وفریب سے کام لے کیونکہ ایسا کرنے سے ایمان ضائع ہو جاتا ہے اور آخرت میں ہلاکت مقدر بن جاتی ہے۔ پھر کیا ایمان وآخرت کے خسارے سے بڑھ کر بھی کوئی خسارہ ہو سکتا ہے! یہ خیال آتے ہی متقی مسلمان کا دل لرزنے لگتا ہے۔ اس کے وجود پر رعشہ طاری ہو جاتا ہے اور اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

جب اعمال ضائع ہو جاتے ہیں:

پھر کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس کے بعد نصوص میں صراحت ہو کہ برے پڑوسی کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اپنے پڑوسی کو اذیت وتکلیف پہنچانے کی صورت میں اس کی کوئی اطاعت اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ اس کے نیک اعمال شرف قبولیت سے نہیں نوازے جاتے کیونکہ اسلام میں عمل صالح ہمیشہ ایمان کی بنیاد پر معتبر اور قابل قبول ہوتے ہیں۔ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا کہ برے پڑوسی کا ایمان معتبر نہیں چنانچہ یہ چیز بدیہی ہوئی کہ خواہ وہ کتنے ہی اعمال کر ڈالے مگر وہ قبول نہیں ہوں گے بلکہ اللہ تعالیٰ انھیں ضائع کر دے گا خواہ وہ ان میں رات دن لگا رہا ہو۔

نبی ﷺ کو لوگوں نے بتلایا کہ اے اللہ کے رسول! فلاں عورت رات میں نمازیں پڑھتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے، نیک اعمال کرتی ہے اور خوب صدقہ کرتی ہے مگر اپنی زبان درازی سے پڑوسیوں کو اذیت پہنچاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا خَيْرَ فِيهَا هِيَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ))

''اس میں کوئی خیر نہیں، وہ اہل جہنم میں سے ہے۔''

پھر لوگوں نے بتلایا کہ فلاں عورت صرف فرائض پڑھتی ہے، پنیر صدقہ کرتی ہے لیکن کسی کو اذیت نہیں پہنچاتی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«هِیَ مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ» ①

”وہ جنتیوں میں سے ہے۔“

برے پڑوسی کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جن کے بارے میں وعید سناتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”تین آدمیوں کے اعمال ضائع ہیں: ۱۔ وہ امام جس کے ساتھ احسان کا برتاؤ کرو تو شکریہ ادا نہیں کرتا اور غلطی سرزد ہو جائے تو معاف نہیں کرتا ۲۔ اور وہ پڑوسی جو اپنے پڑوسی میں کوئی خیر دیکھے تو خاموش رہے اور کوئی برائی دیکھے تو اس کا لوگوں میں چرچا کرے ۳۔ اور وہ بیوی جو شوہر کی موجودگی میں اسے تکلیف پہنچائے اور اس کی عدم موجوگی میں خیانت کرے۔“ ②

اس طرح متقی اور باشعور مسلمان کے خیال میں برے پڑوسی کی گھناؤنی تصویر نقش ہو جاتی ہے چنانچہ وہ اس سے بہت دور رہتا ہے۔

پڑوسی کے ساتھ کسی گناہ میں مبتلا ہونے سے بچنا:

سچا مسلمان خاص طور پر اپنے پڑوسی کے ساتھ کسی گناہ یا خطا کا ارتکاب کرنے سے بچتا ہے کیونکہ پڑوسی کے ساتھ کسی گناہ میں ملوث ہونا، دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بھیانک اور سنگین جرم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زنا کے بارے میں سوال کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”حرام ہے کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔“ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

”آدمی دس عورتوں کے ساتھ زنا کرے، یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ

---

① الأدب المفرد: ١١٩، صحيح ـ الصحيحة: ١٩٠ـ

② طبراني في الكبير: ٨٢٤ـ مسند احمد: ١٥١/٤ـ

اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔"

پھر آپ ﷺ نے ان سے چوری کے بارے میں دریافت فرمایا، انھوں نے عرض کیا کہ یہ حرام ہے، اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((لَأَنْ يَّسْرِقَ مِنْ عَشْرَةِ اَهْلِ أَبْيَاتٍ أَيْسَرُ عَلَيْهِ مِنْ أَنْ يَّسْرِقَ مِنْ بَيْتِ جَارِهِ)) ①

"آدمی دس گھروں سے چوری کر لے یہ آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے پڑوسی کے گھر سے چوری کرے۔"

اسلام میں پڑوسی کی عزت و آبرو محفوظ ہوتی ہے جبکہ دیگر قوانین اخلاق اور انسانی نظاموں میں اس کا کوئی تصور ہی نہیں بلکہ وہ خود ساختہ قوانین و شرائع پڑوسی کی عزت و آبرو سے کھیلنے کو آراستہ اور خوشنما بنا کر پیش کرتے ہیں کیونکہ عموماً پڑوسی کی آبرو اور عزت سے کھیلنا آسان اور سہل الحصول ہوتا ہے۔ اس میں زیادہ دقت اور دشواری نہیں ہوتی اور دوسروں کی آبرو سے کھیلنے کے مقابلہ میں اس کے مواقع زیادہ ہوتے ہیں۔ ہمارے درمیان ان سطحی نغموں اور غزلوں کو جن میں کھڑکی سے جھانک کر پڑوسی کے اوصاف بیان کیے جاتے ہیں، اسی وقت رواج حاصل ہوا ہے جب ہم مردانگی اور ایمان و اخلاق سے عاری ہوگئے، اندھی تقلید کے گھٹا ٹوپ بادل ہم پر چھا گئے اور فکری و تہذیبی تسلط کی موجوں نے ہمیں ڈھانپ لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے وقوف اور کم مایہ نوجوان اپنے پڑوسی کی بیوی سے تغزل اور عشق بازی کرنے لگا جبکہ اس کا تصور تو جاہلیت کے زمانے میں بھی نہیں تھا، چہ جائیکہ اسلام میں جاہلیت کا ایک عظیم اور غیرت مند شاعر کہتا ہے: ②

---

① مسند احمد: ٨/٦۔

② یہ شعر جاهلی شاعر عنترہ کا هے، دیوان عنترہ بتحقیق المولوی: ٣٠٨۔

وَ اَغُضُّ طَرُفِیَ مَا بَدَتُ لِیُ جَارَتِیُ
حَتّٰی یُوَارِیَ جَارَتِیُ مَأْوَاهَا

''جب مجھے میرے پڑوسی کی بیوی دکھائی دیتی ہے تو میں اپنی نگاہیں جھکا لیتا ہوں اور اس وقت تک جھکائے رکھتا ہوں جب تک کہ وہ اپنے گھر میں نہ پہنچ جائے۔''

اسلام نے اس پاکیزہ انسانی خصلت کو ہم میں پروان چڑھایا ہے۔ اس نے پڑوسی کا خیال رکھنے، اس کی آبرو کی حفاظت کرنے، اس کا شرف محفوظ رکھنے، اس کے عیوب چھپانے، اس کی ضرورتیں پوری کرنے، اس کے محارم سے نگاہیں نیچی رکھنے اور اسے شک میں مبتلا کرنے والی اور ناگوار خاطر چیزوں سے دور رہنے کے سلسلہ میں بے شمار نصوص پیش کی ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے کا حکم دیا ہے۔

اس لیے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں کہ برحق اور سچا مسلمان ہر جگہ اور ہر زمانے میں انسانی معاشروں میں بہترین پڑوسی کی حیثیت سے زندگی گزارتا ہے۔ بیدار ذہن اور روشن بصیرت رکھنے والے ذکی الحس اور پڑوسیوں کے سلسلہ میں دین کے اخلاق اور اس کی بلند معاشرتی تعلیمات و ارشادات کو یاد رکھنے والے مسلمان اور اس کے پڑوسیوں کے درمیان اگر کبھی لڑائی جھگڑے کی نوبت آجاتی ہے تو وہ اس کا ہزار بار حساب لگاتا ہے کیونکہ پڑوسیوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرنے سے رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ برابر اس کے کانوں میں گونجتی رہتی ہے:

«اَوَّلُ خَصُمَيُنِ يَوُمَ الُقِيَامَةِ جَارَانِ» [1]

''قیامت کے روز سب سے پہلے جو دو جھگڑا کرنے والے پیش کیے جائیں گے وہ دونوں پڑوسی ہوں گے۔''

---

1. طبرانی فی الکبیر: ۸۵۲۔ احمد: ۴/۱۵۱۔

پڑوسی سے خیر میں مومن کوتاہی نہیں کرتا:

راسخ الایمان مسلمان اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان اور خیر کا معاملہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔ وہ اس کے لیے حفاظت و رعایت، محبت و مودت، اکرام اور عزت افزائی کے دروازے کے دونوں پٹ کھلے رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ اپنی ذمہ داریاں سرانجام دینے میں کوتاہی نہیں کرتا اور ڈرتا ہے کہ کہیں رسول کریم ﷺ کا وہ فرمان اس پر صادق نہ آجائے جو آپ ﷺ نے ناشکرے، بخیل اور خیر و احسان کا معاملہ نہ کرنے والے پڑوسی کے بارے میں فرمایا ہے، ارشاد ہے:

"قیامت میں بہت سے پڑوسی ایسے ہوں گے جو اپنے پڑوسی کو پکڑیں گے اور کہیں گے: "اے رب! اس نے میرے لیے اپنا دروازہ بند رکھا اور خیر و احسان کا معاملہ کرنے سے باز رہا۔"[1]

قیامت میں بخیل اور احسان نہ کرنے والے پڑوسی کا کتنا برا ٹھکانا اور کیسی شرمندگی کا مقام ہوگا۔ اسلام کی نظر میں مسلمان ایک بلند و بالا، پرشکوہ اور مضبوط عمارت کی طرح ہیں۔ اس امت کے افراد کی اینٹیں ہیں، ضروری ہے کہ اس کی ہر اینٹ مضبوط اور پیوستہ ہو اور دوسری اینٹوں سے مضبوطی کے ساتھ جڑی ہوئی ہو تاکہ عمارت مستحکم، راسخ اور مضبوط ہو، ورنہ عمارت میں دراڑیں پڑ جائیں گی، وہ کمزور ہو جائے گی اور جلد ہی منہدم ہو جائے گی۔

اسلام نے اپنی اینٹوں کو اخوت باہمی کے مضبوط اور مستحکم تعلق سے پیوست رکھا ہے۔ جس سے اینٹوں میں استحکام، مضبوطی اور پائیداری باقی رہتی ہے اور مسلمانوں کی عمارت انتہائی مستحکم اور مضبوط رہتی ہے۔ اسے وقتاً فوقتاً پیش آنے والے واقعات متزلزل کر سکتے ہیں اور نہ زبردست آندھیاں اور بگولے ہی اس کی بنیادوں کو ہلا سکتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد میں مسلمانوں کے باہم اتحاد و اتفاق، تکافل و تعاون،

---

[1] الترغیب و الترھیب، کتاب البر و الصلة، باب الترغیب فی کفالة الیتیم ...... الخ: ۲۷۔

خیر خواہی اور مؤاسات کی کتنی دلکش اور حسین تمثیل ہے، ارشاد نبوی ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا» ①

''ایک مومن دوسرے مومن کے لیے مضبوط عمارت کی طرح ہے کہ بعض کو بعض سے مضبوطی اور استحکام حاصل ہوتا ہے۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

«مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَ تَرَاحُمِهِمْ وَ تَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَىٰ مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى» ②

''باہمی محبت و مودت، لطف و کرم اور رحم و ہمدردی میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی سی ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا بدن بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔''

جو دین امت کے افراد کو اس حیرت انگیز حد تک باہم دگر متحد اور ایک دوسرے سے پیوست رکھتا ہے اس کے لیے یہ بدیہی ہے کہ وہ پڑوسیوں کے مابین بھی تعلقات کو مستحکم رکھے اور انھیں مودت و محبت، نیکی و احسان، تکافل و تعاون اور خوش معاملگی کی مضبوط اور راسخ بنیادوں پر قائم کرے۔

پڑوسی کی لغزشوں اور اذیتوں پر صبر کرنا:

ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے دین کی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان اپنے پڑوسی کی نازیبا حرکتوں اور تکلیفوں پر صبر سے کام لیتا ہے۔ اگر اس سے کوئی کمزوری سرزد ہوتی ہے تو بھڑک نہیں اٹھتا۔ اسی طرح اگر اس کے پڑوسی سے

---

① بخاری، کتاب الأدب ، باب تعاون المومن ...... الخ: ٦٠٢٦۔

② مسلم ، کتاب البر و الصلة ، باب تراحم المؤمنين و تعاطفهم وتعاضدهم: ٢٥٨٦۔
بخاری ، کتاب الأدب ، باب رحمة الناس والبهائم: ٦٠١١۔

کوئی لغزش ہو جاتی ہے یا وہ کسی تقصیر میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس پر اس کی گرفت نہیں کرتا بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ثواب کی امید رکھتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کا عفو اور معافی اللہ تعالیٰ کے ہاں ضائع نہیں ہوگی بلکہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی حاصل ہوگی۔ اس کی تصدیق سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے ہوتی ہے کہ جب ان سے سیدنا مطرف بن عبداللہ کی ملاقات ہوئی تو انھوں نے کہا: ''اے ابو ذر! مجھے آپ کی بیان کردہ یہ حدیث معلوم ہوئی تھی اور میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔'' فرمایا: ''لو ملاقات تو ہو گئی۔'' انھوں نے عرض کیا مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے یہ فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ تین لوگوں سے محبت کرتا ہے اور تین لوگوں سے نفرت کرتا ہے۔'' سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''میں نہیں سمجھتا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھ رہا ہوں۔'' سیدنا مطرف فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: ''وہ تین لوگ کون ہیں جن سے اللہ عزوجل محبت کرتا ہے۔'' فرمایا:

«رَجُلٌ غَزَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ صَابِرًا مُحْتَسِبًا فَقَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ»

''ایک وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صبر کرتے اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے جہاد کرے اور لڑتے لڑتے شہید ہو جائے۔''

یہ چیز تو کتاب اللہ سے بھی معلوم ہوتی ہے۔ پھر یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ﴾ (الصف: ٤)

''اللہ تعالیٰ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کی راہ میں اس طرح صف بستہ ہو کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

میں نے عرض کیا: ''اور کون؟'' فرمایا:

«رَجُلٌ كَانَ لَهُ جَارُ سُوْءٍ يُؤْذِيهِ فَصَبَرَ عَلٰى أَذَاهُ حَتّٰى يَكْفِيَهُ اللّٰهُ إِيَّاهُ

بِحَيَاةٍ اَوْ مَوْتٍ» ①

''دوسرا شخص جس کا پڑوسی بد اخلاق ہو اور اسے اذیتیں پہنچاتا رہتا ہو مگر وہ اس کی اذیتوں پر صبر کرے، یہاں تک کہ اسے موت آ جائے ......الخ۔''

پڑوسی کی برائی کا اچھائی سے جواب دینا:

اس دین کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے کہ کوئی شخص پڑوسی کی برائی کا جواب برائی سے نہ دے بلکہ اس کی اذیتوں پر جس حد تک صبر کر سکتا ہو کرے۔ یہاں تک کہ وہ اس سے باز آ جائے اور تکلیفیں پہنچانا بند کر دے۔ وہ جب اپنے پڑوسی کو دیکھے تو اس کی برائی کا جواب اس جیسی برائی سے نہ دے بلکہ صبر کرے حلم و بردباری سے کام لے اور خوش معاملگی سے پیش آئے اور اللہ کی قسم! یہ بلند ترین اخلاق اور پاکیزہ سیرت کا نمونہ ہے اور دلوں سے برائی کی بیخ کنی کرنے کے سلسلہ میں تربیت کا بہترین نفسیاتی اسلوب ہے۔

سیدنا محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہما نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''مجھے میرے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے'' فرمایا: ''صبر کرو۔'' وہ دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''مجھے میرے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''صبر کرو۔'' پھر وہ تیسری مرتبہ حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''مجھے میرے پڑوسی نے تکلیف پہنچائی ہے۔'' تب آپ ﷺ نے فرمایا:

''اپنا سامان لے جا کر راستے میں ڈال دو اور جب کوئی شخص وہاں سے گزرے تو اس سے کہو کہ میرے پڑوسی نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔ اس طرح تمھارے پڑوسی پر لوگوں کی لعنت پڑے گی ...... اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے۔'' ②

---

① احمد: ۱۸۶/۵۔ طبرانی فی الکبیر: ۱۶۳۷/۲۔

② ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی حق الجوار: ۵۱۵۳۔

پڑوسی کے حقوق کی پہچان رکھنا:

سچا مسلمان ہر لحہ اپنے پڑوسی کے حقوق پہچانتا ہے، مصائب و مشکلات میں اس کی مدد کرتا ہے، اس کی خوش حالی میں خوشی و مسرت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے رنج وغم اور خوشی وسرور میں شریک ہوتا ہے۔ اگر اس کا پڑوسی ضرورت مند محتاج ہو تو اس کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور اس کی ضرورتیں پوری کرتا ہے۔ اگر اسے کوئی بیماری لاحق ہو جائے تو اس کی عیادت کرتا ہے، اس کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرتا ہے اور وقت ضرورت اس کے کام آتا ہے۔ اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شریک ہوتا اور اس کے گھر والوں کو دلاسہ دیتا ہے۔ اپنے خاندان کے احساسات کا لحاظ رکھتا ہے اور ان چیزوں سے احتراز کرتا ہے جن سے احساس مجروح ہو یا کسی بھی حیثیت سے اسے ٹھیس لگے۔ حدیث میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ سے مروی ہے کہ کسی نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا: ''مجھ پر میرے پڑوسی کے کیا حقوق ہیں؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اگر وہ بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو، اگر اس کا انتقال ہو جائے تو اس کے جنازے میں شرکت کرو، جب تم سے قرض مانگے تو اسے قرض دو اور جب کسی چیز کا ضرورت مند ہو تو اس کی ضرورت پوری کرو، جب اسے کوئی خیر حاصل ہو تو اسے تہنیت پیش کرو اور جب اس پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس کی تعزیت کرو۔ بغیر اس کی اجازت کے اپنی عمارت اونچی نہ کرو کہ اس کی ہوا رک جائے۔ اپنی ہانڈی کی خوشبو سے اسے تکلیف نہ پہنچاؤ الا یہ کہ اس میں سے اسے بھی کچھ دے دو۔ اگر کبھی پھل خریدو تو اسے بھی ہدیہ کرو۔ اگر ایسا کرنے کی حالت میں نہیں ہو تو خاموشی سے گھر لے جاؤ اور احتیاط کرو کہ تمھارا بچہ اسے لے کر باہر نہ نکلے کہ اس کے بچے بھی اس کی ضد کرنے لگیں۔''[1]

---

(1) طبرانی فی الکبیر: ۹/۱۰۱۴۔

یہ ہے پڑوسی کے بارے میں اسلام کا نقطہ نظر اور یہ ہیں اس کے بارے میں اسلام کی روشن اور عظیم تعلیمات جن پر عمل کرنے کا اسلام ہر اس مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے جو اسلام کی حقیقت کو سمجھتا ہو، اس سے پوری رہنمائی حاصل کرتا ہو اور اس کے احکام و تعلیمات کو اپنے اوپر اور اپنے خاندان پر منطبق کرنا چاہتا ہو۔

پھر کیا اس کے بعد بھی اس میں تعجب ہو سکتا ہے کہ بہترین مسلمان سچا پڑوسی ہو۔ ایسا پڑوسی جس کا کردار انسانی معاشروں میں سب سے افضل، سب سے اعلیٰ اور سب سے نمایاں ہو؟

باب ہشتم

مسلمان کا تعلق اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ

نیک پڑوسی کا اسلاف کے نزدیک اس قدر عظیم مقام تھا کہ اس کے پڑوس کو وہ عظیم نعمت سمجھتے تھے کہ جس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی اور اسے ایسی دولت سمجھتے تھے جس کے برابر دنیا کا کوئی سازو سامان نہیں ہو سکتا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ سیدنا سعید بن العاص رضی اللہ عنہ کے پڑوسی نے ایک لاکھ درہم میں اپنے گھر کا بھاؤ تاؤ کیا پھر خریدار سے کہا کہ ”یہ تو گھر کی قیمت ہے، اب بتاؤ! سعید کا پڑوس کتنے میں خریدو گے؟ جب سیدنا سعید رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے اسے قیمت بھیج دی اور اسے وہیں باقی رکھا۔

مسلمان کا تعلق اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ

دوستی اور محبت صرف اللہ کے لیے:

سچے مسلمان کا ایک نمایاں وصف یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے اعلیٰ محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت ہر منفعت سے بلند، ہر غرض سے بالا اور ہر شائبہ سے پاک، بھائی چارہ اور سچائی کی بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے۔ اس کی پاکیزگی اور صفائی ستھرائی مشکوٰۃ وحی اور نبوی تعلیمات سے مستفید ہوتی ہے۔ اسی بنا پر انسانی تعلقات میں اس کی حیثیت منفرد اور یکتا ہوتی ہے اور معاملات کی تاریخ میں، مسلمان کے کردار پر اس کے اثرات ہمہ گیر اور بے مثل ہوتے ہیں۔

مسلمان اپنے بھائی سے جس تعلق سے مربوط ہوتا ہے خواہ وہ کسی بھی قوم کا ہو، کیسی بھی رنگت رکھتا، اور کوئی بھی زبان بولتا ہو، وہ ایمان باللہ کا تعلق ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات : ١٠)

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔''

ایمان اخوت اور نفوس کے روابط میں سب سے مضبوط رابطہ، دلوں کے تعلقات میں سب سے مستحکم تعلق، عقلوں اور ارواح کے رشتوں میں سب سے قوی رشتہ ہے۔

اس لیے اس میں کوئی تعجب نہیں کہ یہ بے مثل اخوت، محبت کا ایک ایسا طریقہ وجود

میں لاتی ہے جو اپنی بلندی، عظمت، گہرائی و گیرائی اور دوام میں منفرد نوعیت کا حامل ہوتا ہے۔ جسے اسلام ''اللہ کے لیے محبت'' کا نام دیتا ہے اور ایسی ہی محبت میں سچا مسلمان ایمان کی حلاوت محسوس کرتا ہے، ارشاد نبوی ہے:

«ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِيمَانِ: اَنْ يَّكُونَ اللّٰهُ وَ رَسُولُهُ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَ اَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهُ اِلَّا لِلّٰهِ وَ اَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُودَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ»[1]

''تین باتیں جس شخص کے اندر پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا:

۱۔ یہ کہ اللہ اور اس کا رسول باقی سب سے زیادہ محبوب ہو۔

۲۔ یہ کہ آدمی کسی سے محبت کرے تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے۔

۳۔ یہ کہ ہدایت پانے کے بعد کفر میں لوٹ جانا اسے اتنا ہی ناپسند ید ہو جتنا کہ آگ میں ڈال دیا جانا۔''

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں کا مقام:

اس سلسلہ میں بے شمار احادیث مروی ہیں جو محض اللہ تعالیٰ کے لیے آپس میں محبت کرنے والوں کا مقام بلند کرتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت میں جو عالیشان جگہ تیار کر رکھی ہے اس کی تصویر کشی کرتی ہیں اور قیامت کے دن جب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے اس وقت اللہ تعالیٰ انھیں جو عظیم شرف و مرتبہ مرحمت فرمائے گا، اس کو بیان کرتی ہیں۔ ان احادیث میں ایک حدیث وہ ہے جس میں ان سات لوگوں کا تذکرہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا جبکہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ وہ یہ لوگ ہوں گے:

---

[1] بخاری، كتاب الإيمان، باب حلاوة الإيمان: ١٦ ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان خصال من اتصف بهنّ وجد حلاوة الإيمان: ٤٣ ـ

«اِمَامٌ عَادِلٌ ، وَ شَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰہِ وَ رَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِی الْمَسْجِدِ وَ رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَ تَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَ رَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَ جَمَالٍ فَقَالَ : اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ وَ رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهُ وَ رَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ» ①

’’انصاف پرور امام اور وہ نوجوان جس نے اللہ عزوجل کی عبادت میں پرورش پائی ہو اور وہ شخص جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے اور وہ دو اشخاص جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے باہم محبت کریں صرف اسی کی رضا کے لیے جمع ہوں اور اسی کی رضا کے لیے جدا ہوں اور وہ شخص جس کو کوئی اونچے خاندان والی اور حسین وجمیل عورت معصیت کی طرف بلائے تو وہ کہہ دے کہ ’’میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں‘‘ اور وہ شخص جو صدقہ کرے تو اس حد تک چھپا کر کرے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو خبر نہ ہو کہ اس نے داہنے ہاتھ سے کیا خرچ کیا ہے اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں۔‘‘

یہ صریح نص اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں کو ان سات منتخب اور برگزیدہ لوگوں کے زمرہ میں شامل کرتی ہے جن کو اللہ تعالیٰ اپنے سایہ میں رکھے گا اور ان پر اپنے رحم و کرم، احسانات اور نعمتوں کی بارش کرے گا۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اس میں ان لوگوں کے لیے کتنی تکریم اور کیسی عزت افزائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے والوں کے شرف و اکرام کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن میدان حشر میں ان کی طرف توجہ کرے گا اور فرمائے گا:

---

① مسلم کتاب الزکاۃ، باب فضل اخفاء الصدقة : ۱۰۳۱۔ بخاری، کتاب الأذان، باب من جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ و فضل المساجد : ٦٦٠۔

((اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ؟ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ)) [1]

''کہاں ہیں میری عظمت کی وجہ سے باہم محبت کرنے والے؟ آج میں ان کو اپنے سایہ میں پناہ دوں گا جبکہ آج میرے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہیں۔''

کتنا عظیم شرف ہے اور کتنا اچھا بدلہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے سچے دل سے باہم محبت کرنے والوں کو ملے گا جس دن کی شدت ہول اور کرب سے لوگوں کا برا حال ہوگا۔

ایسا اس لیے ہوگا کہ مصالح، مفادات، منافع اور شہوتوں سے بھری دنیا میں کسی دوسری چیز کے بجائے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ایسا دشوار اور مشکل مقام ہے کہ جہاں تک رسائی حاصل کرنا صرف انھی لوگوں کے بس کی بات ہے جن کے نفوس پاکیزہ اور ارواح بلند ہوں، جن کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے مقابلہ میں دنیا کی کوئی حیثیت اور قدرو قیمت نہ ہو۔ اس لیے کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آخرت میں ایسے عظیم مرتبہ اور ایسی نعمتوں سے نوازے گا جو دنیا میں ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق اور دنیا کے عیش و آرام اور چند روزہ لذتوں سے اعراض کی جزا میں ہوں گی۔

اس کی توثیق سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِیْ جَلَالِیْ لَھُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَغْبِطُھُمُ النَّبِیُّوْنَ وَالشُّھَدَاءُ)) [2]

''میری خوشنودی کی وجہ سے باہم محبت کرنے والوں کے لیے نور کے ایسے منبر

---

1. مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل حب فی اللہ تعالی: ٢٥٦٦۔
2. ترمذی، کتاب الزھد، باب ما جاء فی الحب فی اللہ: ٢٣٩٠۔

ہوں گے جن پر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے۔"

یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ باہم محبت کرنے والوں کو اس سے بھی بلند مرتبہ اور اس نعمت سے بھی بڑی نعمت عطا فرماتا ہے۔ وہ انھیں اپنی محبت سے سرفراز کرتا ہے۔ ایسی بیش بہا محبت جس کے حصول کے لیے جانوں کی سوغات پیش کرنی پڑتی ہے اور حسین تمناؤں کا خون کرنا پڑتا ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک شخص اپنے کسی بھائی سے ملاقات کرنے کے لیے دوسرے گاؤں جا رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ مقرر کر دیا۔ جب وہ شخص فرشتے کے پاس پہنچا تو فرشتے نے اس سے پوچھا: "کہاں کا ارادہ ہے؟" اس نے جواب دیا: "اس بستی میں میرا ایک بھائی ہے، اس سے ملنے جا رہا ہوں" فرشتے نے کہا: "کیا تم پر اس کا کوئی احسان ہے کہ جسے نبھا رہے ہو؟" اس نے کہا: "نہیں مجھے اس سے کوئی غرض نہیں بلکہ مجھے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت ہے۔" فرشتے نے کہا:

«فَإِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ إِلَيْكَ بِأَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَحَبَّكَ كَمَا أَحْبَبْتَهُ فِيْهِ» ①

"میں اللہ تعالیٰ کا قاصد ہوں اور یہ بتلانے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے اسی طرح محبت کی ہے جس طرح تم نے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اس بھائی سے محبت کی۔"

محبت کا کتنا عظیم مقام ہے کہ انسان اس کی بدولت ایسے مرتبہ سے سرفراز ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرنے لگتا اور اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان کو مزید بلند اور تابناک مقام عطا کرتے ہیں، ارشاد ہے:

«مَا تَحَابَّ الرَّجُلَانِ إِلَّا كَانَ أَفْضَلُهُمَا أَشَدُّهُمَا حُبًّا لِصَاحِبِهِ» ②

---

① مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الحب في الله تعالى: ٢٥٦٧۔

② الأدب المفرد: ٥٤٤۔

''باہم محبت کرنے والے دو اشخاص میں سے افضل وہ ہے جو اپنے بھائی سے زیادہ محبت کرے۔''

اسلامی معاشرہ میں محبت و الفت کو عام کرنے کے لیے آپ ﷺ صرف اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ حکم دیتے ہیں کہ جب مسلمان اپنے کسی بھائی سے محبت کرے تو اسے بتلا دے کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

«إِذَا أَحَبَّ الرَّجُلُ أَخَاهُ فَلْيُخْبِرْهُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ» ①

''جب آدمی اپنے کسی بھائی سے محبت کرے تو اسے بتلا دینا چاہیے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

رسول کریم ﷺ کو پوری طرح احساس تھا کہ معاشروں اور قوموں کی تعمیر میں اس پاکیزہ اور زبردست محبت کے کتنے گہرے اثرات ہوتے ہیں، اسی لیے آپ ﷺ ہر موقع پر مسلمانوں کو باہم محبت کرنے کی دعوت دیتے تھے انھیں حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنی محبت کا اعلان کریں۔ جن سے وہ محبت کرتے ہیں انھیں اپنی محبت کے بارے میں بتلا دیں تاکہ دلوں کے دروازے کھل جائیں اور لوگوں کے درمیان محبت و مودت اور اخلاص عام ہو۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک صحابی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے، وہاں سے ایک دوسرے صاحب گزرے۔ آپ ﷺ کے پاس موجود صاحب نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں ان سے محبت کرتا ہوں۔'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''کیا ان کو بتلا دیا ہے؟'' عرض کیا: ''نہیں۔'' فرمایا: ''انھیں بتلا دو۔'' چنانچہ وہ ان کے پاس گئے اور ان کو بتلا دیا:

«إِنِّي أُحِبُّكَ فِي اللهِ»

---

① ابو داؤد، کتاب الادب، باب الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ: ٥١٢٤۔ ترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی اعلام الحب: ٢٣٩١۔

''میں آپ سے صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتا ہوں۔''

انھوں نے کہا:

((اَحَبَّكَ الَّذِیُ اَحُبَبُتَنِیُ لَهُ)) ①

''وہ ذات بھی آپ سے محبت کرے، جس کی رضا کے لیے آپ نے مجھ سے محبت کی۔''

رسول اللہ ﷺ ایسا خود بھی کرتے اور اس طرح مسلمانوں کے سامنے عملی نمونہ پیش کرتے اور انھیں تعلیم دیتے کہ محبت و الفت اور مواخات اور بھائی چارے کا معاشرہ کس طرح قائم کیا جا سکتا ہے؟ حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

((یَا مُعَاذُ ! وَاللّٰهِ ! اِنِّی لَأُحِبُّكَ فَقَالَ اُوُصِیُكَ یَا مُعَاذُ ! لَا تَدَعَنَّ فِیُ دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ تَقُوُلُ اللّٰهُمَّ ! اَعِنِّیُ عَلٰی ذِكُرِكَ وَ شُكُرِكَ وَ حُسُنِ عِبَادَتِكَ)) ②

''اے معاذ! اللہ کی قسم! مجھے تم سے محبت ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں تمھیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ ضرور کہہ لیا کرو: ''اے اللہ! میری مدد کر اپنے ذکر پر، اپنے شکر پر اور اپنی اچھی عبادت پر۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے درمیان اس پاکیزہ محبت کی خوشبو پھیلانے اور دنیا کو اس سے معطر کرنے کے لیے مختلف اسلامی ملکوں میں گئے۔ آپ لوگوں کے سامنے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہوئی احادیث بیان کرتے جن میں باہم محبت کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر و ثواب کا تذکرہ ہوتا۔ اس کا سب سے بڑا بدلہ تو یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہوتی ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی ''موطا'' میں صحیح سند سے سیدنا

---

① ابو داوُد، کتاب الأدب، باب الرجل یحب الرجل علی خیر یراہ: ٥١٢٥۔

② ابو داوُد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار: ١٥٢٢۔

ابوادریس الخولانی سے روایت کیا ہے:

''میں دمشق کی مسجد میں داخل ہوا تو وہاں ایک چمکدار دانتوں والے نوجوان کو دیکھا کہ اس کے گرد لوگ جمع تھے۔ جب کسی بات پر ان میں اختلاف ہوتا تو سب اس کی طرف رجوع کرتے اور اسی کی رائے پر فیصلہ کرتے۔ میں نے اس کے بارے میں دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں۔ دوسرے دن دوپہر کو میں بہت سویرے پہنچا تو دیکھا کہ وہ مجھ سے پہلے موجود تھے اور نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے انتظار کیا یہاں تک کہ جب انھوں نے نماز پوری کر لی تو میں نے انھیں سلام کے بعد عرض کیا: ''اللہ کی قسم! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔'' انھوں نے کہا: ''سچ؟'' میں نے عرض کیا: ''ہاں بالکل سچ؟'' انھوں نے پھر کہا: ''سچ؟'' میں نے عرض کیا: ''سچ'' تو انھوں نے میری چادر کا کونا پکڑ کر مجھے اپنی طرف کھینچا اور فرمایا: ''بشارت قبول کرو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((وَجَبَتْ مَحَبَّتِی لِلْمُتَحَابِّیْنَ فِیَّ وَالْمُجَالِسِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَزَاوِرِیْنَ فِیَّ وَالْمُتَبَاذِلِیْنَ فِیَّ)) [1]

''میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہو گئی جو میرے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ میرے ہی لیے ایک دوسرے کے پاس بیٹھتے ہیں اور میرے ہی لیے ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے جاتے ہیں اور میری ہی رضا کی خاطر ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔''

محبت لوجہ اللہ کے زندگی میں اثرات:

ایک دوسری حدیث میں رسول کریم ﷺ بہت زور دے کر فرماتے ہیں کہ مومنوں کے

---

[1] موطأ امام مالك، كتاب الشعر، باب ما جاء فى المتحابين فى الله : ١٦۔

درمیان باہم محبت ایمان کی شرائط میں سے ایک اہم شرط ہے۔ جس کی بنا پر جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ! لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰی تُؤْمِنُوْا وَ لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا اَوَ لَا اَدُلُّكُمْ عَلٰی شَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ اَفْشُوْا السَّلَامَ بَیْنَكُمْ)) ①

''اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! تم لوگ اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرنے لگو۔ کیا میں تم کو ایسی بات نہ بتلادوں کہ اگر اس پر عمل کرو تو تم لوگوں میں باہمی محبت پیدا ہو جائے۔ وہ یہ ہے کہ اپنے درمیان سلام پھیلاؤ۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ژرف نگاہ سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ سینوں سے حسد و کینہ کی کدورتوں اور دلوں سے بغض و حسد اور تنافس کی گندگیوں کا ازالہ اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ مسلمانوں کی زندگیوں میں سچی اخوت و محبت اور بھائی چارہ عام نہ ہو۔ ایسی اخوت جو محبت و الفت، باہمی دوستی و خیر خواہی اور خوشی و مسرت پر مبنی ہو اور جس میں مکروفریب، خیانت، حسد، ترش روئی، بدمزاجی اور باہمی بغض و نفرت نہ ہو۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھائیوں کے مابین سلام پھیلانے کی دعوت دی تا کہ اس سے محبت اور باہمی میل جول کے لیے دلوں کے دروازے وا ہوں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مضمون کو صحابہ کے سامنے بار بار دہراتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ دلوں میں محبت کا بیج بو دیں اور مسلسل اس کی دیکھ بھال اور نگرانی کرتے رہیں،

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أنه لا یدخل الجنة الا المؤمنون...... الخ: ٥٤۔

یہاں تک کہ دلوں میں وہ عظیم اور تابناک محبت پیدا ہو جائے جسے اسلام مسلمانوں کے دلوں میں پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس روشن محبت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی پہلی نسل کی تعمیر کی تھی جس نے کہ سماوی پیغام کی تبلیغ کی اور اسلام کے عظیم الشان قلعے کی حفاظت کی۔ اگر یہ صاف شفاف اور پاکیزہ محبت نہ ہوتی جسے صرف اسلام ہی نے لوگوں کے دلوں میں پروان چڑھایا ہے تو صدر اسلام کے مسلمان جہاد کے بار گراں کو اٹھانے میں استقامت، ثابت قدمی اور پامردی کا مظاہرہ کرنے پر قادر نہ ہوتے اور اسلامی حکومت کی تعمیر اور دنیا میں پرچم اسلام لہرانے میں عظیم الشان قربانیاں پیش کرنے کی استطاعت نہ رکھتے۔

اس سچی اور عجیب وغریب محبت کی بدولت رسول اللہ ﷺ نے ایمان لانے والوں کا ایک ایسا معاشرہ قائم کیا جو انسانیت کی تاریخ میں ایک مثالی اور امتیازی حیثیت رکھتا ہے جس کے عجیب وغریب اتحاد واتفاق کی بہترین تصویر کشی آپ ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

> ''مومن، مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط بناتی ہے۔''[1]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

> ''باہم محبت، رحمدلی اور مہربانی میں اہل ایمان کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو پورا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا ہے اور نیند اچاٹ ہو جاتی ہے۔''[2]
>
> ایک حدیث میں ہے:

((اَلْمُسْلِمُوْنَ كَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشْتَكَى عَيْنُهُ ، اشْتَكَى كُلُّهُ وَ اِنِ اشْتَكَى رَأْسُهُ ، اشْتَكَى كُلُّهُ))[3]

---

1. بخاری، کتاب الأدب، باب تعاون المؤمنین بعضهم بعضًا : ٦٠٢٦۔
2. مسلم ، کتاب البر والصلة ، باب تراهم المؤمنين وتعاطفهم و تعاضدهم : ٢٥٨٦۔
3. مسلم ، کتاب البر والصلة ، باب تراهم المؤمنين و تعاطفهم و تعاضدهم : ٢٥٨٦۔

''تمام مسلمان فرد واحد کی طرح ہیں (یعنی ایک جسم کی طرح ہیں کہ) اگر اس کی آنکھ میں تکلیف ہوتی ہے تو پورا بدن تکلیف میں مبتلا رہتا ہے یا سر میں تکلیف ہوتی ہے تب بھی پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔''

ان بلند پایہ نبوی ارشادات کو دیکھتے ہوئے باشعور اور سچا مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرتا ہے۔ دل و جان سے ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس طرح دنیا میں بھی وہ خیر و برکت اور اتحاد و تعمیر کا اہم عنصر ثابت ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اپنے رب کی رضا اور خوشنودی سے سرفراز ہوتا ہے۔

ترک تعلق مسلمان کا شیوہ نہیں:

سچا اور دین کے احکام و تعلیمات سے واقفیت رکھنے والا مسلمان اچھی طرح جانتا ہے کہ اسلام نے جہاں مسلمانوں کے درمیان آپس میں محبت و تعلق، صلہ رحمی، رحم دلی اور ہمدردی کا حکم دیا ہے اور پوری وضاحت سے بتلایا ہے کہ صدق دل سے محبت کرنے والوں کے درمیان محض معمولی معمولی باتوں اور ادنیٰ سی غلطیوں کی بنا پر تفریق اور جدائی نہیں ہوتی کیونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کا رشتہ اس سے کہیں زیادہ مستحکم اور پائیدار ہے کہ کسی ایک جانب سے ادنیٰ سی تقصیر سرزد ہوتے ہی قطع تعلق کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جب دو آدمی محض اللہ عزوجل کی خاطر (یا فرمایا) اسلام کی خاطر آپس میں محبت کریں تو کسی ایک کی طرف سے کوئی خطا سرزد ہونے پر انھیں ترک تعلق نہیں کر لینا چاہیے۔''①

اسلام نے فطرت انسانی سے تغافل نہیں برتا اور یہ ملحوظ رکھا ہے کہ بعض اوقات انسان غیظ و غضب کے جذبات کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے جذبات میں اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا

① الأدب المفرد: ٤٠١، صحيح ـ الصحيحة: ٦٣٧ـ

ہے۔اس لیے اس نے ایک حد مقرر کر دی ہے کہ اس مدت میں غیظ وغضب کی آگ کو سرد ہو جانا چاہیے۔ اس نے باہم تنازعہ کرنے والے مسلمانوں کے لیے کسی صورت بھی یہ جائز نہیں قرار دیا کہ اس مدت کے گزرنے کے بعد بھی ان میں سے کوئی ایک یا دونوں...... مصلحت اور تصفیہ کی طرف سبقت نہ کریں اور محبت، دوستی اور اتحاد و اتفاق کا ہاتھ نہ بڑھائیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ أَيَّامٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَ يُعْرِضُ هٰذَا وَ خَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ» [1]

"کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ بولنا چھوڑ دے کہ دونوں کی ملاقات ہو تو ایک ادھر منہ پھیر لے اور دوسرا ادھر، ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔"

سچا اور ذکی الحس مسلمان جو اس صریح نص میں غور وفکر کرتا ہے اپنے بھائی سے تعلق منقطع کرنے اور لڑائی جھگڑا برقرار رکھنے کو برداشت نہیں کر سکتا بلکہ وہ اس سے تعلقات استوار کرنے کی جدو جہد کرتا ہے اور اس سے دوستی رکھنے اور سلام کرنے میں سبقت کرتا ہے اس لیے کہ ان دونوں میں بہتر اور صاحب فضیلت وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ اگر دوسرے نے اس کے سلام کا جواب دیا تو دونوں مصالحت کے اجر میں شریک ہوں گے لیکن اگر وہ جواب نہ دے تو گناہ گار ہوگا اور سلام کرنے والا مقاطعہ اور ترک تعلق کے گناہ سے بری ہو جائے گا اور اس کا گناہ صرف سلام کا جواب نہ دینے والے پر ہوگا۔ اس کی توضیح و تشریح سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث سے ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«لَا يَحِلُّ لِرَجُلٍ أَنْ يَهْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَإِذَا مَرَّتْ ثَلَاثَةُ أَيَّامٍ

---

[1] مسلم كتاب البر و الصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة ايام بلا عذر شرعي: ٢٥٦٠۔

فَلْيَلْقَهُ فَلْيُسَلِّمْ عَلَيْهِ فَإِنْ رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَكَا فِي الْأَجْرِ وَ إِنْ لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ فَقَدْ بَاءَ بِالْإِثْمِ وَزَادَ أَحْمَدُ وَ خَرَجَ الْمُسَلِّمُ مِنَ الْهِجْرَةِ))[1]

''کسی آدمی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ کسی مومن سے تین دن سے زیادہ بولنا چھوڑ دے۔ جب تین دن گزر جائیں ، اس سے ملاقات ہوتو اسے سلام کرے، اگر وہ سلام کا جواب دے تو دونوں ثواب میں شریک ہوں گے لیکن اگر وہ سلام کا جواب نہ دے تو سلام کرنے والا ترک تعلق کے گناہ سے بری ہو جائے گا۔''

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جس قدر باہم جھگڑا کرنے والوں میں مقاطعہ اور ترک تعلق کی مدت بڑھتی جائے گی اسی قدر گناہ میں اضافہ ہوگا اور اتنی ہی سخت وعید ہوگی۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ))[2]

''جو اپنے بھائی سے ایک سال تک تعلق منقطع رکھا تو گویا اس نے اس کا خون کیا۔''

اسلام نفوس کی تربیت کا جو طریقہ کار اختیار کرتا ہے وہ باہمی محبت، میل ملاپ، تعلق اور الفت پر مبنی ہے۔ اسی وجہ سے سچے مسلمان کی زندگی میں بغض ونفرت ، حسد اور ترک تعلق کا دور دور تک شائبہ نہیں ہوتا۔ آخر اس کی زندگی میں یہ پست اخلاق کیسے جگہ پا سکتے ہیں جبکہ وہ اپنے کانوں سے رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد عالی سنتا ہے جو ایسے بے مثل اور بہترین اخلاقی نظام پر دلالت کرتا ہے جیسا نظام انسانیت نے روز اول سے اب تک نہیں

---

1. الأدب المفرد : ٤٠٦۔ بخاری : ٦٣٣٧۔ مسلم : ٣٥٦۔
2. ابو داوٗد ، كتاب الأدب ، باب فی هجرة الرجل أخاه : ٤٩١٥۔ الأدب المفرد : ٤٠٤ ، صحیح ۔ الصحيحة : ٩٢٨۔

دیکھا۔ ارشاد ہے:

«لَا تَقَاطَعُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَحَاسَدُوْا وَ كُوْنُوْا اِخْوَانًا كَمَا اَمَرَكُمُ اللّٰهُ» ①

''آپس میں ایک دوسرے سے مقاطعہ نہ کرو۔ آپس میں ترک تعلق نہ کرو، آپس میں بغض و عداوت نہ رکھو، آپس میں حسد نہ کرو اور بھائی بھائی بن کر رہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''

ایک روایت میں ہے:

«اِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَكْذَبُ الْحَدِيْثِ وَ لَا تَحَسَّسُوْا وَ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا تَنَافَسُوْا وَ لَا تَحَاسَدُوْا وَ لَا تَبَاغَضُوْا وَ لَا تَدَابَرُوْا وَ كُوْنُوْا عِبَادَاللّٰهِ اِخْوَانًا» ②

''بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔ لوگوں کے عیوب کی جستجو نہ کرو، لوگوں کی باتوں کی ٹوہ میں نہ رہو، حرص نہ کرو، آپس میں حسد نہ کرو، آپس میں بغض و عداوت نہ رکھو، آپس میں قطع رحمی نہ کرو، اللہ کے بندوں کی طرح بھائی بھائی بن کر رہو۔''

ایک روایت میں ہے:

«لَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَلَا يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ

---

❶ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم التحاسد و التباغض و التدابر: ٢٥٥٩۔

❷ مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوها: ٢٥٦٣۔ بخاري، كتاب الادب، باب ما ينهى عن التحسد والتدابر ......: ٦٠٦٤۔

وَ لَا يَخْذُلُهُ وَ لَا يَحْقِرُهُ ، اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا وَ يُشِيْرُ اِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهُ وَ مَالُهُ وَ عِرْضُهُ » ①

''آپس میں حسد نہ کرو، دوسرے کی بولی پر بولی نہ دو۔ آپس میں بغض و عداوت نہ رکھو، آپس میں قطع رحمی نہ کرو، کسی دوسرے کے سودے پر اپنا سودا نہ پیش کرو اور اللہ کے بندوں کی طرح بھائی بھائی بن کر رہو، مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔ نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑے اور نہ اس کو حقیر سمجھے۔ تقویٰ یہاں ہے (یہ کہتے ہوئے) آپ نے تین مرتبہ اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا، آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے، ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو حرام ہے۔''

مسلمان اس محبت، ہمدردی، بھائی چارہ اور دیگر مکارم اخلاق سے بھرے ارشاد عالی میں غور و فکر کرتا ہے تو وہ اپنے دل میں کسی سے بغض و عداوت نہیں رکھتا۔ بغض و عداوت تو وہ شخص رکھتا ہے جس کے دل میں مرض ہو، جس کے مزاج میں سختی اور سنگدلی ہو اور جس کی فطرت میں ٹیڑھ اور کجی ہو۔

اسی لیے سنگدلوں اور بے رحموں کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو اسلام کی اخلاقی شاہراہ سے انحراف کرتے ہیں وہ اسلام کی بشاشت و سماحت سے محروم ہیں اور وہ مسلسل اپنے بھائیوں سے ترک تعلق کیے ہوئے ہیں۔ آخرت کے بارے میں ان کو زبردست خبردار کیا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت سے محروم ہوں گے اور جنت کے دروازے ان کے لیے بند ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« تُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْاِثْنَيْنِ وَ يَوْمَ الْخَمِيْسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ

---

① مسلم ، كتاب البر و الصلة ، باب تحريم ظلم المسلم...... الخ : ٢٥٦٤۔

لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا اِلَّا رَجُلٌ كَانَتْ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ اَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ: اَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، اَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا ، اَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتّٰى يَصْطَلِحَا » ①

''جنت کے دروازے ہر پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ہر اس بندے کی مغفرت کر دی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کرتا ہے، مگر اس شخص کی مغفرت نہیں ہوتی جس کے درمیان اور اس کے بھائی کے درمیان بغض و عداوت ہو اور کہا جاتا ہے کہ ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں، ان دونوں کو مہلت دو یہاں تک کہ دونوں صلح کر لیں۔''

جلیل القدر صحابی سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

''کیا میں تم کو اس چیز کے بارے میں نہ بتلاؤں جو تمھارے لیے صدقہ اور روزہ سے بہتر ہے؟ وہ ہے باہمی مصالحت! خبردار! بغض و عداوت (ثواب کو) ختم کرنے والی ہے۔'' ②

یہ ہے محبت و اخوت پر مبنی اس دین کی روح کے بارے میں صحابی جلیل کی گہری اور عمیق نظر، انھوں نے آپس میں بغض و عداوت کو عمل بیکار ہونے، اجر ضائع ہونے اور نیکیاں مٹ جانے کا سبب قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اپنے بھائی سے قطع تعلق کرنے والے مسلمان کے لیے باہمی مصالحت صدقہ اور روزہ سے بہتر ہے کیونکہ مقاطعہ کرنے، ترک تعلق کرنے اور بغض و عداوت رکھنے سے عبادات کے ذریعے حاصل کردہ نیکیاں ضائع ہو جاتی ہیں۔

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهى عن الشحناء: ٢٥٦٥۔

② ابو داوٗد، کتاب الادب، باب فی إصلاح ذات البین: ٤٩١٩۔ ترمذی: ٢٥٠٩۔

فراخدلی اور عفو و درگزر سے کام لینا:

حقیقی مسلمان کو جب اپنے بھائی پر غصہ آتا ہے تو وہ غصہ کو انگیز نہیں کرتا۔ وہ اسے معاف کرنے اور اس کی خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر کرنے میں اپنی ہیٹی اور سبکی نہیں سمجھتا اور نہ اسے بخشنے میں اپنی ذلت اور عار محسوس کرتا ہے بلکہ ایسا کرنے کو وہ حسن سلوک سمجھتا ہے جس سے اسے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کے لیے خاص کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

(آل عمران: ١٣٤)

"جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔"

انسان بعض اوقات غصہ پر قابو پا لیتا ہے لیکن حقد و کینہ اور حسد کی آگ اس کے سینے میں بھڑکتی رہتی ہے۔ اس کا زبردست غصہ مشتعل اور بھڑکتے ہوئے بغض و کینہ میں بدل جاتا ہے اور ظاہری غیظ و غضب اندرونی حسد و کینہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے جبکہ غیظ و غضب اور ظاہری غصہ حسد و کینہ سے بہتر اور پاکیزہ ہے۔

سچا مسلمان جس کی رگ رگ میں اس دین کی تعلیمات سرایت کر جاتی ہیں کسی سے حسد و کینہ نہیں رکھتا بلکہ غصہ پر قابو پانے کے بعد دل میں کینہ رکھنے کے بجائے عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا شمار نیکوکار لوگوں میں رہتا ہے۔

سچا مسلمان اپنے بھائی کے سلسلہ میں عفو و درگزر اور معافی کا رویہ اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے بھائی کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے اور اسے محض اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عزت اور بلندی کا خواہاں و متمنی رہتا ہے جس کی طرف رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اشارہ کیا ہے:

((مَا زَادَ اللّٰهُ عَبدًا بِعَفوٍ اِلَّا عِزًّا وَ مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ)) [1]

''جس بندے نے عفوو درگزر سے کام لیا اللہ تعالیٰ نے اس کی عزت میں اضافہ کیا اور جس نے اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اسے رفعت و بلندی عطا کی۔''

فراخ دل اور عفوو درگزر سے کام لینے والے بندے کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عزت اور سر بلندی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ احسان کی صفت سے بھی متصف قرار دیا گیا ہے چنانچہ اس کا شمار ان ''نیکو کار لوگوں'' میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہیں اور وہ ان باعزت اور ممتاز لوگوں کے زمرہ میں شامل ہوتا ہے جس سے لوگ محبت کرتے ہیں۔

ذکی الحس، باشعور اور دینی تعلیمات وارشادات کو سمجھنے والے مسلمان کے دل میں حسد وکینہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ وہ مغفرت الٰہی کے سلسلہ میں عفو و درگزر، اخلاص اور صاف دلی کی قدر وقیمت کا ادراک کرتا ہے۔ اس کی وضاحت رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے:

''تین چیزیں جس شخص کے اندر نہ ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ اس کے دیگر گناہوں کو اگر چاہے تو معاف کر دے گا:

۱۔ اس کی موت شرک پر واقع نہ ہوئی ہو۔

۲۔ وہ جادوگر نہ ہو کہ جادوگروں کی پیروی کرتا ہو۔

۳۔ نہ اس نے اپنے بھائی کے بارے میں اپنے دل میں کینہ رکھا ہو۔'' [2]

خندہ پیشانی سے ملنا:

ان سب چیزوں کے بعد مسلمان کے شایان شان یہ ہے کہ وہ خوش باطن، نیک نیت،

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع: ۲۵۸۸۔

[2] الأدب المفرد: ۴۱۳، ضعيف ـ ضعيف الترغيب والترهيب: ۱۶۵۳۔

صاف دل، ہنس مکھ، ہشاش بشاش ہو اور اپنے بھائیوں سے شگفتہ روئی اور خندہ پیشانی سے ملاقات کرے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے:

«لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَ لَوْ اَنْ تَلْقٰى اَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ» ①

''کسی نیک کام کو حقیر نہ سمجھو خواہ اپنے بھائی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات ہی کیوں نہ ہو۔''

معلوم ہوا کہ خندہ پیشانی اور چہرے کی بشاشت اچھی خصلت ہے جس پر اسلام نے اکسایا ہے اور اس کا شمار ان اعمال صالحہ میں کیا ہے جن پر ان کے کرنے والے کو اجر و ثواب ملتا ہے، اس لیے کہ صاف شفاف اور ہنس مکھ چہرہ پاکیزہ اور نظیف دل کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ یہ ظاہر اور باطن کی پاکیزگی، پسندیدہ اور نمایاں اخلاق میں سے ہے جنھیں اسلام سچے مسلمانوں میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اسی لیے رسول کریم ﷺ کی تعلیمات میں سے یہ بھی ہے:

«تَبَسُّمُكَ فِيْ وَجْهِ اَخِيْكَ لَكَ صَدَقَةٌ» ②

''تمھارا اپنے بھائی سے مسکرا کر ملنا بھی تمھارے لیے صدقہ ہے۔''

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جب دو مسلمان ملاقات کرتے اور آپس میں گفتگو کرتے ہیں تو ان میں سے جو خندہ پیشانی سے بات چیت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت کر دیتا ہے۔''

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ وہ جب آپس میں ملتے تو مصافحہ کرتے اور جب کسی سفر سے واپس آتے تو معانقہ کرتے۔ ایسا کرنے میں ملنے والے بھائیوں کے درمیان محبت و الفت میں اضافہ ہوتا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں شعبی سے روایت کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوۂ خیبر سے واپس لوٹے تو آپ ﷺ سے سیدنا جعفر بن

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء: ٢٦٢٦۔

② ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی صنائع المعروف: ١٩٥٦۔

ابوطالب رضی اللہ عنہ ملے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چمٹا لیا، ان کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: ”مجھے نہیں معلوم کہ کس وجہ سے مجھے خوشی کا احساس ہو رہا ہے۔ جعفر کے (حبشہ سے واپس) آنے سے یا خیبر کے فتح ہونے سے۔“ دوسری روایت میں اضافہ ہے کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں چمٹا لیا اور گلے لگا لیا۔“[1]

اسلام نے ملاقات کے وقت سلام کرنے، مصافحہ کرنے اور معانقہ کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے تاکہ دلوں میں باہم محبت کے اسباب برقرار رہیں ان کا رشتہ قوی اور مستحکم ہو۔ اہل ایمان کے درمیان بھائی چارہ اور اخوت کے رشتے مزید مضبوط اور پائیدار ہوں۔ انھیں تعلیمات وارشادات پر عمل پیرا ہو کر اسلامی معاشرہ اسلام کو زندہ رکھ سکتا ہے اور زندگی میں اس کے پیغام کی ذمہ داریوں کو سرانجام دے سکتا ہے۔

دوسروں کی خیر خواہی کرنا:

سچا مسلمان خیر خواہ ہوتا ہے اللہ کا، اس کی کتاب کا، اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا، مسلمانوں کے ائمہ کا اور عام مسلمانوں کا، جیسا کہ مسلم کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ قُلْنَا : لِمَنْ ؟ قَالَ : لِلّٰهِ وَ لِكِتَابِهِ وَ لِرَسُوْلِهِ وَ لِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَ عَامَّتِهِمْ»[2]

”دین خیر خواہی کا نام ہے“ (صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے ہیں) ہم نے عرض کیا: ”کس کے لیے؟“ فرمایا: ”اللہ کے لیے، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ اور عام مسلمانوں کے لیے۔“

اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ مسلمان اپنے بھائیوں کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ انھیں

---

1. طبقات ابن سعد : ٣٤/٤۔
2. مسلم ، كتاب الإيمان ، باب بيان أن الدين النصيحة : ٥٥۔

دھوکا دیتا ہے نہ ان کے ساتھ مکر وفریب کرتا ہے۔

ذکی الحس مسلمان کی دانست میں خیر خواہی اسلام کے ان بنیادی اصولوں میں سے ہے جن پر عہد اول کے مسلمان رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں۔ اس کی تائید وتوثیق سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اس قول سے ہوتی ہے:

« بَایَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی اِقَامِ الصَّلَاةِ وَ اِیْتَاءِ الزَّکَاةِ وَالنُّصْحِ لِکُلِّ مُسْلِمٍ » ①

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔''

اس سے پہلے کی حدیث میں ہم نے دیکھا کہ رسول کریم ﷺ نے دین کی تعبیر صرف ایک کلمہ سے فرمائی اور وہ ہے ''خیر خواہی'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خیر خواہی دین کا اصل محور، اس کی مستحکم اور راسخ بنیاد ہے۔ اس کے بغیر نہ آدمی کا ایمان صحیح ہوتا ہے اور نہ اسلام میں درستی آتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کے اس فرمان سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

« لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ » ②

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

اور کوئی شخص جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے اسی وقت پسند کرتا ہے جب وہ اس سے محبت کرتا ہو اور اس کا خیر خواہ ہو۔

---

① بخاری، کتاب الإیمان: باب قول النبی ﷺ الدین النصیحة: ٥٧۔

② بخاری، کتاب الإیمان، باب من الإیمان أن یحب لِأخیه ما یحب لنفسه: ١٣۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الدلیل علی أن من خصال الإیمان أن یحب لأخیه المسلم...... الخ: ٤٥۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کام انتہائی مشکل اور دشوار ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے لیکن اگر انسان کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے کہ جو چیز وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرنا ایمان کی شرائط میں سے ایک شرط ہے اور یہ کہ دین خیر خواہی کا نام ہے تو ایسا کرنا محال نہیں بلکہ یہ چیز فطرت ہو جائے گی اور حقیقی اور سچا مسلمان جس کے دل میں اسلام کی بشاشت رچ بس گئی ہو بے کھٹکے اسے انجام دے گا۔

ہماری تاریخ ماضی میں اور حال میں بھی ایسی مثالوں سے پر ہے کہ مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے وہی پسند کرتے ہیں، جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ اس موقع پر مجھے ایک مثال یاد آرہی ہے جسے بڑے بزرگ شام کے تاجروں کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ شام میں تاجروں کا الگ الگ بازار ہوتا تھا، جیسے عطر فروشوں کا بازار، رنگ ریزوں کا بازار، درزیوں کا بازار، اسی طرح کے دیگر قدیم اور پختہ بازار۔ ان میں جب ایک تاجر کے پاس کوئی گاہک آتا اور کوئی سامان خرید لیتا، پھر دوسرا گاہک آتا اور اس کے پڑوسی تاجر کی اب تک بوہنی نہیں ہوئی ہوتی تو وہ تاجر گاہک سے نرمی سے کہتا: ''جاؤ، تمھیں جو کچھ لینا ہو میرے پڑوسی سے لے لو اس لیے کہ میں بوہنی کر چکا ہوں اور اس نے اب تک بوہنی نہیں کی ہے۔''

اللہ اکبر! اس اخوت اور اس ہمدردی کے زیر سایہ زندگی کتنی خوشگوار، کتنی پر لطف اور کتنی فرحت بخش اور روح پرور معلوم ہوتی ہے۔ اس کے تحت زندگی گزارنے والے کتنے خوش نصیب اور نیک بخت لگتے ہیں۔ جب ان میں اسلامی روح موجزن ہوتی ہے اور ان کے معاملات پر اسلامی قدروں کی حکمرانی رہتی ہے۔ اس وقت وہ لوگ ایسی بلندی اور رفعت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں جس تک انسان صرف اسی صورت میں پہنچ سکتا ہے کہ اس دین کے سایہ میں آجائے جس نے یہ تعلیم دی ہے کہ دین خیر خواہی کا نام ہے اور آدمی

اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

محبت اور خیر خواہی کے اس بلند اور عظیم اصول کی بنا پر صحابی جلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''مومن اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے چنانچہ اگر اس میں کوئی عیب دیکھتا ہے تو اس کی اصلاح کر دیتا ہے۔''①

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استفادہ کیا تھا:

''مومن اپنے بھائی کے لیے آئینہ ہے مومن مومن کا بھائی ہے۔ وہ اس کی جائداد کی حفاظت کرتا ہے اور اس کے پیچھے اس کی نگرانی کرتا ہے۔''②

جس طرح اشیاء کی متعین خاصیتیں ہوتی ہیں اور ان سے انھی کا ظہور ہوتا ہے اسی طرح سچے اور حقیقی مسلمان سے بھی اپنے بھائی کے سلسلہ میں ایسے ہی بلند اور پاکیزہ کردار کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ اگر چاہے بھی کہ اس کے علاوہ دوسرا موقف اپنائے تو ویسا نہیں کر سکتا اس لیے کہ جو شخص اس بلند اور درخشاں افق میں زندگی گزارتا ہے وہ اپنے رویہ میں شخصی مفاد، انانیت اور ذاتی منفعت کے پست درجے تک نہیں گر سکتا۔ پیالہ سے وہی چھلکتا ہے جو اس میں ہوتا ہے۔ پھول سے خوشبو ہی پھوٹتی ہے، اچھی زمین سے اچھا پودا ہی اگتا ہے، شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

وَ هَلْ يُنْبِتُ الْخَطِّيَّ اِلَّا وَشِيْجُهُ
وَ تُغْرَسُ اِلَّا فِيْ مَنَابِتِهَا النَّخْلُ ③

---

① الأدب المفرد: ٢٣٨۔

② الأدب المفرد: ٢٣٩ حسن۔ الصحيحة: ٩٢٦۔

③ زهير بن ابى سلمى۔

"خطی کے درخت سے نیزے بنانے والی لکڑی ہی حاصل ہوتی ہے اور نخلستان میں کھجور ہی کے درخت اگتے ہیں۔"

حسن سلوک اور وفاداری مومن کا شعار:

اسلام اپنے فرزندوں کو وفاداری اور دوستوں کے ساتھ حسن سلوک اور نیک برتاؤ کا عادی بناتا ہے اور اسے ان کی فطرت میں پیوست کر دیتا ہے یہاں تک کہ ان کا حسن سلوک باپ کے دوستوں تک وسیع ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے باب "مسلمان کا تعلق اپنے والدین کے ساتھ" میں ذکر کر چکے ہیں۔ اس سے وفاداری کی فضیلت اور اخوت و محبت اور دوستی کے رشتے کی عظمت کا احساس ہوتا ہے سلف نے اپنی زندگیوں میں نافذ کر دکھایا اور انھوں نے اپنے اخلاق سے ثابت کر دکھایا کہ وہ واقعی بہترین امت ہیں جنھیں لوگوں کے لیے نکالا گیا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ أَبَرَّ الْبِرِّ يَصِلَ الرَّجُلُ وُدَّ أَبِيهِ» [1]

"یقیناً بہت بڑی نیکی تو یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔"

سیدنا عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ سے روایت ہے:

"سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو راستے میں ایک دیہاتی ملا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سلام کیا اور جس گدھے پر سوار تھے اس پر اسے بھی سوار کر لیا اور جو عمامہ اپنے سر پر باندھے ہوئے تھے وہ اسے دے دیا۔ ابن دینار کہتے ہیں کہ ہم نے ان سے عرض کیا: "اللہ آپ کا بھلا کرے! یہ تو دیہاتی ہیں، ذرا سی چیز پا کر خوش ہو جاتے ہیں۔" سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "اس کے والد (میرے باپ)

---

[1] مسلم، كتاب البر والصلة: باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم ونحوهما: ٢٥٥٢۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

نیکیوں میں بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے دوستوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔'' ①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے دلوں کی نگرانی کرتے اور ان میں وفا و اخلاص کے بیج بوتے رہتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی کوئی موقع پاتے انھیں اپنا کوئی ارشاد سناتے اور کوئی تعلیم دیتے۔ ایک مرتبہ قبیلہ بنی سلمہ کا ایک آدمی آیا اور عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! کیا کوئی نیکی باقی بچی ہے جسے میں اپنے والدین کے مرنے کے بعد ان کے لیے کروں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں ان کے لیے دعا کرنا، استغفار کرنا، ان کے بعد ان کے عہد کو پورا کرنا، ان کے رشتوں کو جوڑنا اور ان کے دوستوں کی عزت اور احترام کرنا۔'' ②

خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوستی کا لحاظ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جس سے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر رشک کے جذبات ابھرتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرتے تھے جس سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو رشک اور غیرت آتی تھی، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا خود بیان کرتی ہیں:

''مجھے جتنا رشک سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پر آتا تھا اتنا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیوی پر نہیں آیا۔ میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا بکثرت ذکر فرماتے۔ جب کبھی کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کے بہت سے ٹکڑے کرتے اور پھر انھیں خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں کو بھیج دیتے۔ کئی مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتی ''ایسا لگتا

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل صلة أصدقاء الأب والأم و نحوهما : ٢٥٥٢۔

② مسند احمد : ٤٩٨/٣۔

ہے کہ دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی عورت ہی نہیں'' تو آپ ﷺ فرماتے: ''وہ ایسی ہیں اور ایسی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا کی۔''①

ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ ﷺ بکری ذبح کرتے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں اتنا بھیجتے جو ان کے لیے کافی ہوتا۔

یہ وفا کا سب سے بلند درجہ ہے، اس کا دائرہ باپ کے دور کے دوستوں اور متوفیہ بیوی کے دور کے عزیزوں اور سہیلیوں تک وسیع ہے۔ پھر آخر قریب کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک اور کرم وسخاوت کی کتنی تاکید ہوگی؟

اسلامی شریعت میں محبت، خیر خواہی، حسن سلوک اور وفاداری کے تقاضوں میں یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرے۔ اگر وہ حق پر ہو تو اس کے شانہ بشانہ چل کر اس سے تعاون کرے۔ اس کا ہاتھ بٹائے اور اس کا دفاع کرے۔ اگر وہ حق پر نہ ہو تو اسے روکے، اس کو نصیحت کرے اور باطل کی دلدل میں پھنسنے اور ظلم کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف دعوت دی ہے:

((وَ لْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ)) ②

''آدمی کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے باز رکھے، یہی اس کی مدد ہے اور اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔''

سچا مسلمان اپنے بھائی سے دست بردار نہیں ہوتا خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اس لیے کہ

---

① بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزويج النبي صلى الله عليه و سلم خديجة و فضلها رضي الله تعالى عنها : ٣٨١٨۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خديجة رضي الله عنها : ٢٤٣٥۔

② مسلم ، كتاب البر و الصلة ، باب نصر الأخ ظالما أو مظلوما : ٢٥٨٤۔

اس نے اسے یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور چونکہ مسلمان اپنے لیے ظالم یا مظلوم ہونا کبھی پسند نہیں کرے گا اس لیے وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسے پسند کبھی نہیں کرے گا چنانچہ وہ اپنے بھائی کے پہلو میں کھڑا ہوتا ہے اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے اور اگر وہ ظالم ہو تو اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر اس کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور اللہ کی قسم! یہی سچی خیر خواہی ہے اور یہی بے لوث حسن سلوک ہے۔ یہ دونوں خصلتیں ایسی ہیں کہ جن سے سچا، حسن سلوک کرنے والا، وفادار اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے والا مسلمان ہر زمانہ میں اور ہر جگہ آراستہ رہتا ہے۔

نرمی کا برتاؤ کرنا:

حقیقی مسلمان جو دین کے احکام اور دینی قدروں پر عمل پیرا ہوتا ہے، اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و مہربانی اور خوش مزاجی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ ان سب کاموں میں وہ اسلامی تعلیمات سے استفادہ کرتا رہتا ہے جو مکارم اخلاق پر ابھارتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدة : ٥٤)

"وہ مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔"

مندرجہ بالا آیت میں اہل ایمان کے اپنے بھائیوں کے ساتھ مہربانی، تواضع، معاملات میں اچھا برتاؤ اور لطف و کرم کے انتہائی درجہ کا معاملہ کرنے کو "نرمی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے ارشادات عالیہ میں نرمی کو مسلمان کے سامنے اس قدر پسندیدہ اور محبوب بنا کر پیش کیا ہے کہ اسے زندگی میں ہر چیز کی زینت قرار دیا ہے، ارشاد

ہے کہ دنیا میں خدیجہ کے علاوہ کوئی عورت ہی نہیں'' تو آپ ﷺ فرماتے: ''وہ ایسی ہیں اور ایسی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے اولاد عطا کی۔''[1]

ایک روایت میں ہے کہ اگر آپ ﷺ بکری ذبح کرتے تو سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سہیلیوں میں اتنا بھیجتے جو ان کے لیے کافی ہوتا۔

یہ وفا کا سب سے بلند درجہ ہے، اس کا دائرہ باپ کے دور کے دوستوں اور متوفیہ بیوی کے دور کے عزیزوں اور سہیلیوں تک وسیع ہے۔ پھر آخر قریب کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک اور کرم وسخاوت کی کتنی تاکید ہوگی؟

اسلامی شریعت میں محبت، خیر خواہی، حسن سلوک اور وفاداری کے تقاضوں میں یہ بھی ہے کہ آدمی اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرے۔ اگر وہ حق پر ہو تو اس کے شانہ بشانہ چل کر اس سے تعاون کرے۔ اس کا ہاتھ بٹائے اور اس کا دفاع کرے۔ اگر وہ حق پر نہ ہو تو اسے روکے، اس کو نصیحت کرے اور باطل کی دلدل میں پھنسنے اور ظلم کے گڑھے میں گرنے سے باز رکھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف دعوت دی ہے:

«وَ لْيَنْصُرِ الرَّجُلُ أَخَاهُ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا إِنْ كَانَ ظَالِمًا فَلْيَنْهَهُ فَإِنَّهُ لَهُ نَصْرٌ وَإِنْ كَانَ مَظْلُومًا فَلْيَنْصُرْهُ»[2]

''آدمی کو چاہیے کہ اپنے بھائی کی مدد کرے خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم اگر ظالم ہو تو اس کو ظلم سے باز رکھے، یہی اس کی مدد ہے اور اگر مظلوم ہو تو اس کی مدد کرے۔''

سچا مسلمان اپنے بھائی سے دست بردار نہیں ہوتا خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم، اس لیے کہ

---

1. بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب تزویج النبی صلی الله علیه و سلم خدیجة و فضلها رضی الله تعالی عنها : ٣٨١٨۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل خدیجة رضی الله عنها : ٢٤٣٥۔
2. مسلم ، کتاب البر و الصلة ، باب نصر الأخ ظالما أو مظلوما : ٢٥٨٤۔

اس نے اسے یہ تعلیم دی ہے کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور چونکہ مسلمان اپنے لیے ظالم یا مظلوم ہونا کبھی پسند نہیں کرے گا اس لیے وہ اپنے بھائی کے لیے بھی اسے پسند کبھی نہیں کرے گا چنانچہ وہ اپنے بھائی کے پہلو میں کھڑا ہوتا ہے اگر وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کرتا ہے اور اس کا دفاع کرتا ہے اور اگر وہ ظالم ہو تو اس کے پہلو میں کھڑے ہو کر اس کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور اللہ کی قسم! یہی سچی خیر خواہی ہے اور یہی بے لوث حسن سلوک ہے۔ یہ دونوں خصلتیں ایسی ہیں کہ جن سے سچا، حسن سلوک کرنے والا، وفا دار اور اپنی زندگی کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے والا مسلمان ہر زمانہ میں اور ہر جگہ آراستہ رہتا ہے۔

نرمی کا برتاؤ کرنا:

حقیقی مسلمان جو دین کے احکام اور دینی قدروں پر عمل پیرا ہوتا ہے، اپنے بھائیوں کے ساتھ لطف و مہربانی اور خوش مزاجی کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے، ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے اور وہ لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔ ان سب کاموں میں وہ اسلامی تعلیمات سے استفادہ کرتا رہتا ہے جو مکارم اخلاق پر ابھارتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴾ (المائدة : ٥٤)

"وہ مومنوں پر نرم اور کفار پر سخت ہوں گے۔"

مندرجہ بالا آیت میں اہل ایمان کے اپنے بھائیوں کے ساتھ مہربانی، تواضع، معاملات میں اچھا برتاؤ اور لطف و کرم کے انتہائی درجہ کا معاملہ کرنے کو "نرمی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے ارشادات عالیہ میں نرمی کو مسلمان کے سامنے اس قدر پسندیدہ اور محبوب بنا کر پیش کیا ہے کہ اسے زندگی میں ہر چیز کی زینت قرار دیا ہے، ارشاد

فرمایا:

((إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ)) ①

''جس چیز میں نرمی ہوتی ہے وہ اسے زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نرمی نکل جاتی ہے اسے عیب دار اور بدصورت کر دیتی ہے۔''

مسلمان کی نگاہوں میں رسول کریم ﷺ کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ آپ ﷺ کی پاک سیرت پوری کی پوری نرمی، خوش اخلاقی اور عالی ظرفی کی آئینہ دار ہے۔ آپ ﷺ نے کبھی ایک دن بھی کوئی فحش کلمہ زبان سے نہیں نکالا، نہ کسی مسلمان پر لعن طعن کیا اور نہ کسی کو گالی دی اور نہ برا بھلا کہا۔ آپ ﷺ کے خادم اور ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے والے صحابی سیدنا انس رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے عظیم اخلاق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نہ فحش بات کرتے تھے، نہ لعن طعن کرتے تھے اور نہ برا بھلا کہتے تھے۔ اگر کسی کو عتاب کرنا ہوتو فرماتے ''اسے کیا ہوگیا ہے؟ اس کی پیشانی غبار آلود ہو۔'' (اس عبارت کی شرح میں کہا گیا ہے کہ اس سے نبی ﷺ کی مراد کثرت سجود کی دعا ہے کیونکہ اس میں اس کی ہدایت اور اصلاح ہے)۔'' ②

وہ غیبت نہیں کرتا:

سچا اور حقیقی مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں کے عیوب کو راز رکھتا ہے اور ان کی غیبت نہیں کرتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ غیبت نص قرآنی سے حرام ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَن يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ﴾ (الحجرات: ١٢)

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: ٢٥٩٤۔

② بخاری، کتاب الادب، باب لم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفاحشا: ٦٠٣١۔

''اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے، کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے، دیکھو! تم اس سے گھن کھاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اللہ تعالیٰ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔''

قرآن کریم نے غیبت کرنے والے کی جو بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ وہ اپنے بھائی کی غیر موجودگی میں اپنے منہ سے جو کلمات کہتا ہے تو گویا اپنے مردار بھائی کا گوشت کھاتا ہے اسے سن کر اسلامی آداب اختیار کرنے والے اور اسلامی اخلاق کے سر چشمہ سے سیرابی و آسودگی حاصل کرنے والے ذکی الحس مسلمان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے چنانچہ وہ تقویٰ کی طرف سبقت کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آیت کے آخر میں حکم دیا ہے اور اگر کبھی وہ غیبت میں ملوث ہو جاتا ہے تو فوراً اخلاص کے ساتھ سچی توبہ کرتا ہے اور وہ اپنی زبان روک لیتا ہے اور اپنے بھائیوں کے بارے میں صرف خیر ہی کے کلمات زبان سے نکالتا ہے۔ وہ ہمیشہ رسول کریم ﷺ کا یہ فرمان یاد رکھتا ہے:

''جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔'' فرمایا: ''غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کے بارے میں اس کے پیٹھ پیچھے ایسی بات کہو جو اسے ناپسند ہو۔'' کسی نے عرض کیا: ''اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں کہہ رہا ہوں تو کیا یہ بھی غیبت ہوگی؟'' فرمایا:

((اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ وَ اِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ)) [1]

''جو کچھ تم اس کے بارے میں کہہ رہے ہو اگر وہ اس میں موجود ہے تو یہی غیبت ہے اگر اس میں موجود نہیں تو یہ تو بہتان ہوگا۔''

متقی مسلمان کھلی اور خفیہ غیبت دونوں سے اجتناب کرتا ہے اور پوری کوشش کرتا ہے کہ وہ کسی حال میں اپنے بھائی کا گوشت کھانے والا نہ ہو۔ اسی طرح وہ اپنی زبان پر قابو رکھتا ہے

---

1. مسلم، كتاب البر والصلة، باب تحريم الغيبة: ٢٥٨٩۔

تاکہ وہ اسے جہنم میں لے جانے کا سبب نہ بنے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرمائی۔ آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر (سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا:

''اس کو روکو!'' سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! کیا ہماری گفتگو کا بھی ہم سے مؤاخذہ ہوگا؟'' نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ ! وَ هَلْ يُكَبُّ النَّاسُ فِي النَّارِ عَلَى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ» ①

''اے معاذ! تمھاری ماں تمھیں گم پائے، لوگ جہنم کی آگ میں چہرے کے بل یا اپنے نتھنوں کے بل اسی زبان کی بدولت گرائے جائیں گے۔''

کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی بیان کرنا بری عادت ہے، یہ مردوں میں نہیں پائی جاتی بلکہ مردوں سے مشابہ دو چہرے رکھنے والے ان بزدل لوگوں میں پائی جاتی ہے جو لوگوں کے سامنے تو بھائیوں اور دوستوں کی غیبت کرتے ہیں مگر جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ہنس ہنس کر اور خندہ پیشانی سے ملتے ہیں اور دوستی اور محبت و مودت کا اظہار کرتے ہیں۔ حقیقی مسلمان غیبت اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے سے کوسوں دور رہتا ہے کیونکہ اسلام نے اسے مردانگی سکھائی ہے۔ استقامت کی تلقین کی ہے۔ قول و عمل میں تقویٰ کو پسندیدہ قرار دیا ہے اور نفاق، رنگ بدلنے اور تذبذب میں رہنے کو ناپسند قرار دیا ہے۔ اسلام نے مسلمان کو ان خصلتوں سے شدید نفرت دلائی ہے چنانچہ دو چہرے والے شخص کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک برے لوگوں میں سے قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«تَجِدُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ اللّٰهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ، الَّذِي يَأْتِي

---

① ترمذی، کتاب الإیمان، باب ما جاء فی حرمة الصلاة: ٢٦١٦۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب ما قیل فی ذی الوجهین: ٦٠٥٨۔ مسلم، کتاب البر و الصلة: باب ذی الوجهین، قبل الحدیث: ٢٦٠٥۔

هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ» ②

''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہوگا جو دو چہرے رکھتا ہو، کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے سے جاتا ہو اور کچھ لوگوں کے پاس دوسرے چہرے سے۔''

حقیقی مسلمان صرف ایک چہرہ رکھتا ہے نہ کہ دو چہرے۔ اس کا چہرہ تاباں، درخشاں، روشن اور واضح ہوتا ہے۔ وہ اپنے چہرے کے ساتھ صرف خاص لوگوں سے نہیں ملتا بلکہ تمام لوگوں سے ملتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ دو چہرے رکھنا نفاق ہے اور اسلام اور نفاق کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور دو چہرے رکھنے والا شخص منافق ہے اور منافق جہنم میں سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

مومن کا لغویات سے اجتناب برتنا:

حقیقی مسلمان اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بے مقصد اور فضول لڑائی جھگڑا اور تنازعہ کر کے انھیں پریشانی میں مبتلا نہیں کرتا۔ نہ ان سے بے جا ہنسی مذاق کر کے انھیں دق کرتا ہے اور نہ ان سے کوئی وعدہ کر کے خلاف ورزی ہی کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد سے رہنمائی حاصل کرتا ہے:

''اپنے بھائی سے لڑائی جھگڑا نہ کرو، نہ اس سے حد سے زیادہ ہنسی مذاق کرو اور نہ اس سے کوئی وعدہ کر کے خلاف ورزی کرو۔'' ①

اس لیے کہ لڑائی جھگڑے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور بے جا ہنسی مذاق بیشتر اوقات نفرت اور کراہیت تک پہنچا دیتا ہے اور اس سے وقار مجروح ہوتا ہے۔ وعدہ خلافی سے نفوس میں کدورت آجاتی ہے اور دلوں سے محبت نکل جاتی ہے اس لیے سچا مسلمان ان

---

① الأدب المفرد: ٣٩٤، ضعيف۔ هداية الرواة: ٤٨١٨۔

سب چیزوں سے بہت دور رہتا ہے۔

فیاضی اور ایثار سے کام لینا:

حقیقی مسلمان سخی اور فیاض ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ کشادہ اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں پر پوری سخاوت سے خرچ کرتا ہے اور یہ چیز بدیہی اور عیاں ہے کہ اس کے تمام دوست اہل ایمان اور متقی ہوتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ)) ①

''صرف مومن کو اپنا رفیق اور ساتھی بناؤ اور تمھارا کھانا صرف متقی ہی کھانے پائے۔''

اس ارشاد نبوی سے رہنمائی حاصل کرتے ہوئے باشعور مسلمان سخاوت و فیاضی کے موقعوں، مناسبتوں اور اسباب و محرکات سے اچھی طرح واقف ہوتا ہے چنانچہ وہ صرف اہل ایمان اور متقی بھائیوں اور دوستوں کا اعزاز و اکرام کرتا ہے اور ان پر پوری سخاوت سے مال خرچ کرتا ہے۔ سرکش، ملحدین معاشرہ کے کمینہ اور ذلیل لوگوں کے شر سے بچنے کے لیے یا اگر وہ صاحب اقتدار ہوں تو ان کا تقرب حاصل کرنے کی خاطر، ان کے لیے ''دو چہرے والی گائے'' بننے پر تیار نہیں ہوتا۔ یہ لوگ دین دار، سادہ لوح اور فیاض لوگوں کا استحصال کرنے اور ان سے بے جا فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے، اس لیے ان کے پر تکلف دستر خوانوں پر جتے رہتے ہیں اور اس سخاوت پر اپنے جی ہی جی میں ہنستے رہتے ہیں جس کا سادہ لوح لوگ بے محل اہتمام کرتے ہیں۔

باشعور مسلمان فیاض اور سخی ہوتا ہے لیکن اس کی سخاوت موقع محل کی مناسبت سے ہوتی ہے۔ سخاوت کا شمار اسلام کے بنیادی اخلاق میں ہوتا ہے جس سے سخاوت کرنے والے کو جمال، زینت اور سربلندی حاصل ہوتی ہے۔ وہ لوگوں کے درمیان محبوب ہو جاتا ہے اور

---

① ابو داؤد، كتاب الأدب، باب من يؤمر أن يجالس : ٤٨٣٢۔ ترمذی، كتاب الزهد، باب ماجاء في صحبة المؤمن : ٢٣٩٥۔

لوگ اس سے قریب ہو جاتے ہیں۔ یہ خصلت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں پوری طرح راسخ تھی اور ان کے نزدیک اس سے آراستہ ہونا سب سے محبوب، پسندیدہ اور نیک عمل تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، ارشاد فرمایا:

''اپنے بھائیوں کو ایک یا دو صاع کھانے پر جمع کرنا میرے نزدیک اس سے زیادہ محبوب ہے کہ بازار میں جا کر ایک غلام کو آزاد کر دوں۔''[1]

اس لیے کہ کھانے پر ایسی دوستانہ ملاقاتیں بھائیوں اور دوستوں کے درمیان محبت کے تعلقات کو مستحکم کرتی ہیں۔ ان میں ہمدردی و مہربانی کی روح کو تقویت پہنچاتی ہیں اور ان کی زندگی میں انسانی جذبہ کو پروان چڑھاتی ہیں جبکہ جدید مادی تہذیب کے زیر سایہ زندگی گزارنے والا انسان ان سے یکسر محروم رہتا ہے۔ وہ صرف اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے اور صرف اپنا مفاد پیش نظر رکھتا ہے یہی سبب ہے کہ وہ روحانیت سے بے بہرہ اور جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے دوستی اور مخلص دوستوں سے محرومی کو شدت سے محسوس کرتا ہے۔ آج مغرب میں کتے پالنے، ان کے ساتھ گھل مل کر رہنے اور ان سے دلچسپی رکھنے کا جو رواج ہم دیکھتے ہیں دراصل وہ بدل ہے انسانی جذبہ کی سیرابی سے محرومی اور فقدان کا، جس کے سوتوں کو اس مادی فلسفہ نے خشک کر دیا ہے جسے اس نے اپنا دین اور اوڑھنا بچھونا بنا لیا ہے۔ ایک فرانسیسی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرانس میں تقریباً ستر لاکھ کتے ہیں جبکہ وہاں کے باشندوں کی تعداد پانچ کروڑ بیس لاکھ ہے۔ یہ کتے اپنے مالکوں کے ساتھ اس طرح رہتے ہیں گویا ان کے رشتہ دار ہوں۔ پیرس کے ہوٹلوں میں یہ بات کوئی عجیب وغریب نہیں کہ کتے اور اس کے مالک دونوں کو ایک دستر خوان پر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا جائے۔ پیرس میں انجمن تحفظ حیوانات کے ایک ذمہ دار سے جب سوال کیا گیا کہ فرانس کے لوگ کتوں کے ساتھ انسانوں جیسا معاملہ کیوں کرتے ہیں تو اس نے جواب دیا:

---

[1] الأدب المفرد: ٥٦٠، ضعيف۔

"کیونکہ وہ لوگ محبت کرنا چاہتے ہیں لیکن انسانوں کے درمیان انھیں کوئی ایسا نہیں ملتا جس سے محبت کریں۔"①

مادی انسان......خواہ مغرب کا رہنے والا ہو یا مشرق کا...... اپنے معاشرہ میں کوئی وفادار اور محبت کرنے والا دوست نہیں پاتا کہ اس پر اپنی محبت اور جذبات قربان کر دے چنانچہ اپنے اس جذبہ کی تسکین کے لیے اس نے حیوانات کی طرف رخ کیا جن میں کہ اس نے اپنے اردگرد کے لوگوں سے زیادہ محبت اور وفاداری محسوس کی۔ کیا اس کے بعد بھی انسان کی کوئی پستی ہو سکتی ہے کہ وہ جانوروں سے انسیت اور دوستی رکھے اور ان کے ساتھ اس کا اٹھنا بیٹھنا ہو؟ نور ہدایت سے محروم ہونے اور نعمت ایمان سے بے بہرہ ہونے کے بعد اس سے بڑھ کر گراوٹ و پستی اور کیا ہو سکتی ہے!!

اس جذباتی پستی نے جس میں مغرب کا انسان مبتلا ہو گیا ہے اور جس نے اس کے نفس میں انسانی شعور کے سرچشموں کو خشک کر دیا ہے، دیارِ غیر میں جا کر بسنے والے ادیبوں کو متوجہ کیا (خواہ وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) انھوں نے مغرب کی مادی زندگی کا مشاہدہ کیا جس نے مغربی معاشروں میں "انسان" کو نابود کر دیا ہے اور اسے ایک مشین بنا دیا ہے۔ وہ زندگی میں محنت، پیداوار اور کسب معاش کی زبردست دوڑ کے علاوہ کچھ نہیں جانتا۔ نہ اس کا دل کسی دوست سے ملاقات ہونے پر ہشاش بشاش ہوتا ہے اور نہ کسی ساتھی کی ملاقات سے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آتی ہے بلکہ وہ ہر چیز سے غافل اور بے پروا، عجلت، مشین اور کاموں کے انبار میں کھویا رہتا ہے۔ جب انھوں نے یہ دیکھا تو وہ ششدر رہ گئے۔ ان لوگوں نے تو دیار اسلام میں پرورش پائی تھی۔ اس کی روحانیت کی کھلی فضاؤں میں سانس لی تھی اور ان کے دل برادرانہ محبت و الفت سے معمور تھے چنانچہ انھوں نے مغرب کے

---

① مولانا وحید الدین خان کے ایک مقالہ "اسلامی شریعت کا نفاذ ہر زمان و مکان میں واجب ہے" سے ماخوذ۔

باشندوں کو پوری حرارت اور گرمجوشی کے ساتھ محبت، بھائی چارہ اور میل ملاپ کی طرف دعوت دی۔ مندرجہ ذیل اشعار میں شاعر نے اسی دعوت انسانی کا پیغام دیا ہے۔ وہ مغربی انسان کو آواز دیتا ہے کہ جس کے دل پر مادیت کا تسلط ہوگیا، جس کی نگاہوں کو تہذیب جدید کی روشنی نے خیرہ کر دیا اور جس کے کانوں کو مشینوں کی گڑگڑاہٹ نے بہرہ کر دیا ہے، وہ کہتا ہے:

يَا ابْنَ وُدِّى ! يَا صَاحِبِىُ ! يَا رَفِيُقِى!
لَيُسَ حُبِّىُ تَطَفُّلًا اَوُ ثَقَالَةُ
فَاَجِبْنِىُ "بِيَا اَخِىُ!" يَا صَدِيُقِىُ
وَ أَعِدُ اِنَّهَا اَلَذُّ مَقَالَةُ
وَ اِذَا شِئُتَ اَنُ تَسِيُرَ وَحِيُدًا
وَ اِذَا مَا اعُتَرَتُكَ مِنِّىُ مَلَالَةُ
فَامُضِ لَكِنَّمَا سَتَسُمَعُ صَوُتِىُ
صَارِخًا " يَا اَخِىُ " يُؤَدِّى الرِّسَالَةُ
وَسَيَأْتِيُكَ اَيُنَ كُنُتَ صَدَى حُبِّىُ
فَتَدُرِىُ جَمَالَهُ وَ جَلَالَهُ

''اے میرے دوست! اے میرے ساتھی! اے میرے رفیق! میری محبت کوئی بچگانہ حرکت یا بھاری بوجھ نہیں ہے! تم مجھے بھی جواباً کہو'' اے میرے بھائی! اے میرے دوست!'' اور بار بار کہو! یہ کتنا فرحت آگیں اور لذت بخش کلمہ ہے اور اگر تم تنہا ہی رہنا چاہتے ہو اور تمھیں میری طرف سے کوئی ملال ہے تو جاؤ مگر عنقریب میری آواز تمھارا تعاقب کرے گی۔ اے میرے بھائی! اور تم تک پیغام پہنچا کر رہے گی۔ تم جہاں بھی رہو گے میری محبت کی بازگشت تمھیں سنائی دے گی

اور تم اس کے جمال اور جلال کا احساس کر لو گے۔"

اس دیار میں مادی زندگی کی تکالیف جب "یوسف اسعد غانم" پر حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں تو وہ اس زندگی سے مایوس ہو جاتا ہے جو ذمہ داریوں سے بوجھل اور خشک مادی دھارے کے بھنور میں پھنسی ہوئی ہے اور اس پر روحانیت، بھائی چارہ اور لطف و ہمدردی سے بھر پور تر و تازہ اور خوشگوار جھونکا نہیں بھیجتی۔ اس کے دل میں دیار اسلام کی عربی سرزمین کی طرف رغبت و اشتیاق کے سرچشمے موجزن ہو جاتے ہیں۔ وہ سرزمین جو مہبط نبوت ہے، روحانیت کا سرچشمہ ہے اور محبت و اخوت اور صدق و صفا کا مرکز ہے چنانچہ وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ کسی عربی خیمہ میں زندگی گزارے اور تہذیب و تمدن کی دنیا کو اور اس کے شور و شغب، چیخ و پکار اور اس کی خیرہ کر دینے والی روشنیوں کو خیر باد کہہ دے۔ چنانچہ وہ کہتا ہے:

"اگر میری پوری زندگی مختصر ہو جائے اور کسی زمین عرب پر گزرے تو ایسی مختصر زندگی پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کروں گا جو ایسی دنیا میں گزرے جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے درست کر دیے ہوں ...... میں مغرب میں رہتے رہتے تھک گیا ہوں، یہاں تک اکتا گیا ہوں کہ مجھ سے کار اور ہوائی جہاز لے لو اور مجھے اونٹ اور گھوڑا دے دو۔ مغربی دنیا، اس کی سرزمین، اس کے سمندر اور اس کے آسمان لے لو اور مجھے ایک عربی خیمہ دے دو، جسے میں اپنے وطن لبنان کے کسی ٹیلے پر، بردی کے کنارے، دجلہ و فرات کے ساحل پر، عمان کے نواح میں، سعودیہ کے صحرا میں، یمن کے بیابانوں میں، اہرام کے دامن میں یا لیبیا کے نخلستانوں میں نصب کروں۔ مجھے ایک عربی خیمہ دے دو۔ میں اسے ایک پلڑے میں رکھوں گا اور پوری دنیا کو دوسرے پلڑے میں، پھر بھی میں فائدہ میں رہوں گا۔"

''ادب مہجر'' نامی کتاب میں بہت سی نصوص میں اس طرح کے نغمے بیان کیے گئے ہیں۔ یہاں صرف دو نصوص پر اکتفا کرتا ہوں۔ یہ سب نصوص مہاجرین کی جذباتی آسودگی اور سیرابی کی خواہش کی تصویر کشی کرتے ہیں جس سے وہ عالم مغرب میں محروم ہیں۔ اس محرومی نے ان کے نفوس میں مشرق کی طرف شوق و رغبت کے سوتے جاری کر دیے ہیں۔ جہاں اسلام کی بدولت محبت و اخوت، رحم و ہمدردی اور تکافل وتعاون عام ہے۔

اسلام نے جہاں بھائیوں سے روابط رکھنا اور ملاقاتیں کرنا پسندیدہ قرار دیا ہے اور کرم، سخاوت، فیاضی اور داد و دہش میں منافست و مسابقت کو مستحسن بتلایا ہے جس سے کہ باہم اخوت کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے وہیں مسلمان بھائی کی دعوت قبول کرنا بھی واجب قرار دیا ہے۔ جس میں کوتاہی کسی طرح مناسب اور پسندیدہ نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بھائیوں کی دعوت پر لبیک کہتے تھے بلکہ دعوت قبول کرنا اپنے بھائی کا حق سمجھتے تھے اور اپنے آپ پر واجب گمان کرتے تھے کہ اگر اس کی ادائیگی میں تقصیر کی تو گناہگار ہوں گے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام بخاری نے الادب المفرد میں سیدنا زیاد بن انعم افریقی سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

''ہم سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک جنگ میں سمندر کا سفر کر رہے تھے۔ ہمارا بیڑا سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے بیڑے سے جا ملا۔ جب دوپہر کے کھانے کا وقت ہوا تو ہم نے آپ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے اور فرمایا: ''تم لوگوں نے مجھے دعوت دی اس لیے مجھے آنا پڑا حالانکہ میں روزہ سے تھا، اس لیے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

''مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق واجب ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے ایک حق بھی چھوڑ دے تو گویا اس نے اپنے آپ پر بھائی کا واجب حق ترک کر دیا۔ جب اس سے ملاقات ہو تو سلام کرے۔ جب دعوت دے تو قبول کرے۔ جب

چھینک آئے تو ''یرحمک اللہ'' کہے۔ جب بیمار ہو تو عیادت کرے۔ جب انتقال کر جائے تو جنازہ کے ساتھ جائے۔ جب نصیحت چاہے تو خیر خواہی کرے۔''[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بھائی کی دعوت کو بغیر عذر کے قبول نہ کرنے کو معصیت گردانتے تھے اور اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سمجھتے تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

((شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُمْنَعُهَا مَنْ يَأْتِيهَا وَ يُدْعٰى إِلَيْهَا مَنْ يَأْبَاهَا وَ مَنْ لَمْ يُجِبِ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ عَزَّ وَ جَلَّ وَ رَسُولَهُ))[2]

''سب سے برا کھانا ایسے ولیمہ کا کھانا ہے جس میں ان لوگوں کو نہ بلایا جائے جو آنا چاہیں اور ان لوگوں کو دعوت دی جائے جو آنے سے معذرت کر دیں۔ جس نے دعوت قبول نہیں کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔''

اخوت ایمانی محض نعرہ نہیں ہے کہ جسے بلند کیا جائے، نہ ڈینگ ہی ہے کہ جس سے اعلان اور پروپیگنڈا مقصود ہو بلکہ یہ ایک مقدس رابطہ ہے جس کے کچھ فرائض، کچھ ذمہ داریاں اور کچھ حقوق ہیں، ان حقوق و فرائض کو وہ شخص اچھی طرح جانتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا ہو جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے اور وہ اسلام کے حقائق کے بارے میں راسخ عقیدہ رکھتا ہو۔ اس ایمان کا اثر اور اس عقیدہ کا ثمرہ ہم انصار کے کردار میں دیکھتے ہیں جنھوں نے اپنے مہاجر بھائیوں کے ساتھ محبت اور ایثار کی اعلیٰ مثال قائم کر دی۔ جب مہاجرین اپنے دین و ایمان کے ساتھ ہجرت کر کے تہی دست ان کے پاس آئے تو انصار نے ان کے سامنے اپنی ہر چیز پیش کر دی۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک

---

1. مسلم، کتاب السلام، باب حق المسلم للمسلم رد السلام: ٢١٦٢۔
2. مسلم، کتاب النکاح، باب الأمر بإجابة الداعی إلی دعوة: ١٤٣٢۔ بخاری، کتاب النکاح، باب من ترك الدعوة فقد عصی الله ورسوله: ٥١٧٧۔

انصار اپنے مہاجر بھائی سے یہاں تک کہہ دیتا ہے کہ ''یہ میرا مال ہے آدھا حصہ تم لے لو، یہ میری دو بیویاں ہیں ان میں سے جو تمھیں پسند آئے اس کا نام بتاؤ، میں اسے طلاق دوں تاکہ عدت پوری کرنے کے بعد وہ تمھاری بیوی بن سکے'' اور مہاجر بھی اپنے انصاری بھائی کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اس سے اچھا جواب دیتا ہے، کہتا ہے:

''اللہ تعالیٰ آپ کے مال اور اہل میں برکت عطا کرے۔ مجھے ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں، مجھے بازار کا راستہ بتا دیجیے تاکہ میں کام کروں۔''

انصاری اپنے مہاجر بھائی کی ضیافت کرتا ہے۔ گھر میں کھانے کو کچھ نہیں صرف بچوں کا کھانا ہے۔ وہ مہمان کو اپنے آپ پر اور اپنے بچوں پر ترجیح دیتا ہے اور بیوی سے کہتا ہے: ''بچوں کو سلا دو، چراغ گل کر دو اور جو کچھ ہے اسے مہمان کے سامنے پیش کر دو۔ ہم لوگ بھی ان کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھ جائیں گے اور ان پر ظاہر کریں گے کہ ہم لوگ بھی کھا رہے ہیں۔ وہ دستر خوان پر بیٹھ جاتے ہیں۔ صرف مہمان کھاتا رہتا ہے اور دونوں میاں بیوی بھوکے سو رہتے ہیں۔ صبح انصاری نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں:

((قَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ)) [1]

''تم نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کو وہ بہت پسند آیا ہے۔''

انصار نے مہاجرین کے ساتھ اس حد تک ایثار اور اپنے مال کے ذریعے ان کی مدد کی کہ انھوں نے نبی ﷺ سے کہہ دیا:

''ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے درمیان کھجور کے باغات تقسیم کر دیجیے۔''

آپ ﷺ نے تقسیم کرنے سے انکار کیا تو انصار نے مہاجرین سے کہا: ''آپ

---

[1] مسلم، کتاب الأشربة، باب إکرام الضیف و فضل إیثاره: ٢٠٥٤۔ بخاری، کتاب التفسیر، باب قوله " وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ ": ٤٨٨٩۔

لوگ ہمارے ساتھ کام میں تعاون کریں، ہم آپ کو پھل میں شریک کرلیں گے۔" مہاجرین نے کہا: "بسر وچشم قبول ہے۔"①

مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں کے اس عمل کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا چنانچہ انھوں نے نبی ﷺ سے عرض کیا:

"یا رسول اللہ! ہم نے (انصار کی طرح) کسی کو نہیں پایا کہ ہم ان کے یہاں آئے تو انھوں نے کم چیز میں بھی اچھی طرح مواسات کی اور مدد دی اور زیادہ چیز میں بھی خوب سخاوت سے خرچ کیا۔ ہم نے کام میں ان کے ساتھ تعاون کیا تو انھوں نے ہمیں بلا مشقت ملنے والی چیزوں میں بھی شریک کیا۔ ہمیں ڈر ہے کہ کہیں پورے کا پورا اجر وہی نہ لے جائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جب تک تم ان کے اس عمل پر ان کی تعریف کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ سے ان کے لیے دعا کرتے رہو گے، تم بھی اجر سے محروم نہیں ہو گے۔"②

انصار کے فخر کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تعریف کی اور ان کے اچھے عمل کو سراہا ہے۔ قرآن مجید نے ان کے بے مثل ایثار کا قصہ بیان کیا ہے اور نفس کی حرص وطمع سے آزادی کے حقیقی زندہ وجاوید اور بلند نمونے ہمیشہ کے لیے ثبت کر دیے ہیں:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

(الحشر: ۹)

---

① بخاری، کتاب الحرث والمزارعة، باب إذا قال اكفنی مؤونة النخل وغيره و تشركنی فی الثمر: ۲۳۲۵۔

② ترمذی، کتاب صفة القيامة، باب ثناء المهاجرين على صنيع الانصار معهم: ۲۴۸۷۔

''جو ان مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے، یہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو کچھ بھی انھیں دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت تک یہ اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں، خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

قرآن کریم میں انصار کی یہ درخشاں و تابندہ تصویر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ خود غرضیوں، ذاتی مفاد، حرص و ہوس اور بخل کی تاریکیوں میں مشعل ہدایت اور مینارۂ نور کا کام دے گی اور جب بھی لوگوں کو انفاق، سخاوت و فیاضی اور ایثار کی طرف دعوت دی جائے گی تو انصار کا نام بطور مثال لیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب انصار اور مہاجرین کے درمیان مؤاخات کرائی تھی تو تبھی انصار نے سمجھ لیا تھا کہ ''اخوت ایمان'' کا کیا مطلب ہے؟ چنانچہ انھوں نے سچے ایمان کا مظاہرہ کیا۔ جو کچھ اپنے لیے پسند کیا وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کیا۔ جیسا کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا، انھوں نے دنیا کی کوئی چیز اپنے لیے خاص نہیں کی بلکہ وہ جن چیزوں کے مالک تھے ان میں سے نصف سے برضا و رغبت اور خوش دلی کے ساتھ اپنے بھائیوں کے حق میں دست بردار ہو گئے۔ ہجرت کے بعد ابتدا میں انصار کے رشتہ داروں کے بجائے مہاجرین ان کے وارث ہوتے تھے، اس اخوت کی بنیاد پر جس کا علم نبی ﷺ نے بلند کیا تھا۔ اس کی شہادت اس حدیث سے ملتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

''مہاجرین مدینہ آئے اور نبی ﷺ نے انصار و مہاجرین میں مؤاخات کرا دی تو اس اخوت کی بنا پر انصار کے رشتہ دار کے بجائے مہاجر انصار کی میراث کا حق دار ہوتا تھا لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ ﴾ (الاحزاب : ٦)

''رشتہ دار ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں''

تو مہاجرین کے لیے میراث کا حق منسوخ ہوگیا۔ ہاں باہمی تعاون و مدد، داد و دہش اور ایثار و مواسات کا سلسلہ اب بھی باقی رہا۔

مومن کا اپنے مومن بھائی کے لیے غائبانہ دعا کرنا:

حقیقی اور سچا مسلمان جو اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، خلوص کی گھڑیوں میں اپنے بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے۔ ایسی دعا میں جو ایک شخص کسی غیر موجود شخص کے لیے کرتا ہے، سچی محبت کرنے والے دل کی دھڑکن اور شفاف اور مہربان روح کی بالیدگی نمایاں ہوتی ہے۔ اس کے لیے خیر کی دعا کرنے سے اس سے مزید محبت پیدا ہوتی ہے اور اس کے دل میں بے لوث اخوت کا رشتہ مستحکم ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ایسی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے کیونکہ وہ اخلاص، صدق اور صاف دلی پر مبنی ہوتی ہے۔ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''سب سے جلد قبول ہونے والی دعا وہ ہے جو کوئی شخص کسی غیر موجود شخص کے لیے کرے۔''①

اسی لیے جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رسول کریم ﷺ سے عمرہ کی اجازت لینے کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: ''میرے لیے دعا کرنا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''میں نے نبی ﷺ سے عمرہ کی اجازت چاہی۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی اور فرمایا: ''اے میرے بھائی! ہمیں اپنی دعاؤں میں نہ بھولنا۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔'' مجھے اس سے اتنی خوشی ہوئی کہ اگر پوری دنیا مل جاتی تب بھی

① الأدب المفرد : ٦٢٥، صحیح ـ الصحيحة : ١٣٣٩ ـ

اتنی خوشی نہ ہوتی۔''[1]

صحابہ کے دلوں میں یہ مفہوم جاگزیں اور پیوست ہوگیا تھا چنانچہ انھوں نے اپنے بھائیوں سے ہر اس جگہ دعا کی درخواست کی جہاں قبولیت کی امید ہو۔ مرد اور عورت دونوں یہ درخواست کیا کرتے تھے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری تاریخ کے اس تابناک دور میں معاشرہ کا معیار کس قدر بلند تھا۔ امام بخاری نے الادب المفرد میں سیدنا صفوان بن عبداللہ بن صفوان سے روایت کیا ہے (درداء بنت ابو الدرداء ان کی بیوی تھیں) کہ میں شام گیا تو ان کے گھر گیا۔ گھر میں ام الدرداء رضی اللہ عنہا تھیں، ابو الدرداء رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے۔ ام الدرداء نے مجھ سے کہا: ''کیا حج کے لیے جانا چاہتے ہو'' میں نے کہا: ''ہاں!'' انھوں نے کہا: ''ہمارے لیے خیر کی دعا کرنا کیونکہ نبی ﷺ فرمایا کرتے تھے:

«دَعْوَةُ الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ مُسْتَجَابَةٌ عِنْدَ رَأْسِهِ مَلَكٌ مُوَكَّلٌ كُلَّمَا دَعَا لِأَخِيهِ بِخَيْرٍ قَالَ الْمَلَكُ الْمُوَكَّلُ: آمِينَ! وَلَكَ بِمِثْلٍ»

''مسلمان آدمی کی وہ دعا قبول ہوتی ہے جو وہ اپنے بھائی کے لیے اس کے پیٹھ پیچھے کرتا ہے۔ ایک فرشتہ اس پر مامور رہتا ہے۔ جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے تو وہ مامور فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے کہ یہی بھلائی تجھ کو بھی عطا ہو۔''

صفوان بن عبداللہ فرماتے ہیں: ''بازار میں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے بھی اسی طرح کہا اور نبی ﷺ سے مروی حدیث کا حوالہ دیا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجتماعی روح پروان چڑھاتے اور دوسروں کا خیال

---

[1] ابو داوٗد، کتاب الوتر، باب الدعاء: ۱۴۹۸۔ ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما أصر من استغفر: ۳۵۶۲۔

[2] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الدعاء للمسلمین بظهر الغیب: ۲۷۳۳۔

رکھنے کا احساس عام کرتے تھے چنانچہ آپ ﷺ انھیں ہر موقع پر عام بھائی چارہ کا احساس دلاتے تھے تاکہ اس طرح کسی مسلمان کے دل میں تنگ شخصی یا انانیت نہ باقی رہ جائے جس سے نگاہوں کی بینائی سلب ہو جاتی ہے، دلوں پر مہر لگ جاتی ہے اور نفوس زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔

آپ ﷺ کی ان بہترین تنبیہوں میں سے جن سے نفس میں اجتماعی اخوت کی روح پیدا ہوتی ہے اور شخصی انانیت کے جراثیم نکل جاتے ہیں، ایک وہ واقعہ بھی ہے کہ ایک شخص نے بلند آواز سے یہ دعا مانگی:

« اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَ لِمُحَمَّدٍ وَحْدَنَا قَالَ لَهُ : لَقَدْ حَجَبْتَهَا عَنْ نَاسٍ كَثِيْرِيْنَ »[1]

''اے اللہ! صرف میری اور محمد (ﷺ) کی مغفرت فرما دے۔'' تو آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: ''تم نے بہت سے لوگوں کو محروم کر دیا۔''

اس طرح آپ ﷺ نے اسے یہ تعلیم دی کہ اسلامی روح یہ نہیں کہ آدمی کسی خیر کو صرف اپنے تک محدود رکھے خواہ اپنے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھی شریک کر لے بلکہ مومن کے شایان شان یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے ایک سچے مسلمان کی جو تصویر ہمارے سامنے ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ ان کے لیے مخلص اور ان کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ ان کی شہرت، عزت و آبرو اور مال کی حفاظت کرتا ہے۔ خواہ وہ حاضر ہوں یا غیر موجود، انھیں اپنے آپ پر ترجیح دیتا ہے، ان پر ایثار کرتا ہے، ان کی لغزشوں پر عفو و درگزر سے کام لیتا ہے اور ان کے ساتھ رہن سہن میں اچھی طرح پیش آتا

---

1. الأدب المفرد: ٦٢٦، صحيح - الإرواء الغليل: ١٧١-

ہے۔ ان کے ساتھ نرم اخلاق کا برتاؤ کرتا ہے، ان سے خندہ روئی سے ملاقات کرتا ہے اور اس کا کردار انتہائی پاکیزہ ہوتا ہے۔ اس کا ہاتھ، زبان یا دیگر اعضا ناجائز چیزوں میں ملوث نہیں ہوتے۔ وہ سخی ہوتا ہے بخل نہیں کرتا۔ وہ سچا ہوتا ہے جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ محبت کرنے والا ہوتا ہے کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ وہ وفادار ہوتا ہے خیانت نہیں کرتا۔ وہ روشن ضمیر اور شریف ہوتا ہے غداری نہیں کرتا۔ وہ ایک حالت پر رہتا ہے رنگ نہیں بدلتا۔ ایک مسلمان میں ان تمام صفات کا جمع ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ اسلام ہی کا معجزہ ہے کہ اس نے ایک انسان میں یہ چیزیں جمع کر دی ہیں۔ یہ ہے ایک مسلمان کی حقیقی تصویر جیسا کہ اسلام اس کو دیکھنا چاہتا ہے۔

باب نہم

مسلمان کا تعلق اپنے معاشرہ کے ساتھ

اے میرے دوست! اے میرے ساتھی! اے میرے رفیق! میری محبت کوئی بچگانہ حرکت یا بھاری بوجھ نہیں ہے! تم مجھے بھی جواباً کہو" اے میرے بھائی! اے میرے دوست!" اور بار بار کہو! یہ کتنا فرحت آگیں اور لذت بخش کلمہ ہے اور اگر تم تنہا ہی رہنا چاہتے ہو اور تمھیں میری طرف سے کوئی ملال ہے تو جاؤ مگر عنقریب میری آواز تمھارا تعاقب کرے گی۔ اے میرے بھائی! اور تم تک پیغام پہنچا کر رہے گی۔ تم جہاں بھی رہو گے میری محبت کی بازگشت تمھیں سنائی دے گی اور تم اس کے جمال اور جلال کا احساس کر لو گے۔"

مسلمان کا تعلق اپنے معاشرہ کے ساتھ

دینی احکام سے واقفیت رکھنے والا مسلمان مدنی الطبع اور معاشرتی زندگی کو پسند کرنے والا ہوتا ہے اس لیے کہ وہ زندگی میں ایک پیغام کا حامل ہے اور جو لوگ کسی پیغام کے حامل ہوتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ان کے لوگوں سے روابط ہوں، وہ لوگوں سے ملیں جلیں اور ان سے معاملہ اور لین دین کریں۔

مسلمان کی معاشرت بلند طرز پر ظاہر ہوتی ہے کیونکہ وہ دین حق کے احکام سیکھتا ہے اور اس کے بلند اور پاکیزہ انسانی اخلاق کو اپنی زندگی میں جاری و ساری کرتا ہے جس کی طرف اسلام نے دعوت دی اور معاشرتی معاملات میں ان کے اختیار کرنے پر اکسایا ہے۔
مسلمان کی شخصیت...... جو قرآن کریم کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرتی ہے اور سنت نبویہ مطہرہ کے سرچشمہ سے سیراب ہوتی ہے ایک بے مثل اور عدم النظیر شخصیت ہے جسے کسی ایسی مدنی الطبع شخصیت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جس نے عصر حاضر کے خود ساختہ نظاموں یا ان قدیم قوانین کے تحت پرورش پائی ہو جن کے وضع کرنے میں فلاسفہ و مفکرین نے برسہا برس کی محنتیں صرف کی ہیں۔

مسلمان کی شخصیت ایک ترقی یافتہ معاشرت پسند شخصیت ہے جس کی تربیت و پرداخت مکارم اخلاق کے اس بڑے مجموعے سے ہوئی ہے جن کی اس دین حنیف کے نصوص (قرآن کریم اور حدیث شریف) میں تذکرہ آیا ہے، جن کے اختیار کرنے کو باعث ثواب قرار دیا گیا ہے اور جن کے ترک پر گرفت کی تنبیہ کی گئی ہے۔ اس طرح ایک سچے مسلمان

کی شخصیت ایک سوشل، ترقی یافتہ، مہذب و متمدن، متقی، صاحب خیر اور پاکیزہ انسان کا بہترین نمونہ ہوگئی ہے۔

جو شخص بھی ان نصوص کا مطالعہ اور ان کی تحقیق و جستجو کرے گا وہ ان کی کثرت، استیعاب، جامعیت اور دقت و باریکی کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو جائے گا۔ ان نصوص نے اجتماعی زندگی کے کسی گوشہ کو نہیں چھوڑا بلکہ ہر گوشے کے بارے میں روشن تعلیمات دی ہیں اور اس بلند، درخشاں اور پاکیزہ مقام کی طرف اشارہ کیا ہے جس تک اسلام ایک مسلمان کو لے جانا چاہتا ہے اور بے شک یہ ایک انتہائی بلند مقام ہے بشرطیکہ دل میں اسلام کی حقیقت جاگزیں ہو جائے۔ نفس کے پہلوؤں میں ان کی روشن تعلیمات سرایت کر جائیں۔ اس کی بشاشت روح میں گھل مل جائے اور اس کی اقدار اس کے وجود کو آباد رکھیں۔

جن چیزوں سے مسلمان کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے ان کی بنیاد یہ ہے کہ وہ اپنے اجتماعی کردار میں اور لوگوں سے معاملہ کرنے میں اللہ کی بتائی ہوئی حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ اسلامی عقیدہ کے اس بنیادی اور اہم اصول سے اجتماعی اخلاق کی تفصیلات اور جزئیات نکلتی ہیں جن سے ایک باشعور اور ذکی الحس مسلمان اپنے کردار کو آراستہ کرتا ہے اور اسی راسخ و متین بنیاد پر سچا مسلمان لوگوں کے ساتھ اپنے معاشرتی تعلقات استوار کرتا ہے۔

مسلمان سچ بولتا ہے:

وہ تمام لوگوں کے ساتھ سچائی کا معاملہ کرتا ہے اس لیے کہ اسلامی تعلیمات اس کو یہ تعلیم دیتی ہیں کہ سچائی تمام فضائل کی اصل اور مکارم اخلاق کی بنیاد ہے۔ ساتھ ہی سچائی، نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے جبکہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کا راستہ دکھاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد مبارک میں خبر دی ہے:

«اِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِیْ اِلَى الْبِرِّ وَ اِنَّ الْبِرَّ يَهْدِیْ اِلَى الْجَنَّةِ وَ اِنَّ الرَّجُلَ

لَيَصْدُقُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ صِدِّيقًا وَ اِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَ اِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَ اِنَّ الرَّجُلَ لَيَكْذِبُ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللّٰهِ كَذَّابًا »①

''سچائی نیکی کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے آدمی سچ بولتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سچے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے اور جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹے لوگوں میں لکھ لیا جاتا ہے۔''

اسی وجہ سے سچا مسلمان ہمیشہ سچ بولتا ہے وہ اپنے اقوال و افعال میں سچائی کی روش اختیار کرتا ہے اور یقیناً یہ ایک بلند اور معزز مقام ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچا لکھ لیا جائے۔

دغا بازی اور غداری نہیں کرتا:

سچا مسلمان جو اس بلند مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے، دغا بازی سے کام نہیں لیتا۔ نہ کسی کو دھوکا دیتا ہے اور نہ غداری ہی کرتا ہے۔ اس لیے کہ سچائی کا تقاضا ہے کہ آدمی خیر خواہی کرے، صاف دلی سے پیش آئے، انصاف کرے اور وفاداری کا معاملہ برتے نہ کہ دغا بازی کرے، دھوکا دے، فریب کاری کرے، بے جا حمایت و طرفداری کرے اور غداری کا ارتکاب کرے۔

سچے اور ذکی الحس مسلمان کا وجدان دغا بازی کو برداشت نہیں کرسکتا اور اس کا متحمل نہیں بلکہ اس سے وہ لرزہ براندام ہو جاتا ہے اور اس پر ارتعاش کی کیفیت طاری ہو جاتی

---

① مسلم، كتاب البر والصلة، باب قبح الكذب و حسن الصدق وفضله : ٢٦٠٧ـ بخاری، كتاب الأدب ، باب قول الله تعالى " يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ " ...... الخ : ٦٠٩٤ـ

ہے اس لیے کہ وہ اس کے ارتکاب میں اسلام کی طرف نسبت سے محرومی دیکھتا ہے۔ صحیح مسلم کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«مَنْ حَمَلَ عَلَيْنَا السَّلَاحَ فَلَيْسَ مِنَّا وَ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا» ①

''جو ہم پر ہتھیار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں اور جو ہم سے دغا بازی کرے وہ ہم میں سے نہیں۔''

مسلم ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ غلہ کے ایک ڈھیر کے پاس سے گزرے۔ اس میں اپنا دست مبارک ڈالا تو انگلیوں کو کچھ تری محسوس ہوئی۔ آپ ﷺ نے غلہ کے مالک سے دریافت فرمایا: ''یہ کیا ہے؟'' اس نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! بارش کی وجہ سے ایسا ہو گیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«أَفَلَا جَعَلْتَهُ فَوْقَ الطَّعَامِ كَيْ يَرَاهُ النَّاسُ ، مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنِّي» ②

''تو پھر اس بھیگے ہوئے کو اوپر کیوں نہ کر دیا کہ لوگ اسے دیکھ لیتے، جو ہمیں دھوکا دے وہ ہم میں سے نہیں۔''

مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ ہے جس پر محبت اور خیر خواہی کی فضا چھائی رہتی ہے اور جس کے افراد پر نیکی، سچائی اور وفاداری کا غلبہ ہوتا ہے چنانچہ ایسے معاشرہ میں دغا باز، دھوکا باز، فریب کار، مکار و چالباز، ناشکرے اور غدار شخص کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے دغا بازی، دھوکا بازی اور غداری کی زبردست مذمت فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے دھوکے باز اور غدار شخص کو علیحدہ کرنے اور دنیا میں مسلمانوں کے معاشرہ سے دور کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا کہ غداری کرنے والا ہر شخص قیامت میں اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس کے ہاتھ میں اس کی غداری کا جھنڈا

---

① مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا: ١٠١۔

② مسلم، كتاب الإيمان، باب قول النبي ﷺ من غشنا فليس منا: ١٠٢۔

ہوگا اور ایک منادی کرنے والا حشر کے بڑے میدان میں ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو اس کی غداری کی طرف متوجہ کرے گا، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُقَالُ هٰذِهِ غَدْرَةُ فُلَانٍ» ①

"قیامت میں ہر غدار کا ایک جھنڈا ہوگا اور کہا جائے گا کہ یہ فلاں کی غداری ہے۔"

اس دن غداروں کو کتنی شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا جنھوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ زمانے نے ان کی غداری پر پردہ ڈال دیا مگر قیامت کے دن علی الاعلان لوگوں کے سامنے ان کی غداریاں ظاہر کی جائیں گی اور وہ اپنی اپنی غداری کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

قیامت کے دن ان کی خجالت اور شرمندگی میں اس وقت مزید اضافہ ہو جائے گا جب وہ رسول اللہ ﷺ کو (جن سے اس پر ہیبت مقام پر شفاعت کی توقع اور امید ہوگی) اپنا حریف دیکھیں گے اس لیے کہ انھوں نے کھلی ہوئی غداری کا ارتکاب کیا ہوگا اور یہ بہت بڑا جرم ہے جو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم کر دیتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«ثَلَاثَةٌ أَنَا خَصْمُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: رَجُلٌ أَعْطٰى بِيْ ثُمَّ غَدَرَ وَ رَجُلٌ بَاعَ حُرًّا فَأَكَلَ ثَمَنَهُ وَ رَجُلٌ اسْتَأْجَرَ أَجِيْرًا فَاسْتَوْفٰى مِنْهُ وَلَمْ يُعْطِهِ أَجْرَهُ» ①

"تین شخص ایسے ہیں جن کا قیامت کے دن میں حریف ہوں گا۔ وہ شخص جس نے میرا واسطہ دے کر عہد کیا پھر اس کو وفا نہ کیا۔ دوسرا وہ شخص جس نے آزاد کو بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھایا اور تیسرا وہ شخص جس نے کسی کو مزدور رکھا اور

---

① مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر: ١٧٣٦۔ بخاری، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس بآبائهم: ٦١٧٨۔

② بخاری، كتاب البيوع، باب إثم من باع حرًّا: ٢٢٢٧۔

اس سے پورا کام لیا مگر اس کی اجرت نہ دی۔''

سچا مسلمان جس کے احساسات کو اسلام نے تیز کر دیا ہے اور جس کے نفس میں بصیرت کے دریچے کھول دیے ہیں۔ فریب، دھوکا، دغا، غدر، جھوٹ اور دیگر تمام برائیوں سے وہ نفرت کرتا ہے خواہ ان سے کتنے ہی منافع اور آمدنی کی توقع ہو یا کیسے ہی مفادات حاصل ہو سکتے ہوں اس لیے کہ اسلامی تعلیمات نے اس قسم کی صفات رکھنے والے لوگوں کو منافقوں میں شمار کیا ہے اور منافقین جہنم میں سب سے نچلے درجے میں ہوں گے اور قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَ لَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا﴾
(النساء: ١٤٥)

''یقین جانو کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔''

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((أَرْبَعٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا : إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ وَ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ إِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَ إِذَا خَاصَمَ فَجَرَ)) ①

''چار خصلتیں جس میں پائی جائیں وہ خالص منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے اس میں نفاق کی ایک علامت ہوگی جب تک کہ وہ اسے ترک نہ کر دے: ۱۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ ۲۔ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے۔ ۳۔ جب کوئی وعدہ کرے تو اسے پورا

① بخاری، كتاب الإيمان، باب علامات المنافق : ٣٤ ـ مسلم، كتاب الإيمان، باب خصال المنافق : ٥٨ ـ

نہ کرے۔ ۴۔ جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ بکے۔"

مومن حسد نہیں کرتا:

وہ بری اور ناپسندیدہ صفات جن سے ایک متقی مسلمان کو اجتناب کرنا چاہیے ان میں حسد بھی ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس سے شدت سے ڈرایا ہے:

"حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھاتی ہے۔"①

سچے مسلمان کی صفات یہ ہونی چاہییں کہ اس کا دل دغا بازی، حسد، غداری اور کینہ کی کدورتوں سے پاک ہو۔ کردار کی یہ پاکیزگی ہی انسان کو جنت میں داخل کرتی ہے خواہ اس کا شمار بہت زیادہ عبادت کرنے والوں، راتوں کو نوافل پڑھنے اور دن کو روزہ رکھنے والوں میں نہ ہوتا ہو۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ("حسن" سند سے) اور نسائی نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

"ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تھے کہ اچانک آپ ﷺ نے فرمایا: "تمھارے پاس ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک انصاری نمودار ہوا جس کی ڈاڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا اور جس نے اپنے بائیں ہاتھ میں اپنے جوتے اٹھا رکھے تھے۔ دوسرے دن بھی نبی ﷺ نے ایسا ہی فرمایا اور وہی شخص پہلے کی طرح نمودار ہوا۔ تیسرے دن بھی نبی ﷺ نے یہی بات فرمائی اور وہ شخص اسی حالت میں ظاہر ہوا پھر جب مجلس برخاست ہوئی تو سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے اس شخص کا پیچھا کیا اور اس کے پاس پہنچ کر کہا: "میں نے اپنے باپ سے جھگڑا کر لیا ہے اور تین بار قسم کھالی ہے کہ میں ان کے گھر نہیں جاؤں گا اس لیے اگر آپ مجھے اپنے گھر میں

---

① ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب فی الحسد: ٤٩٠٣۔

پناہ دے دیں تو اچھا ہو گا۔'' انھوں نے کہا: ''ٹھیک ہے۔'' سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے تھے کہ انھوں نے ان کے ساتھ تین راتیں گزاریں مگر ان راتوں میں انھیں کچھ بھی نوافل پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا البتہ وہ صرف یہ کرتے تھے کہ رات کو جب آنکھ کھلتی اور بستر پر کروٹیں بدلتے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے اور اللہ اکبر کہتے، یہاں تک کہ صبح ہو جاتی اور وہ فجر کی نماز کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے۔ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ''میں نے ان سے ہمیشہ خیر کے کلمات ہی سنے۔'' جب تین راتیں گزر گئیں اور مجھے ان کا عمل بے وقعت لگنے لگا تو میں نے ان سے کہا: ''اے اللہ کے بندے! میرے اور میرے باپ کے درمیان نہ لڑائی جھگڑا ہوا تھا نہ میں نے ان سے ترک تعلق کیا تھا حقیقت یہ ہے کہ میں نے تین مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ تمھارے پاس ایک شخص آنے والا ہے جو اہل جنت میں سے ہے اور تینوں مرتبہ آپ ہی نمودار ہوئے، اس لیے میں نے سوچا کہ میں آپ کے پاس رہ کر دیکھوں کہ آخر وہ کون سا عمل ہے جس کی بنا پر آپ اس بلند درجہ تک پہنچ گئے جس کی بشارت نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔'' انھوں نے فرمایا: ''جو کچھ تم نے دیکھا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔'' میں واپس ہونے کے لیے پلٹا تو انھوں نے مجھے بلایا اور کہا:

«مَا هُوَ اِلَّا مَا رَأَيْتَ غَيْرَ أَنِّيْ لَا أَجِدُ فِيْ نَفْسِيْ لِأَحَدٍ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ غِشًّا وَ لَا أَحْسُدُ أَحَدًا عَلٰى خَيْرٍ أَعْطَاهُ اللّٰهُ اِيَّاهُ»

''جو کچھ تم نے دیکھا اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے البتہ میں اپنے دل میں کسی مسلمان کے بارے میں کھوٹ نہیں رکھتا ہوں اور نہ کسی سے حسد رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے فلاں چیز سے کیوں نوازا ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«هٰذِهِ الَّتِي بَلَغَتْ بِكَ وَهِيَ الَّتِي لَا نُطِيقُ» ①

''ہاں یہی چیز ہے جس نے آپ کو اس بلند مرتبے تک پہنچایا ہے اور ہم لوگ ایسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے۔''

اس حدیث سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آخرت میں انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا درجہ بلند کرنے میں صاف دلی، حقد وکینہ سے نفس کی پاکیزگی اور حسد وغداری سے دل کی طہارت کا بہت بڑا دخل ہے۔ اس سے بندے کا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہو جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔ صاف دلی کا یہ اثر بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔ جب ہم اس شخص کا جس نے معمولی عبادت ہی کی تھی مگر پاکیزگی نفس اور لوگوں کو تکلیفیں نہ پہنچانے کی وجہ سے جنت کا مستحق ہوگیا موازنہ اس عورت سے بھی کریں جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ وہ رات میں نوافل پڑھتی ہے اور دن میں روزہ رکھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچاتی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ((هِيَ فِي النَّارِ)) ''وہ جہنمی ہے۔''②

اس لیے کہ اسلام کے ترازو میں جس کا پلڑا بھاری ہوتا ہے وہ وہی شخص ہے جو سچا اور صاف دل ہوتا ہے جس کا نفس دغا بازی، غداری، حسد وکینہ سے پاک ہوتا ہے خواہ وہ عبادت کم ہی کرتا ہو، معمولی عبادت کے باوجود اس کی مثال اس صاف ستھری اینٹ کی سی ہے جو اسلامی معاشرہ کی عمارت میں مضبوطی کے ساتھ لگی ہوئی ہو لیکن جس شخص کے سینے میں لوگوں سے بغض، حسد، اذیت رسانی اور دغا بازی پروان چڑھ رہی ہو اس کی عبادات خواہ کتنی ہی زیادہ ہو جائیں مگر اس کا پلڑا اسلام کے ترازو میں ہلکا ہوتا ہے، اس لیے کہ اس

---

① مسند احمد: ۱٦٦/۳۔

② الأدب المفرد: ۱۱۹، صحیح ـ الصحیحة: ۱۹۔

کی مثال معاشرہ کی عمارت میں لگی ہوئی بوسیدہ اور خراب اینٹ کی سی ہے کہ بعض اوقات وہ اور اس جیسی دوسری اینٹیں عمارت کے منہدم ہونے کا سبب بنتی ہیں۔ اسلام جیسا حقیقی اور مثالی مسلمان وجود میں لانا چاہتا ہے اس کا باطن ظاہر کے مطابق ہوتا ہے۔ اس کا عمل اس کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کی بدولت اسلامی معاشرہ کے قلعے کو استحکام حاصل ہوتا ہے اور مومنوں کی مثال جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ارشاد میں بیان فرمائی ہے، سیسہ پلائی ہوئی عمارت کی سی ہوتی ہے جس کی اینٹیں ایک دوسری کو پائیداری بخشتی ہیں، انھی کی بدولت ایک ایسا پاکیزہ، مستحکم اور ترقی یافتہ معاشرہ قائم ہوتا ہے جو لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا اہل ہوتا ہے۔

خیر خواہی مومن کا خصوصی وصف:

سچا مسلمان صرف ان بری صفات ہی سے محفوظ اور مبرا نہیں ہوتا بلکہ وہ تعمیری اور ایجابی صفات سے بھی آراستہ ہوتا ہے مثلاً وہ اپنے معاشرہ میں ہر مسلمان کے ساتھ سچی خیر خواہی کرتا ہے کیونکہ وہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ اس کا دین بالکل خیر خواہی ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں فرمایا ہے:

''دین خیر خواہی کا نام ہے۔'' صحابہ کرام نے عرض کیا: ''کس لیے؟'' فرمایا: ''اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں کے ائمہ اور عوام کے لیے۔''①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے نماز، زکوٰۃ اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی پر بیعت کرتے تھے۔ سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے اس قول سے اس کی تائید ہوتی ہے:

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔''②

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أن الدین نصیحة: ٥٥۔

② بخاری، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیه وسلم الدین النصیحة ...... الخ: ٥٧۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أن الدین نصیحة: ٥٦۔

اس صحابی رسول کے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے میں نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ خیر خواہی کو ملانے سے مسلمان کے میزان اعمال میں اس کی اہمیت اور آخرت میں انجام کا فیصلہ کرنے میں اس کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خیر خواہی سچے، متقی اور آخرت میں حسن عاقبت کی آرزو رکھنے والے مسلمان کی ایک نمایاں اور بنیادی خصلت ہوتی ہے۔

آخرت میں مسلمان کے انجام کا فیصلہ کرنے میں خیر خواہی کی اہمیت اس وقت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب وہ مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو۔ اس وقت خیر خواہی جنت میں داخلے کی وہ کنجی ہوتی ہے جس کے بغیر جنت میں داخلہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً يَمُوتُ يَوْمَ يَمُوتُ وَ هُوَ غَاشٌ لِرَعِيَّتِهِ إِلَّا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ» ①

''کوئی بھی بندہ جسے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذمہ دار بناتا ہے اگر اس حال میں مرتا ہے کہ اس نے رعایا کے ساتھ دغابازی کی ہو تو اس پر جنت حرام ہوگی۔''

ایک روایت میں ہے:

''وہ رعایا کے ساتھ خیر خواہی نہ کرے تو جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا۔''

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

«مَا مِنْ أَمِيرٍ يَلِي أَمْرَ الْمُسْلِمِينَ ثُمَّ لَا يَجْهَدُ لَهُمْ وَ يَنْصَحُ لَهُمْ إِلَّا لَمْ يَدْخُلْ مَعَهُمُ الْجَنَّةَ» ②

---

① مسلم، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار: ١٤٢- بخاري، كتاب الأحكام، باب من استرعى رعية فلم ينصح: ٧١٥١-

② مسلم، كتاب الإيمان، باب استحقاق الوالي الغاش لرعيته النار: ١٤٢-

''کوئی امیر جو مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار ہو اور وہ ان کے لیے جدو جہد نہ کرے اور ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔''

اسلام میں حاکم اور اسی طرح اس شخص کی ذمہ داری کتنی عظیم ہے جو مسلمانوں کے کسی معاملہ کا ذمہ دار ہو اور قیامت کے دن جب تمام لوگ رب العالمین کے رو برو کھڑے ہوں گے، نگہبان کے انجام کا فیصلہ کرنے میں رعیت کے ساتھ خیر خواہی کا کتنا عظیم اثر ظاہر ہوگا۔ جب ہم معاشرتی حلقہ میں ہر شخص کی ذمہ داری کا مشاہدہ کرتے ہیں جس کی وضاحت رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد سے کی ہے:

''تم میں سے ہر شخص نگہبان ہے اور ہر شخص اپنے متعلقین کے بارے میں جوابدہ ہے۔''[1]

تو ہمیں مسلمانوں کے لیے معاشرہ میں ''ذمہ داری'' کی ہمہ گیریت کا اندازہ ہوتا ہے، حتیٰ کہ اس کے دائرہ سے ایک انسان بھی خارج نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ سچا اسلامی معاشرہ جو ان ربانی اصول ومبادی اور اقدار پر قائم ہوتا ہے انسانی معاشروں میں سب سے زیادہ امن وامان، نظافت و پاکیزگی اور استقامت کا حامل ہوتا ہے۔

وعدہ ایفا کرنا:

سچا مسلمان جس کا نفس اسلامی تعلیمات سے سیراب ہوتا ہے ایفائے عہد اور وعدہ کا پاس ولحاظ جیسے ایجابی اور پسندیدہ اخلاق سے بھی آراستہ رہتا ہے۔ یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ یہ خصلت معاشرہ میں انسان کی کامیابی کے اہم عوامل میں سے ہے اور اس سے انسان کی عظمت، اس کے مقام کی بلندی اور اس کے معاشرتی معیار کی رفعت پر دلالت کرتی ہے۔

مسلمان کا شمار اس قسم کے عظیم انسانوں میں ہوتا ہے جو ایفائے عہد کرنے والے

---

[1] بخاری، کتاب النکاح، باب المرأة راعية في بيت زوجها: ٥٢٠٠۔

ہوتے ہیں بلکہ وہ علی الاطلاق سب سے بلند مرتبہ پر ہوتا ہے کیونکہ وہ سچا مسلمان ہوتا ہے۔ ایفائے عہد اسلامی اخلاق میں سب سے بنیادی خصلت ہے اور مسلمان کے ایمان اور حسن اسلام کی صحت پر سب سے زیادہ دلالت کرتی ہے۔ اسی لیے بکثرت احادیث و آیات میں اس خصلت کے اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے اور اس کے علامت ایمان ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جو لوگ اس خصلت سے عاری ہوتے ہیں انھیں ڈرایا گیا ہے اور اس خصلت کے اختیار نہ کرنے کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ﴾ (المائدة : ١)

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو وعدوں کی پوری پابندی کرو۔"

اور فرمایا:

﴿ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴾ (بنی اسرائيل : ٣٤)

"عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔"

معلوم ہوا کہ وعدہ کوئی ہوائی کلمہ نہیں ہے کہ جسے کوئی انسان محض اپنی زبان سے ادا کر دے اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ضروری نہ سمجھے جیسا کہ آج بہت سے مسلمان کرتے ہیں بلکہ یہ ایک ذمہ داری ہے جس کا حساب لیا جائے گا۔ ارشاد ہے:

﴿ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ ﴾ (النحل : ٩١)

"اور اللہ تعالیٰ کا عہد پورا کرو، جب تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو۔"

یہ اللہ تعالیٰ کا عہد ہے، اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے، اس لیے اسے جلالت، تقدس اور احترام حاصل ہے اور حالات خواہ کیسے بھی ہوں اس کا پورا کرنا واجب ہے:

﴿ يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الصف : ٢،٣)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو؟ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو کرتے نہیں۔''

چنانچہ وعدہ خلافی اور عہد شکنی بہت بری اور قابل نفرت چیز ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لیے ناپسند کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ وہ اس کے قریب بھی نہ پھٹکیں۔ آیت کی ابتدا میں جو استفہام انکاری ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں، اس سے وفادار مومن شرمندہ ہوتا ہے اور اپنے رب سے حیا کی وجہ سے اس کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ : إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ إِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ» ①

''منافق کی تین نشانیاں ہیں: ۱۔ جب گفتگو کرے تو جھوٹ بولے ۲۔ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے ۳۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔''

مسلم کی روایت میں یہ اضافہ ہے:

«وَإِنْ صَامَ وَ صَلَّى وَ زَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ» ②

''(وہ منافق ہی ہے) خواہ روزے رکھے، نماز پڑھے اور دعویٰ کرے کہ وہ مسلمان ہے۔''

آدمی کے اسلام میں حسن و خوبی صرف روزہ و نماز، حج اور دیگر عبادات سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس کا اثبات انسان کی نفسیات سے ہوتا ہے جو اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوتی ہے اور اس کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کرتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ذات سے

---

① مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق: ۵۹۔ بخاری، کتاب الایمان، باب علامات المنافق: ۳۳۔

② مسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق: ۵۹۔

بلند اخلاق اور اعلیٰ اقدار کی خوشبو پھوٹنے لگتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حدود کی پابندی کرتا ہے۔ اس کے اوامر اختیار کرتا ہے، نواہی سے بچتا ہے اور ہر چیز میں اس کی ہدایت کا التزام کرتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ حقیقی اور سچے مسلمان کی زندگی میں جھوٹ، عہد شکنی، بے وفائی اور عہد و مواثیق میں خیانت کا شائبہ تک نہیں پایا جاتا کیونکہ یہ اسلامی اخلاق کے منافی ہے۔ یہ چیزیں صرف منافقین کے اخلاق میں پائی جاتی ہیں۔

اس تلخ حقیقت کو ان تاجروں، کاریگروں اور ملازموں کو جان لینا چاہیے جو لوگوں سے اپنے کام کو متعین وقت میں پورا کرنے کا وعدہ تو کر لیتے ہیں مگر پھر وعدہ پورا نہیں کرتے۔ یہ حقیقت ان لوگوں کے بھی گوش گزار ہو جانا چاہیے جو کسی معاملہ پر معاہدہ کرتے ہیں پھر نقض عہد کرتے ہیں۔ اسی طرح اس سے ان لوگوں کو بھی بخوبی واقف ہو جانا چاہیے جنھیں کسی مال، کسی راز، کسی میراث یا کسی اور شے کا امین بنایا جاتا ہے مگر پھر وہ لوگ اس میں خیانت کرتے ہیں۔ ان تمام لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ ان کا شمار منافقین کے زمرہ میں ہو گا خواہ وہ لوگ کتنے ہی روزے رکھیں، کتنی ہی نمازیں پڑھیں اور کتنا ہی دعویٰ کریں کہ وہ مسلمان ہیں اور منافقین تو جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔

اچھا اخلاق مسلمان کی خصلت:

سچا مسلمان خوش اخلاق، نرم خو اور نرم زبان ہوتا ہے۔ وہ اخلاق کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات پر عمل کرتا ہے اور نبی ﷺ کا اسوہ اختیار کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

«كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْسَنَ النَّاسِ خُلُقًا» ①

① بخاری، کتاب الأدب، باب الکنیة للصبي و قبل ان یولد للرجل: ٦٢٠٣۔ مسلم: ٢٣١٠۔

"نبی ﷺ کے اخلاق سب سے بہتر تھے۔"

یہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جانب سے کوئی مبالغہ آمیز بات نہ تھی، نہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کی وجہ سے انھوں نے مبالغہ آرائی کی ہے کیونکہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کے اخلاق کا ایسا مشاہدہ کیا تھا جیسا نہ کبھی دیکھنے میں آیا اور نہ کبھی سننے میں، آیئے ہم سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی کی زبان سے اسلام کے عظیم پیغمبر ﷺ کے اخلاق کے ایک پہلو کے بارے میں سنیں۔ وہ فرماتے ہیں:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی آپ ﷺ نے کبھی "اف" تک نہیں کہا اور اگر میں نے کوئی کام کیا تو یہ نہیں فرمایا کہ "کیوں کیا؟" اور اگر کوئی کام نہیں کیا تو یہ باز پرس نہیں کی کہ کیوں نہیں کیا؟"①

اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ سہواً یا قصداً کبھی فحش بات منہ سے نہیں نکالتے تھے" جیسا کہ عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ وہ صحابہ کے سامنے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد مبارک دہرایا کرتے تھے:

«إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا» ②

"تم میں سب سے بہتر لوگ وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔"

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"فحش اور تفحش کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، لوگوں میں سب سے بہتر مسلمان وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔"③

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق ...... الخ: ٦٠٣٨۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه صلی الله علیه وسلم: ٢٣٠٩۔

② مسلم، کتاب الفضائل، باب كثرة حیائه صلی الله علیه وسلم: ٢٣٢١۔ بخاری، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء ...... الخ: ٦٠٣٥۔

③ مسند احمد: ٨٩/٥۔

اور ایک حدیث میں ہے:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَ أَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنَكُمْ أَخْلَاقًا وَ إِنَّ مِنْ أَبْغَضِكُمْ إِلَيَّ وَ أَبْعَدِكُمْ مِنِّي يَوْمَ الْقِيَامَةِ الثَّرْثَارُونَ وَالْمُتَشَدِّقُونَ وَالْمُتَفَيْهِقُونَ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ! قَدْ عَلِمْنَا الثَّرْثَارِينَ وَالْمُتَشَدِّقِينَ فَمَا الْمُتَفَيْهِقُونَ؟ قَالَ: الْمُتَكَبِّرُونَ» ①

''قیامت کے دن مجھے تم سے سب سے زیادہ محبوب اور مجھ سے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہیں اور مجھے سب سے زیادہ مبغوض، لائق نفرت اور مجھ سے سب سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو زیادہ باتونی، چرب زبان اور تصنع کرنے والے متکبر ہوں گے۔''

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کی اس بلند اخلاقی تعلیم کو سنتے تھے اور اپنی آنکھوں سے اس عظیم اخلاق کا مشاہدہ کرتے جس سے آپ ﷺ لوگوں سے پیش آتے تھے چنانچہ وہ آپ ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے تھے اور آپ ﷺ کا اسوہ اختیار کرتے تھے۔ اس طرح ایک ایسا مثالی معاشرہ وجود میں آیا جس کی ہمسری تاریخ انسانی میں کوئی معاشرہ نہیں کر سکا۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ بڑے رحم دل تھے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں اگر کوئی شخص ضرورت لے کر آتا تو آپ ﷺ اس سے وعدہ کرتے اور اگر آپ ﷺ کے پاس کچھ ہوتا تو آپ اس کی ضرورت پوری فرماتے۔ ایک مرتبہ جماعت کھڑی ہو گئی تھی کہ ایک دیہاتی آگے بڑھا اور آپ کا کپڑا پکڑ کر کہنے لگا: ''مجھے کچھ ضرورت ہے، مجھے اندیشہ ہے کہ بعد میں بھول جاؤں گا۔'' آپ ﷺ اس کے ساتھ گئے، اس

① ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی معالی الأخلاق: ۲۰۱۸۔

کی ضرورت پوری کی اور پھر واپس آ کر نماز پڑھائی۔“[1]

رسول اللہ ﷺ نے اس دیہاتی کی بات سننے اور اس کی ضرورت پوری کرنے میں کوئی تنگی محسوس نہیں فرمائی حالانکہ جماعت کھڑی ہو چکی تھی مگر اس دیہاتی سے آپ ﷺ کا دل تنگ نہیں ہوا جس نے آپ کا کپڑا پکڑ لیا تھا اور نماز سے قبل ہی اپنی ضرورت پوری کرنے پر اصرار کیا تھا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ ایک اخلاقی معاشرہ تعمیر کر رہے تھے اور اپنے عمل و کردار کے ذریعے مسلمانوں کو یہ تعلیم دے رہے تھے کہ ایک مسلمان کو اپنے مسلمان بھائی کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے۔ اس طرح آپ ﷺ ان کے سامنے وہ اخلاقی اصول بیان فرما رہے تھے، جنھیں مسلمانوں کے معاشرہ پر چھایا ہونا چاہیے۔

اگر غیر مسلموں میں حسن اخلاق پیدا ہوتا ہے تو اس کا محرک مسلمانوں کے دین کی وہ تعلیمات ہیں جن کی رو سے اخلاق مسلمان کی اصلی خصلت قرار پاتی ہے جس سے دنیا میں بھی اسے بلند مرتبہ حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی اس کی میزان عمل کا پلڑا جھک جاتا ہے کیونکہ قیامت کے دن مومن کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہو گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں بتلایا ہے:

«مَا شَیْءٌ أَثْقَلَ فِی مِیزَانِ الْمُؤْمِنِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ فَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِیءَ»[2]

”قیامت کے دن مومن بندہ کی میزان میں اچھے اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہو گی، بے شک اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بدزبان شخص سے نفرت کرتا ہے۔“

یہی نہیں بلکہ اسلام نے حسن اخلاق کو کمال ایمان میں سے شمار کیا ہے، اس لیے کہ اس نے سب سے اچھے اخلاق رکھنے والوں کو کامل ترین مومن قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

---

1. الأدب المفرد: ٢٧٨، حسن ـ الصحیحه: ٢٠٩٤۔
2. ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی حسن الخلق: ٢٠٠٢۔

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا» ①

"مومنوں میں کامل ترین ایمان اس شخص کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔"

اسی طرح سب سے اچھے اخلاق رکھنے والے شخص کو اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب بندہ قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے، فرماتے ہیں:

"ہم نبی ﷺ کی خدمت میں خاموش بیٹھے تھے۔ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں کہ کچھ لوگ آئے اور انھوں نے عرض کیا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب شخص کون ہے؟" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَحْسَنُهُمْ أَخْلَاقًا» ②

"جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔"

اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں میں سب سے اچھے اخلاق کا حامل شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب ہو گا کیونکہ اسلامی شریعت میں حسن اخلاق کا ایک عظیم مقام ہے۔ یہ قیامت بندے کی میزان میں سب سے بھاری چیز ہو گی۔ جیسا کہ گزشتہ حدیث سے معلوم ہوا حسن اخلاق کا درجہ اسلام کے دو عظیم ارکان نماز اور روزہ کے درجہ کے برابر ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَ إِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ» ③

---

❶ ترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق المرأة علی زوجها: ۱۱۶۲۔

❷ طبرانی فی الکبیر: ۱۸۱/۱، رقم: ۴۷۱۔

❸ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی حسن الخلق: ۲۰۰۳۔ اسے بزار نے بھی روایت کیا اور اس کے راوی ثقہ ھیں۔

''میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں رکھی جائے گی، حسن اخلاق بندے کو روزہ دار اور نمازی کے درجے تک پہنچا دیتا ہے۔''

ایک دوسری روایت میں ہے:

« إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ »[1]

''بندہ اپنے حسن اخلاق سے مسلسل روزہ رکھنے والے اور مسلسل نمازیں پڑھنے والے کا درجہ پا لیتا ہے۔''

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حسن اخلاق کی اہمیت بیان فرماتے رہتے تھے۔ اس سے آراستہ و پیراستہ ہونے پر اکساتے تھے اور اپنے اقوال و افعال سے مختلف اسالیب کے ذریعے اسے پسندیدہ بنا کر پیش کرتے تھے کیونکہ آپ ﷺ کو پوری طرح احساس تھا کہ طبیعتوں کی درستی، دلوں کے تزکیہ اور انسانوں کی آراستگی میں حسن اخلاق کا نمایاں کردار ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

''اے ابوذر! کیا میں تمھیں ایسی خصلتوں کے بارے میں نہ بتلاؤں جو بہت ہلکی اور معمولی ہیں مگر میزان میں سب سے زیادہ وزنی ہیں۔'' عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!'' فرمایا: ''اچھے اخلاق پیدا کرو اور خاموش رہا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے! لوگوں کے کردار کو ان سے بہتر کسی چیز نے آراستہ نہیں کیا۔''[2]

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اچھے اخلاق بڑائی کی علامت ہیں، برے اخلاق سے نحوست طاری ہوتی ہے،

---

1. ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی حسن الخلق: ٤٧٩٨۔
2. طبرانی فی الأوسط: ٧١٠٣۔ اسے ابو یعلی نے بھی روایت کیا ھے اور اس کی روایت کے راوی ثقه ھیں۔

نیکی سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور صدقہ سے انسان بری موت مرنے سے محفوظ رہتا ہے۔''①

رسول اللہ ﷺ ایک دعا یہ بھی کرتے رہتے تھے:

《اَللّٰهُمَّ أَحْسَنْتَ خَلْقِي فَأَحْسِنْ خُلُقِي》②

''اے اللہ! تو نے میری بناوٹ اچھی کی ہے تو میرے کردار میں بھی درستی فرما۔''

رسول کریم ﷺ دعا کیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے اخلاق اچھے بنا دے۔ آپ ﷺ ہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ﴾ (القلم: ٤)

''اور بے شک تم اخلاق کے بڑے مرتبے پر ہو۔''

یہ اس بات پر زبردست دلیل ہے کہ آپ ﷺ حسن اخلاق کا زبردست اہتمام فرماتے تھے اور آپ ﷺ کی یہ زبردست خواہش ہوتی تھی کہ جس طرح آپ ﷺ دعا کے ذریعے اخلاق میں مزید بہتری اور خوبی چاہتے تھے اسی طرح تمام مسلمان بھی اپنے اخلاق کی مزید درستی کی کوشش کریں۔ حسن اخلاق ایک جامع لفظ ہے جس کے تحت ہر وہ نیک خصلت آتی ہے جس سے انسان کے کردار میں حسن آتا ہے۔ اس کا تزکیہ ہوتا ہے اور اس کو رفعت و بلندی حاصل ہوتی ہے۔ جیسے حیا، بردباری، نرمی، عفو و درگزر، رواداری و فراخ دلی، خوش طبعی، سچائی، امانت داری، خیر خواہی، ثابت قدمی، پاک طینتی اور دیگر مکارم اخلاق۔

جو شخص بھی ان نصوص کی جستجو کرتا ہے جس میں اسلام کی معاشرتی تعلیمات دی گئی ہیں تو وہ اپنے سامنے ایسے نصوص کا ایک انبار پاتا ہے جن میں ان بلند معاشرتی اخلاق و خصائل میں سے ہر خصلت کے اختیار کرنے پر اکسایا گیا ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلام

---

① مسند احمد: ۳/۵۰۲۔ قال شعیب الأرناؤوط: إسناده ضعيف۔

② مسند احمد: ۱/۴۰۳۔

نے مسلمان کی معاشرتی زندگی کی تعمیر کا زبردست اہتمام کیا ہے چنانچہ مسلمان اخلاق کے سلسلہ میں صرف عمومی تعلیمات پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان تمام اخلاقی جزئیات کو اختیار کرتا ہے جو کامل معاشرتی شخصیت کے کسی پہلو کی تعمیر کرتی ہیں۔ اخلاق کے بارے میں اس دین کے نظام تربیت میں جو استیعاب اور جامعیت پائی جاتی ہے وہ کسی دوسرے معاشرتی نظام تربیت میں موجود نہیں۔

نصوص کی جستجو کرنے والے شخص کو ان تمام نصوص پر توقف کرنے اور ان میں پائی جانے والی تعلیمات وارشادات اور احکامات سے واقف ہونے سے مفر نہیں۔ اس طرح وہ ایک ایسی بلند معاشرتی شخصیت کو نکھار کر پیش کر سکے گا جو ایک متقی اور باشعور مسلمان کا امتیاز ہے۔

ان میں سے بعض نصوص کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا ہے جن سے مسلمان کی شخصیت کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے اور جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حقیقی مسلمان سچا اور وفادار ہوتا ہے، وہ دغا بازی نہیں کرتا، کسی کو دھوکا نہیں دیتا، غداری اور خیانت سے اجتناب کرتا ہے، حسد سے پرہیز کرتا ہے اور تمام لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آتا ہے۔

اب ہم ان بہت سی دوسری نصوص کو بیان کریں گے جن سے مسلمان کی معاشرتی زندگی کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں اور مختلف گوشوں میں اس کے امتیازی اوصاف کی تجدید وتعیین ہوتی ہے۔

مومن کا حیا سے متصف ہونا:

حقیقی مسلمان شرم وحیا سے متصف ہوتا ہے اور اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا اسوہ اختیار کرتا ہے جو حیا کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ جلیل القدر صحابی سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی شہادت ملتی ہے:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ

خِدْرِهَا وَ كَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ ﴾ ①

''رسول اللہ ﷺ میں پردہ نشیں لڑکیوں سے زیادہ حیا تھی۔ جب آپ ﷺ کوئی بات ناپسند کرتے تھے تو ہمیں آپ ﷺ کے چہرے سے آپ کی ناپسندیدگی کا اندازہ ہو جاتا تھا۔''

حیا ایک اچھی اور پاکیزہ خصلت ہے جو ہمیشہ بری چیزوں کے ترک پر اکساتی ہے اور اصحاب حقوق کا حق ادا کرنے میں کوتاہی سے باز رکھتی ہے۔ اسی لیے متعدد احادیث میں نبی ﷺ نے اس کی تعریف کی ہے اور اسے خود حیا کرنے والے اور جس معاشرہ میں وہ رہتا ہے دونوں کے لیے خیر گردانتا ہے۔ سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

﴿ اَلْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ ﴾ ②

''حیا سوائے خیر کے کچھ نہیں لاتی۔''

مسلم کی ایک روایت میں ہے:

﴿ اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ ﴾ ③

''حیا سراسر خیر ہے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

﴿ اَلْإِيمَانُ بِضْعٌ وَ سَبْعُونَ أَوْ بِضْعٌ وَ سِتُّونَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَ أَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ

---

① مسلم، كتاب الفضائل: باب كثرة حيائه ﷺ: ٢٣٢٠۔

② بخاری، كتاب الأدب، باب الحياء: ٦١١٧۔ مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان ...... الخ: ٣٧۔

③ مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان ...... الخ: ٣٧۔

الْإِیْمَانِ »①

''ایمان کی ستر سے کچھ زائد (یا فرمایا) ساٹھ سے کچھ زائد شاخیں ہیں۔ اس میں سب سے افضل درجہ لا الٰہ الا اللہ کہنے کا ہے اور ادنیٰ درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے کا ہے اور حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔''

سچا اور متقی مسلمان باحیا، مہذب، خوش خلق، نرم طبیعت اور ذکی الحس ہوتا ہے۔ اس سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوتا جس سے لوگوں کو اذیت ہو اور نہ وہ کسی حقدار کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا ہے۔

کیونکہ حیا کی خصلت اس کو ان تمام کاموں سے روکتی ہے اور ان میں جا پڑنے سے باز رکھتی ہے۔ صرف لوگوں سے حیا اور شرم کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے بھی حیا کرنے کی وجہ سے اور اس خوف سے کہ کہیں اس کے ایمان میں ظلم کی آمیزش نہ ہو جائے کیونکہ حیا ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے اور حیا سے متصف ہونا وہ بلند مقام ہے جس سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں۔

اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان کے اخلاقی نتائج مسلمان کو دوسروں سے جس چیز میں ممتاز کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ مسلمان جن اخلاق سے متصف ہوتا ہے ان میں گہرا اخلاص پایا جاتا ہے اور خواہ زمانہ میں کتنا ہی الٹ پھیر آجائے اور حالات کتنے ہی بدل جائیں مگر اس کے اخلاق میں ثبات اور پائیداری پائی جاتی ہے کیونکہ وہ ایک ایسے زندہ اور تیز وجدان سے صادر ہوتے ہیں جس سے خیانت کا ارتکاب کرنے سے حیا دامن گیر ہوتی ہے اور جس کی وجہ سے لوگوں سے جو اس کے ظاہری حالات سے واقف ہوتے ہیں، شرم آنے سے قبل اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے جو اس کے بھیدوں اور رازوں سے واقف ہے اور اللہ تعالیٰ سے حیا ہی وہ

---

① مسلم کتاب الإیمان ، باب بیان عدد شعب الإیمان ...... الخ: ٣٥۔ بخاری، کتاب الإیمان ، باب أمور الإیمان :٩۔

مقام ہے جہاں سے مسلمان کے اخلاق اور غیر مسلم کے اخلاق دونوں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا:

حقیقی مسلمان لوگوں کے ساتھ لطف و ہمدردی، سنجیدگی و وقار اور نرمی سے پیش آتا ہے مگر اس کا یہ سلوک بے محل اور بے موقع نہیں ہوتا بلکہ وہ موقع ومحل کی رعایت کرتے ہوئے ایسا کرتا ہے۔ نرمی اور سنجیدگی پسندیدہ خصلتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں میں دیکھنا چاہتا ہے اس لیے کہ یہ خصلتیں انسان میں خوش اخلاقی، نرم مزاجی اور حسن معاشرت پیدا کرتی ہیں۔ اسے لوگوں کے دلوں سے قریب تر کرتی ہیں اور اسے ان کے دلوں میں محبوب بناتی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَلَا تَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِى هِىَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِىْ بَيْنَكَ وَ بَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِىٌّ حَمِيْمٌ ○ وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَمَا يُلَقّٰهَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (حم السجدة: ٣٤،٣٥)

''نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوگی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہیں۔''

احادیث میں بھی پے در پے بکثرت نصوص مروی ہیں جو نرمی کو پسندیدہ قرار دیتی ہیں۔ اس کے اختیار کرنے پر اکساتی ہیں اور اس پر زور دیتی ہیں کہ یہ ایک بلند اور عظیم خصلت ہے جسے مسلمان معاشرہ پر چھا جانا چاہیے اور اس معاشرہ میں رہنے والے، احکام دین سے واقفیت رکھنے والے اور اس کی روشن تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والے ہر مسلمان کو اس سے متصف رہنا چاہیے۔ ایک مسلمان کے لیے تو یہی جاننا کافی ہے کہ نرمی اللہ تعالیٰ کی

صفات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے تمام کاموں میں نرمی اختیار کریں۔ ارشادِ نبوی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ» ①

''بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے اور تمام معاملات میں نرمی چاہتا ہے۔''

یہ ایسی عظیم خصلت ہے جس پر اللہ تعالیٰ اتنا ثواب دیتا ہے جتنا کسی دوسری خصلت پر نہیں دیتا، ارشاد نبوی ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَ يُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنُفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ» ②

''بے شک اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی پسند کرتا ہے۔ نرمی کرنے پر اتنا ثواب دیتا ہے جتنا سختی کرنے پر نہیں دیتا اور نہ کسی دوسرے فعل پر اتنا ثواب عطا فرماتا ہے۔''

نبی ﷺ نے اپنے ارشادات عالیہ میں نرمی کی بہت زیادہ تعریف فرمائی ہے۔ اسے ہر چیز کی زینت قرار دیا ہے۔ وہ جس چیز میں بھی پائی جاتی ہے اسے زینت بخشتی ہے اور لوگوں کے دلوں اور نگاہوں میں پسندیدہ بناتی ہے اور جس چیز میں نرمی نہیں ہوتی وہ بری ہو جاتی ہے اور قلوب و ارواح اس سے متنفر ہو جاتے ہیں۔ حدیث نبوی ہے:

«إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ» ③

''بے شک نرمی جس چیز میں ہوتی ہے وہ اسے زینت بخشتی ہے اور جس چیز سے نکل جاتی ہے اس کو برا کر دیتی ہے۔''

رسول کریم ﷺ مسلمانوں کو لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں نرمی کی تعلیم دیتے تھے

---

① بخاری، كتاب استتابة المرتدين، باب اذا عرض الذمی ...... الخ: ٦٩٢٧۔

② مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: ٢٥٩٣۔

③ مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: ٢٥٩٤۔

اور خوش اسلوبی کے ساتھ ایسا مثالی رویہ اختیار کرنے کی تلقین فرماتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف دعوت دینے والے مسلمان کے شایان شان ہو، خواہ صورت حال کتنی ہی بغض و نفرت کو بھڑکانے والی اور غیظ و غضب پر اکسانے والی ہو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دیہاتی نے مسجد میں پیشاب کر دیا۔ لوگ دوڑے کہ اسے تنبیہ کریں مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«دَعُوهُ وَ أَهْرِيقُوا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوبًا مِنْ مَاءٍ أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَ لَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ» ①

"اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب پر ایک ڈول پانی بہا دو۔ تم لوگ آسانی کے لیے بھیجے گئے ہو لوگوں پر سختی کرنے کے لیے نہیں بھیجے گئے۔"

واقعہ یہ ہے کہ صرف نرمی، آسانی، مہربانی اور فراخدلی ہی سے دلوں کے بند دروازے کھولے جاسکتے ہیں اور لوگوں کو حق کی طرف بلایا جاسکتا ہے نہ کہ تشدد، سختی، شدت اور زجر و توبیخ سے، اسی لیے اس سلسلہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے:

«يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَ بَشِّرُوا وَلَا تُنَفِّرُوا» ②

"آسانی پیدا کرو اور سختی نہ کرو، خوش خبری دو اور نفرت نہ دلاؤ۔"

کیونکہ لوگ فطری طور پر درشتی، سختی اور تشدد کو ناپسند کرتے ہیں اور نرمی، خوش خلقی، آسانی اور رقت کو پسند کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم یسّروا ولا تعسّروا: ٦١٢٨۔

② مسلم، کتاب الجهاد، باب فی الأمر بالتیسیر و ترك التنفیر: ١٧٣٣۔ بخاری، کتاب الأدب، باب قول النبی صلی الله علیه وسلم یسّروا ولا تعسّروا: ٦١٢٤۔

(آل عمران: ۱۵۹)

''اگر تم تند خو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب تمھارے گردوپیش سے چھٹ جاتے۔''

یہ ہر اس شخص کے لیے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف دعوت دینا چاہتا ہے، ایک زندہ و جاوید ارشاد اور ابدی اور محکم دستور ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے دلوں تک خوش اسلوبی سے پہنچے اور نرمی، دانائی اور آسانی کا راستہ اختیار کرے خواہ مخاطب کتنا ہی سرکش، باغی اور ظلم کرنے والا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام و سیدنا ہارون علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجتے وقت اسی چیز کی طرف ہدایت فرمائی تھی:

﴿ اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ۝ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى ﴾ (طٰہٰ: ۴۳، ۴۴)

''جاؤ تم دونوں فرعون کے پاس کہ وہ سرکش ہو گیا ہے، اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا، شاید کہ وہ نصیحت قبول کرے یا ڈر جائے۔''

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر اس دین کی تعلیمات میں نرمی کو سراسر خیر قرار دیا جائے۔ جس کے دل میں نرمی ہو اس کے پاس خیر ہی خیر ہے اور جو اس سے محروم ہو وہ خیر سے محروم ہے۔ یہ تعلیم ہمیں اس حدیث میں ملتی ہے جسے سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ))[1]

''جو شخص نرمی سے محروم ہو وہ خیر سے یکسر محروم ہے۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نرمی افراد، خاندان اور قوموں کی زندگیوں پر چھا جاتی ہے اور ان کے پاکیزہ اور بلند اخلاق کا جزو بن جاتی ہے تو ان پر

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة: باب فضل الرفق: ۲۵۹۲۔

خیر کی بارش ہوتی ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« يَا عَائِشَةُ ! ارْفِقِي فَإِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَرَادَ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا دَلَّهُمْ عَلَى الرِّفْقِ » ①

”اے عائشہ! نرمی اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ جب کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو انھیں نرمی کی طرف ہدایت کرتا ہے۔“

ایک روایت میں ہے:

« إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِأَهْلِ بَيْتٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ » ②

”جب اللہ تعالیٰ کسی گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔“

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« إِذَا أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ خَيْرًا أَدْخَلَ عَلَيْهِمُ الرِّفْقَ » ③

”جب اللہ کسی قوم کے ساتھ خیر کا معاملہ کرنا چاہتا ہے تو ان میں نرمی پیدا کر دیتا ہے۔“

اور اس اخلاق سے بڑھ کر اور کیا خیر ہو سکتی ہے جسے اختیار کر کے آدمی کو جہنم سے خلاصی مل جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث میں فرمایا ہے:

« أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ ؟ » ④

---

① مسند احمد: ١٠٥/٦۔

② مسند احمد: ٧١/٦۔

③ مسند البزار: ١٩٦٥۔

④ ترمذی كتاب صفة القيامة، باب فضل كل قريب هين سَهل: ٢٤٨٨۔

''کیا میں تمھیں اس شخص کے بارے میں نہ بتلاؤں جو جہنم پر حرام ہو گا۔ (یا فرمایا) جس پر جہنم حرام ہو گی، جہنم ہر اس شخص پر حرام ہو گی جو نرمی و آسانی اور سہولت کا رویہ اختیار کرتا ہو۔''

انسان میں نرمی کی خصلت پروان چڑھاتے ہوئے نبوی ارشادات اس کو مزید رفعت اور بلندی پر پہنچاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس سے ذبح کیے جانے والے جانور کے ساتھ بھی نرمی کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کو وہ بلند مرتبہ شمار کرتے ہیں جس تک متقی اور نیک لوگ پہنچنے کی سعی کرتے ہیں۔ ارشاد ہے:

«إِنَّ اللّٰهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ» ①

''اللہ تعالیٰ نے ہر کام بہتر طریقے پر انجام دینے کا حکم دیا ہے چنانچہ جب تم قتل کرو تو بھلائی سے کرو اور جب جانور کو ذبح کرو تو بھلائی کے ساتھ ذبح کرو، اپنی چھری تیز کر لو اور ذبیحہ کو آرام پہنچاؤ۔''

ذبح کیے جانے والے گونگے جانور کے ساتھ نرمی، ذبح کرنے والے انسان کی رقت نفس پر دلالت کرتی ہے اور ہر ذی روح کے ساتھ اس کے رحم و ہمدردی کو ثابت کرتی ہے۔ جس شخص کے دل میں جانوروں کے ساتھ برتاؤ کے سلسلہ میں یہ معانی جاگزیں ہو جائیں، ظاہر ہے کہ اس کا معاملہ انسانوں کے ساتھ مزید نرمی و آسانی اور لطف و کرم کا ہوگا۔ غور کیجیے! اسلامی تعلیمات مسلمان کو نرمی کا کس حد تک حکم دیتی ہیں۔

رحم و کرم کا برتاؤ کرنا:

احکام دین سے شعور و آگہی رکھنے اور اسلام کی روشن اور فراخ تعلیمات سے متاثر ہونے والا مسلمان رحمدل ہوتا ہے۔ اس کے دل سے رحمت کے سوتے پھوٹتے ہیں اس

① مسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح ...... الخ: ١٩٥٥۔

لیے کہ وہ جانتا ہے کہ زمین پر بندوں کے ساتھ رحم ومہربانی کا معاملہ کرنے سے آسمان سے رحمت نازل ہوتی ہے اور اس کے خنک ومست جھونکے چلتے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے:

«اِرْحَمُوا اَهْلَ الْاَرْضِ يَرْحَمُكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ» ①

''تم اہل زمین پر مہربانی کرو، جو آسمان میں (اللہ تعالیٰ) ہے وہ تم پر مہربانی کرے گا۔''

اور اس لیے کہ اس نے دینی تعلیمات سے یہ سیکھا ہے:

«مَنْ لَا يَرْحَمِ النَّاسَ لَا يَرْحَمْهُ اللّٰهُ عَزَّ وَ جَلَّ» ②

''جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔''

اور یہ کہ:

«لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ» ③

''رحمت صرف بد بخت اور سنگ دل شخص کے دل سے نکالی جاتی ہے۔''

حقیقی اور باشعور مسلمان کے دل میں رحمت کا دائرہ بہت وسیع ہوتا ہے اور وہ اپنے رحم وکرم اور مہربانی کو صرف اپنے اہل وعیال، رشتہ دار اور دوست واحباب تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس کا دائرہ تمام انسانوں تک وسیع رہتا ہے اس لیے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے ایسے ارشادات سنتا ہے جن میں تمام لوگوں کے ساتھ مہربانی کا حکم دیا گیا ہے اور اسے ایمان کی شرائط میں سے ایک شرط قرار دیا گیا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

---

① ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب فی الرحمة: ٤٩٤١۔

② مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته صلی الله علیه وسلم ...... الخ: ٢٣١٩۔
بخاری، کتاب التوحید: باب قول الله تعالیٰ قل ادعوا الله...... الخ: ٧٣٧٦۔

③ ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب فی الرحمة: ٤٩٤٢۔

«لَنْ تُؤْمِنُوا حَتّٰی تَرَاحَمُوا قَالُوا: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كُلُّنَا رَحِيْمٌ قَالَ إِنَّهُ لَيْسَ بِرَحْمَةِ أَحَدِكُمْ صَاحِبَهُ وَلٰكِنَّهَا رَحْمَةُ النَّاسِ رَحْمَةُ الْعَامَّةِ» [1]

"تم لوگ اس وقت تک ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم رحمدلی نہ کرنے لگو۔" صحابہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! ہم میں سے تو ہر شخص رحمدل ہے۔" فرمایا: "رحمدلی یہ نہیں کہ آدمی صرف اپنے ساتھی کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرے بلکہ رحمدلی یہ ہے کہ وہ تمام لوگوں کے ساتھ یہی برتاؤ کرے اور عام لوگوں کو بھی رحم و کرم میں شامل کرے۔"

یہ ہے رحم و کرم کی جامعیت و ہمہ گیریت۔ تمام لوگوں کے ساتھ ہمدردی، مہربانی اور رحم و کرم جسے اسلام ایک مسلمان کے دل میں موجزن کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کا معاشرہ ایک ایسا معاشرہ قرار پائے جس میں سچی محبت، خالص خیر خواہی اور گہری ہمدردی کی موجیں اٹھتی ہوں۔

رسول اللہ ﷺ رحم و کرم کا بے مثل نمونہ تھے۔ آپ ﷺ کی زندگی مہربانی و ہمدردی کی عملی تفسیر تھی اور اس سے اس کی بہترین عکاسی ہوتی تھی یہاں تک کہ آپ ﷺ نماز میں ہوتے اور کسی بچے کے رونے کی آواز سنائی دیتی تو آپ ﷺ کے دل میں بچے کی ماں سے ہمدردی و مہربانی کا جذبہ موجزن ہو جاتا اور آپ ﷺ نماز مختصر کر دیتے۔

امام بخاری اور امام مسلم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"میں نماز شروع کرتا ہوں تو میری خواہش ہوتی ہے کہ اسے طول دوں مگر کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ اس کی ماں اس کے رونے کی وجہ سے کس قدر پریشان ہوگی۔" [2]

---

1. مستدرك حاكم: ٣/١٦٧، ١٦٨۔
2. بخاری، كتاب الأذان، باب من اخف الصلاة عند بكاءِ الصبی: ٧٠٧۔ مسلم، كتاب الصلاة، باب أمر ائمة بتخفيف الصلاة فی تمام: ٤٧٠۔

ایک دیہاتی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا: ''کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟ ہم تو اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے۔'' نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«أَوَ أَمْلِكُ لَكَ اَنْ نَزَعَ اللّٰهُ مِنْ قَلْبِكَ الرَّحْمَةَ ؟» ①

''اگر اللہ تعالیٰ نے تمھارے دل سے رحم نکال دیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔''

ایک مجلس میں رسول کریم ﷺ نے سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو بوسہ دیا۔ وہاں سیدنا اقرع ابن حابس التمیمی رضی اللہ عنہ بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ انھوں نے عرض کیا: ''میرے تو دس بچے ہیں مگر میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:

«مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ» ②

''جو شخص دوسرے پر رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو ایک علاقہ کے مسلمانوں کا گورنر بنانا چاہا مگر انھوں نے جب اسے سیدنا اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کی طرح یہ کہتے ہوئے سنا کہ وہ اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتا تو اپنا ارادہ بدل دیا اور فرمایا:

«إِذَا كَانَتْ نَفْسُكَ لَا تَبَضُّ بِالرَّحْمَةِ لِأَوْلَادِكَ فَكَيْفَ تَكُونُ رَحِيمًا بِالنَّاسِ؟ وَاللّٰهِ لَا أُوَلِّيكَ أَبَدًا ثُمَّ مَزَّقَ الْكِتَابَ الَّذِي أَعَدَّهُ لِتَوْلِيَتِهِ» ③

''جب تمھارے دل میں اپنے بچوں کے لیے رحم و مہربانی نہیں تو تم دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا رحم و کرم کرو گے؟ اللہ کی قسم! میں تمھیں کبھی گورنر نہیں بناؤں گا۔ اور پھر وہ دستاویز پھاڑ دی جسے اس کی گورنری کے لیے تیار کیا تھا۔''

رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کی حس و وجدان میں رحمت کا دائرہ بہت وسیع کر دیا تھا

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الولد و تقبيله ومعانقته: ٥٩٩٨۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الولد و تقبيله ومعانقته: ٥٩٩٧۔

③ الأدب المفرد: ٩٩۔

یہاں تک کہ اس میں حیوانات بھی شامل ہیں چہ جائیکہ انسان۔ آپ ﷺ کی پر حکمت تعلیمات سے جو آپ ﷺ لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تھے اس کی پوری وضاحت ہوتی ہے۔ بخاری و مسلم نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک شخص کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اسے پیاس لگی۔ اس نے ایک کنواں دیکھا۔ وہ اس میں اترا اور پیاس بجھائی۔ جب باہر نکلا تو دیکھا کہ ایک کتا کھڑا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت سے کیچڑ کھا رہا ہے۔ اس شخص نے سوچا لگتا ہے کہ اس کتے کو بھی ویسی ہی شدید پیاس لگی ہے، جیسی مجھے لگی تھی وہ کنویں میں اترا۔ اپنے موزہ میں پانی بھرا، پھر اسے منہ سے پکڑ کر باہر نکالا اور کتے کو پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل پر اسے اجر دیا اور اس کی مغفرت کر دی۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا ہمارے لیے جانوروں کے ساتھ ہمدردی کرنے میں بھی اجر ہے؟'' فرمایا:

«فِيْ كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ» ①

''ہر ذی روح کے ساتھ ہمدردی اور رحم پر اجر ہے۔''

شیخین ہی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایک عورت کو ایک بلی کے سبب عذاب دیا جائے گا جس نے اسے قید کر دیا تھا، یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی۔ اس بنا پر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور اس سے کہا جائے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہوگا، تو نے جب اسے قید کیا تو نہ کچھ کھلایا نہ پلایا اور نہ اسے چھوڑ ہی دیا کہ وہ زمین کے کیڑوں مکوڑوں سے اپنا پیٹ بھرتی۔'' ②

---

❶ مسلم، کتاب السلام، باب فضل سقی البهائم...... الخ: ٢٢٤٤۔

❷ بخاری، کتاب المساقاة، باب فضل سقی الماء: ٢٣٦٥۔ مسلم، کتاب السلام، باب تحریم قتل الهرة: ٢٢٤٢۔

رسول اللہ ﷺ رحمت کے ایک بلند مرتبے پر فائز تھے۔اس کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ آپ ﷺ ایک مرتبہ سفر میں کسی جگہ اترے۔ ایک پرندہ آ کر آپ کے سر مبارک کے اوپر پھڑ پھڑانے لگا، گویا وہ آپ ﷺ کی پناہ میں آ کر شکوہ کر رہا تھا کہ ایک آدمی نے اس کے انڈے لے کر اس پر ظلم کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

''کس نے اس کے انڈے لے کر اسے تکلیف پہنچائی ہے؟'' ایک شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے اس کے انڈے لیے ہیں'' نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس پر رحم کرو، اس کے انڈے واپس کر دو۔''[1]

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمان کے وجدان وشعور میں رحمت کا وسیع اور جامع مفہوم جاگزیں کرنا چاہا ہے تاکہ وہ فطری طور پر رحم دل ہو جائے یہاں تک کہ جانوروں کے ساتھ بھی اس کا رویہ رحم کا ہو اس لیے کہ جو شخص جانوروں کے ساتھ رحم و ہمدردی سے پیش آئے گا وہ کبھی اپنے بھائی پر ظلم وزیادتی نہیں کر سکتا۔

رسول اللہ ﷺ انسان اور حیوان دونوں کے لیے سراپا رحمت تھے اور ہمیشہ مسلمانوں کو بھی اس کی تعلیم دیتے تھے تاکہ مسلمانوں کی دنیا میں رحمت عام ہو جائے اور اس کے معاشرہ اور ملک پر اس کا تسلط ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مصداق جب رحمت زمین پر جاری وساری ہو جائے گی تو اس پر اور اس کے رہنے والوں پر آسمان سے اللہ کی رحمتوں کی بارش ہوگی:

«اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ»[2]

''تم اہل زمین پر مہربانی کرو جو آسمان میں (اللہ تعالیٰ) ہے تم پر مہربانی کرے گا۔''

---

1. الادب المفرد: ٣٨٢، صحیح۔ الصحیحة: ٢٥۔
2. ابو داوٗد، کتاب الأدب باب فی الرحمة: ٤٩٤١۔

عفوو درگزر سے کام لینا:

ایک متقی اور دینی تعلیمات پر لبیک کہنے والا مسلمان عفو و درگزر کرنے والا ہوتا ہے۔ عفوو درگزر ایک بلند انسانی خصلت ہے جس کی قرآنی نصوص میں بہت زیادہ تعریف کی گئی ہے اور اس سے آراستہ ہونے والوں کو تقویٰ کا بلند نمونہ قرار دیا گیا ہے کیونکہ ان کا شمار ان نیکو کار لوگوں کے زمرے میں ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا جوئی سے سرفراز ہوتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

(البقرة : ١٣٤)

"جو غصہ پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔"

اس فضیلت کے مستحق وہ اس لیے ہوتے ہیں کہ انھوں نے اپنا غصہ پی لیا۔ کسی سے بغض، نفرت، حقد و کینہ نہیں رکھا بلکہ نفرت و کینہ کے بھاری بوجھ سے آزاد ہو گئے اور عفو و مغفرت، نرمی و چشم پوشی کی وسیع فضاؤں میں زندگی گزارنے لگے چنانچہ صاف دلی، پاک طینتی، خوش خلقی اور راحت نفس بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی محبت و خوشنودی سے وہ سرفراز ہوتے ہیں۔

معافی، درگزر اور چشم پوشی ایک بلند مقام ہے جس کی بلندی تک صرف وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جن کے دلوں کے بند دروازے اسلامی تعلیمات کے لیے کھل گئے ہوں اور جن کے نفوس اسلام کے وسیع اخلاق سے اثر پذیر ہوئے ہوں چنانچہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ملنے والی مغفرت، ثواب اور عزت افزائی کو انتقام اور بدلہ کی خواہش اور نفس کی دیگر خواہشات پر ترجیح دی ہو۔

قرآن کریم نے نفس انسانی کو اس بلند اور مشکل مقام تک پہنچانے میں ماہرانہ اسلوب

اختیار کیا ہے چنانچہ اس نے فیصلہ کر دیا کہ جس شخص پر زیادتی ہوئی ہو اسے حق ہے کہ اپنے نفس کے لیے بدلہ لے اور اپنے آپ سے ظلم و زیادتی کو دور کرے اس لیے کہ برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے لیکن اس نے اسے یوں ہی چھوڑ نہیں دیا کہ وہ بدلہ اور انتقام کے جذبات کا شکار ہو جائے بلکہ نرمی کے ساتھ صبر اور عفو و درگزر کے بلند مقام تک اس کی رہنمائی کی اور اسے بتلایا کہ یہ مقام اولوالعزمی کا مقام ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ ○ وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَ أَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ○ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ○ إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ ○ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُوْرِ ﴾

(الشوریٰ: ۳۹، ۴۳)

”اور جب ان پر زیادتی کی جاتی ہے تو اس کا بدلہ لیتے ہیں، برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے۔ پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرے اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں ان کو ملامت نہیں کی جا سکتی۔ ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے البتہ جو شخص صبر سے کام لے اور درگزر کرے تو یہ بڑی اولوالعزمی کے کاموں میں سے ہے۔“

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب افک کی افواہ سنی جسے بعض نادان لوگ پھیلا رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ کے دل کو شدید صدمہ اور حزن و غم پہنچا تو آپ نے قسم کھا لی کہ آپ کے فضل و احسان کی ناشکری کرنے والوں سے جو اس بہتان تراشی میں ملوث ہو گئے تھے اپنے

تعاون و مدد کا سلسلہ منقطع کرلیں گے تو یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (النور : ٢٢)

''تم میں سے جو لوگ صاحب فضل اور صاحب استطاعت ہیں وہ اس طرح کی قسم نہ کھا بیٹھیں کہ اپنے رشتہ دار، مسکین اور مہاجر فی سبیل اللہ لوگوں کی مدد نہ کریں گے۔ انھیں معاف کر دینا چاہیے اور درگزر کرنا چاہیے کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں معاف کرے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔''

اہل ایمان کا معاشرہ ایسا ہوتا ہے کہ اس میں افراد کے درمیان معاملات، چھوٹی بڑی چیزوں میں گرفت، باز پرس اور ذاتی انتقام پر مبنی نہیں ہوتے بلکہ اس کے برعکس معافی، چشم پوشی، عفو و درگزر اور صبر پر قائم ہوتے ہیں، اسی چیز کی طرف اسلامی نصوص دعوت دیتی ہیں اور اسی پر دین کی بلند اور محکم تعلیمات اکساتی ہیں:

﴿ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴾ (حٰمٓ السجدة : ٣٤، ٣٥)

''نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔''

جب بھی برائی کا بدلہ برائی سے دیا جائے گا تو سینوں میں غیظ و غضب کے شعلے بھڑکیں گے۔ حقد و کینہ کے جذبات مشتعل ہوں گے اور بغض و نفرت کے احساسات پروان

چڑھیں گے لیکن جب برائی کا بدلہ نیکی سے دیا جائے گا تو اس سے غیظ و غضب کے شعلے سرد پڑیں گے، نفس کا اشتعال ماند پڑ جائے گا اور بغض و نفرت کی کدورتیں دل سے دھل جائیں گی چنانچہ جن کے درمیان باہم دشمنی چلی آرہی تھی وہ کسی ایک کی طرف سے اچھی بات ظاہر ہونے یا محبت آمیز مسکراہٹ کا اظہار ہونے سے پکے دوست بن جائیں گے اور باہم شیر و شکر ہو جائیں گے اور یقیناً یہ اس شخص کی بڑی کامیابی ہے جس نے برائی کا بدلہ نیکی سے دیا۔ یہ وہ مقام ہے جسے بڑے نصیبے والا ہی حاصل کر سکتا ہے کہ جب اس کے ساتھ برائی کی جائے تو وہ اس پر صبر کرے اور اس کا بدلہ نیکی سے دے۔ جس کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ ہے اہل ایمان کے معاشرہ میں ایک مومن کا اخلاق۔ اسے اہل ایمان کے دلوں میں راسخ اور جاگزیں کرنے کے سلسلہ میں بکثرت آیات آئی ہیں جو مومن سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ایسے موقعوں پر غصہ پی جائے، معاف کر دے اور عفو و درگزر سے کام لے جس کے بعد حقد و کینہ کا کوئی اثر، غیظ و غضب کا کوئی شائبہ اور بغض و نفرت کا کوئی احتمال نہ ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴾ (الحجر: ٨٥)

"شریفانہ درگزر سے کام لو۔"

عفو و درگزر کے اس پاکیزہ انسانی اخلاق کا اہتمام کرنے اور اسے مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کرنے پر ابھارنے کے سلسلہ میں احادیث شریفہ بھی کسی طرح آیات کریمہ سے کم نہیں۔ یہ احادیث اس اخلاق کا وہ بلند تطبیقی کردار پیش کرتی ہیں جس سے مسلمانوں کے قائد، امام اور مربی رسول اللہ ﷺ متصف تھے اور آپ ﷺ کی اقتدا کرنے اور آپ ﷺ کے بتلائے ہوئے راستے پر چلنے کی طرف دعوت دیتی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا اِلَّا أَنْ يُّجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا نِيْلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِمَ مِنْ صَاحِبِهِ اِلَّا أَنْ يُّنْتَهَكَ شَيْئًا مِنْ مَحَارِمِ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ عَزَّ وَ جَلَّ» [1]

''رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت (باندی) اور نہ کسی غلام کو الا یہ کہ آپ اللہ کے راستے میں جہاد کر رہے ہوں۔ آپ ﷺ کو کبھی کسی سے تکلیف پہنچتی تو آپ ﷺ تکلیف پہنچانے والے سے بدلہ نہ لیتے مگر جب اللہ کی حرمتوں میں کوئی بے حرمتی کرتا تو آپ اللہ عزوجل کے لیے بدلہ لیتے۔''

آپ ﷺ اس ارشاد ربانی پر کار بند تھے:

﴿ خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ﴾ (الاعراف : ۱۹۹)

''نرمی اور درگزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔''

اور اس ارشاد باری کا جیتا جاگتا نمونہ تھے:

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ : ٣٤)

''تم بدی کو اس نیکی سے رفع کرو جو بہترین ہو۔''

آپ ﷺ اخلاق ربانی کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھے۔ آپ ﷺ کا عظیم اخلاق تمام لوگوں کے لیے تھا۔ آپ لوگوں کی برائی کا بدلہ برائی سے نہیں دیتے تھے بلکہ اس کے مقابلہ میں عفو و درگزر اور جاہلوں سے اعراض کا اخلاق پیش کرتے تھے اور برائی کو نیکی کے ذریعہ دفع کرتے تھے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ ﷺ موٹے کنارے کی ایک

---

[1] مسلم، کتاب الفضائل: باب مباعدتہ للاثام ...... الخ: ۲۳۲۸۔

نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ راستے میں ایک دیہاتی ملا، اس نے چادر پکڑ کر زور سے کھینچی۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم ﷺ کے کندھے پر چادر کے زور سے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گیا تھا اس نے کہا:

«يَا مُحَمَّدُ! مُرْلِيْ مِنْ مَالِ اللّٰهِ الَّذِيْ عِنْدَكَ فَالْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ» ①

''اے محمد! مجھے اس مال میں سے دیجیے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی طرف متوجہ ہوئے، مسکرائے اور پھر اسے کچھ دینے کا حکم دیا۔''

عفو و درگزر کا اخلاق آپ ﷺ کے نفس میں اس درجہ راسخ اور گہرا تھا کہ آپ نے اس یہودی عورت کو بھی معاف کر دیا جس نے بکری کا زہر آلود گوشت آپ ﷺ کی خدمت میں ہدیۃً پیش کیا تھا۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین سے روایت ہے:

ایک یہودی عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بکری کا زہر آلود گوشت ہدیہ کیا، رسول اللہ ﷺ نے اس میں سے کچھ کھایا اور آپ کے ساتھ بعض صحابہ نے بھی کھایا، پھر آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ٹھہر جاؤ! یہ زہر آلود ہے۔'' عورت کو پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، آپ ﷺ نے اس سے دریافت کیا: ''تجھ کو اس کام پر کس چیز نے آمادہ کیا؟'' اس نے کہا: ''میں نے یہ جاننا چاہا تھا کہ اگر آپ نبی ہوں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس پر مطلع کر دے گا اور آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچے گا اور اگر آپ نبی نہیں تو ہمیں آپ سے چھٹکارا مل جائے گا۔'' صحابہ نے عرض کیا: ''کیا ہم اسے قتل نہ کریں؟'' آپ ﷺ نے

---

① بخاری، كتاب الأدب: باب التبسم والضحك: ٦٠٨٨ ـ مسلم، كتاب الزكاة: باب اعطاء المؤلفة..... الخ: ١٠٥٧ ـ

فرمایا ''نہیں'' اور اس کو معاف کر دیا۔''①

جب قبیلہ دوس نے نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے انکار کیا تو سیدنا طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: ''قبیلہ دوس نے نافرمانی کی اور اطاعت سے انکار کیا، آپ ان کے لیے بددعا کر دیجیے۔'' رسول اللہ ﷺ نے قبلہ کا رخ کیا اور ہاتھ اٹھا دیے، لوگ کہنے لگے: ''اہل دوس تو اب ہلاک ہو گئے، لیکن رحیم و مہربان، فراخ دل اور بندوں پر مشفق، اللہ کے رسول ﷺ دوس کے لیے دعا کرنے لگے:

''اے اللہ! دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ۔''②

رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کے دلوں میں ہمیشہ عفو و درگزر کا اخلاق راسخ کرتے اور انھیں یہ تعلیم دیتے کہ اگرچہ لوگ ان کے ساتھ مخالفت، اعراض اور قطع تعلق کا معاملہ برتیں مگر وہ ان کے ساتھ تسامح، رواداری اور عفو و درگزر کا برتاؤ کریں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عنایت کردہ تربیت یافتہ تیز نگاہ سے یہ اچھی طرح ادراک رکھتے تھے کہ لوگ شدت، سختی اور قطع تعلق کے مقابلہ میں بلند اخلاقی اور بھائی چارہ کے تعلق سے قریب ہوتے ہیں۔ اسی لیے جب آپ ﷺ سے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اللہ کے رسول! مجھے بتلائیے کہ سب سے افضل اعمال کیا ہیں؟'' تو آپ ﷺ نے انھیں مندرجہ ذیل چیزوں کی تعلیم دی:

« يَا عُقْبَةُ ! صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَ أَعْطِ مَنْ حَرَمَكَ وَ أَعْرِضْ عَمَّنْ ظَلَمَكَ »

---

① ابو داوٗد، کتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا سما ...... الخ: ٤٥١٠۔ مسلم: ٢١٩٠۔ بخاری: ٢٦١٧۔

② بخاری، کتاب المغازی، باب قصة دوس...... الخ: ٤٣٩٢۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل غفار...... الخ: ٢٥٢٤۔

''اے عقبہ! جو تم سے قطع تعلق کرے تم اس کے ساتھ صلہ رحمی کرو، جو تمھیں محروم رکھے اسے دو، جو تم پر ظلم کرے اس سے درگزر کرو۔''

اور ایک روایت میں ہے:

((وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ)) [1]

''جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔''

مومن کا فیاض اور فراخ دل ہونا:

دینی احکام کا شعور رکھنے والا مسلمان لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں فیاضی اور فراخ دلی سے کام لیتا ہے۔ اسے اچھی طرح احساس ہوتا ہے کہ فراخ دلی جیسی کوئی خصلت نہیں جس سے انسان کو دنیا و آخرت دونوں میں خیر نصیب ہو۔ وہ اپنے فیاضانہ، نرم اور پسندیدہ اخلاق سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کے عفو و درگزر کا بھی مستحق ہو جاتا ہے۔ نصوص قطعیہ سے اس کی تائید ہوتی ہے، سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَ إِذَا اشْتَرٰی وَ إِذَا اقْتَضٰی)) [2]

''اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے! جو خرید و فروخت کے موقع پر اور قرض کا تقاضا کرتے وقت فراخ دلی سے کام لیتا ہے۔''

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((حُوسِبَ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَلَمْ يُوجَدْ لَهُ مِنَ الْخَيْرِ شَيْءٌ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ يُخَالِطُ النَّاسَ وَ كَانَ مُوسِرًا فَكَانَ يَأْمُرُ غِلْمَانَهُ أَنْ

---

1. مسند احمد: ١٥٨/٤۔
2. بخاری، کتاب البیوع، باب السهولة والسماحة...... الخ: ٢٠٧٦۔

يَتَجَاوَزُوا عَنِ الْمُعْسِرِ قَالَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : نَحْنُ أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ فَتَجَاوَزُوا عَنْهُ ›› ①

''تم سے پہلے زمانے کے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کے پاس کوئی بھلائی نہ ملی سوائے اس کے کہ وہ لوگوں کے ساتھ لین دین کرتا تھا، وہ خوش حال تھا چنانچہ اس نے اپنے غلاموں کو حکم دے رکھا تھا کہ تنگ دست سے درگزر کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''ہم اس کے اس سے زیادہ حق دار ہیں۔'' چنانچہ فرشتوں نے اسے چھوڑ دیا۔''

غور کرنے کا مقام ہے انسان کی میزان میں یہ خصلت کتنا وزن رکھتی ہے اور قیامت میں پیشی کے دن اور اس کی سخت گھڑیوں میں انسان کو اس کی کتنی سخت ضرورت ہوگی!!

خندہ پیشانی سے ملنا:

اس پسندیدہ اور نرم اخلاق کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ انسان لوگوں کے ساتھ خندہ پیشانی اور شگفتہ روئی کے ساتھ ملے، اس کا چہرہ کھلا ہوا ہو اور اس سے مسکراہٹ جھلکتی ہو۔ یہ سب حسن اخلاق اور نیکی کے کاموں میں سے ہے جن پر اسلام نے زور دیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

‹‹ لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَ لَوْ أَنْ تَلْقٰى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ ›› ②

''معمولی سی نیکی کو بھی حقیر نہ سمجھو، خواہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملنا ہو۔''

بخاری و مسلم نے جلیل القدر صحابی سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

---

❶ مسلم ، كتاب المساقاة ، باب فضل إنتظار المعسر ...... الخ : ١٥٦١۔

❷ مسلم ، كتاب البر والصلة ، باب استحباب طلاقة الوجه عند اللقاء : ٢٦٢٦۔

"میرے اسلام لانے کے بعد سے رسول اللہ ﷺ نے جب بھی مجھے دیکھا تو خندہ پیشانی سے ملے۔"①

یقیناً وہ معاشرہ جس کے افراد کے مابین فراخ دلی و فیاضی، سماحت و رواداری، محبت و مودت اور فرحت و مسرت عام ہو ایک بلند انسانی معاشرہ ہے جو محبت و مودت اور متانت و استحکام پر مبنی ہے، جس میں انسان کا اکرام اور اخلاق کا احترام قائم ہے اور جس پر بلند انسانی اقدار کی حکمرانی ہے۔ دراصل یہی وہ اسلامی معاشرہ ہے جسے وجود میں لانے اور برپا کرنے کا بکثرت نصوص میں حکم دیا گیا ہے اور جس کی طرف اسلامی تربیتی اصول رہنمائی کرتے ہیں تاکہ دیگر معاشروں کے درمیان اس معاشرہ کی ایک امتیازی شان ہو۔ اس ربانی معاشرہ اور مادیت کی بنیاد پر قائم ہونے والے معاشروں کے درمیان پائے جانے والے اس نمایاں فرق کو ہم بخوبی محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ معاشرے جن میں انسان گلا گھونٹ دینے والی جذباتی ناآسودگی اور بے مائیگی میں زندگی گزارتا ہے وہ کسی پڑوسی یا کسی رشتہ دار کو دیکھ کر خوشی کا اظہار نہیں کرتا اور نہ کسی دوسرے سے ملتے وقت اس کے چہرے پر محبت کی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے، بلکہ وہ ہمیشہ حیران و پریشان، اپنے خیالوں میں مگن اور مادی زندگی کے تقاضوں کی تکمیل میں ہمہ تن مشغول رہتا ہے۔ مادی زندگی نے اس کے انسانی جذبے کا شعلہ سرد کر دیا ہے، روحانی آسودگی کے سوتوں کو خشک کر دیا ہے اور اس کو ایسا پابند بنا دیا ہے کہ وہ اس کے مدار میں لٹو کی مانند گردش کر رہا ہے، اس کو کسی کروٹ چین نہیں اور کسی پل قرار نہیں۔

خوش طبع اور ظریف ہونا:

مسلمان لوگوں کے ساتھ خوش طبعی اور ظرافت سے پیش آتا ہے۔ لوگ اس کی صحبت میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا ہے۔ ہنسی مذاق اور خوش طبعی

---

① بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب ذكر جرير بن عبد الله رضی الله عنه: ٣٨٢٢۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل جرير بن عبدالله رضی الله عنه: ٢٤٧٥۔

کے موقعوں پر ان سے ہنسی مذاق کرتا ہے۔ وہ نہ ہنسی مذاق میں غلو کرتا ہے کہ اس سے لوگوں کو اذیت پہنچے اور نہ اپنی سنجیدگی میں حد سے تجاوز کرتا ہے کہ اس کی سنجیدگی لوگوں پر گراں گزرے۔ اس کا مذاق اسلامی اور جائز حدود میں ہوتا ہے اور وہ اپنے مذاق میں بھی حق کے دائرہ سے تجاوز نہیں کرتا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ان کے ہنسی مذاق اور خوش طبعیوں میں معمول تھا۔ حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ''آپ ہم سے ہنسی مذاق کرتے ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنِّیْ لَا اَقُوْلُ اِلَّا حَقًّا» ①

''میں صرف حق بات کہتا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ بھی ہنسی مذاق کیا کرتے تھے مگر آپ ﷺ اس ہنسی مذاق میں بھی حق بات ہی کہتے تھے۔ یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی حال تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہونے والی خوش طبعی اور ہنسی مذاق کے سلسلہ میں بہت سے پر لطف واقعات اور دلچسپ لطائف مروی ہیں، ان میں سے کچھ لطائف یہاں بیان کیے جا رہے ہیں:

✤ کتب احادیث و سیر میں مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ ایک صحابی کے بیٹے ابو عمیر رضی اللہ عنہ سے ہنسی مذاق کیا کرتے تھے، وہ ایک پرندہ پالے ہوئے تھا جس سے کھیلتا رہتا۔ ایک دن آپ ﷺ نے اس کو رنجیدہ اور غمگین دیکھا تو فرمایا: ''کیا بات ہے ابو عمیر کچھ غمگین نظر آ رہا ہے؟'' لوگوں نے بتلایا کہ اے اللہ کے رسول! اس کا پرندہ جس سے وہ کھیلا کرتا تھا، مر گیا ہے تو رسول اللہ ﷺ اس بچے سے مذاق کرتے ہوئے کہنے لگے:

«یَا اَبَا عُمَیْرٍ! مَا فَعَلَ النُّغَیْرُ؟» ②

---

① ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء فی المزاح: ۱۹۹۰۔
② بخاری، کتاب الادب، باب الکنیة للصبی ...... الخ: ۶۲۰۳۔

''ابوعمیر! نُغیر[1] کو کیا ہوا؟''

- ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے سواری مانگی۔ نبی ﷺ نے بطور مذاح فرمایا: ''ہم تمھیں اونٹنی کا بچہ دیں گے'' اس شخص نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! میں اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کروں گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا اونٹ (اونٹنی کے علاوہ) کسی اور کا بچہ ہوتا ہے؟''[2]
- امام احمد نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک دیہاتی شخص جن کا نام زاہر تھا، نبی ﷺ کو دیہات سے ہدیہ بھیجا کرتے۔ نبی کریم ﷺ بھی انھیں تحفہ تحائف سے نوازا کرتے تھے۔ ان کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''زاہر ہمارے دیہاتی ہیں اور ہم ان کے شہری ہیں۔''

رسول اللہ ﷺ ان سے محبت کرتے تھے۔ وہ بہت بدشکل تھے، ایک مرتبہ وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے انھیں گود میں لے لیا۔ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا نہیں تھا سو کہنے لگے: ''مجھے چھوڑو، کون ہو؟'' پھر مڑے تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ بس انھوں نے اپنی پیٹھ نبی ﷺ کے سینہ مبارک سے لگا دی اور مسلسل لگائے رہے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اعلان کرنے لگے:

«مَنْ يَشْتَرِي الْعَبْدَ؟»

''اس غلام کو کون خریدے گا؟''

انھوں نے کہا: ''اے اللہ کے رسول! تب تو اللہ کی قسم آپ مجھے بہت ارزاں اور

---

1. نغیر، نغر کی تصغیر ہے، نغیر ایك چڑیا کو کہتے ہیں جو گوریا کے مانند ہوتی ہے۔
2. ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب ما جاء فی المزاح: ٤٩٩٨۔ ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ما جاء فی المزاح: ١٩٩١۔

کم قیمت پائیں گے۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ أَوْ قَالَ لٰكِنْ عِنْدَ اللّٰهِ أَنْتَ غَالٍ» ①

"لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم ارزاں نہیں ہو۔" یا فرمایا: "لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم بیش قیمت ہو۔"

ایک بڑھیا نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے دعا کر دیجیے کہ وہ مجھے جنت نصیب کرے۔" آپ ﷺ نے خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا: "ام فلاں! جنت میں بڑھیا نہیں جاتی۔" وہ بڑھیا روتی پیٹتی واپس ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسے بتلا دو کہ وہ بڑھاپے کی حالت میں جنت میں نہیں جائے گی۔ (یعنی جوان ہو کر جنت میں جائے گی) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا ﴾ (الواقعة : ٢٥، ٢٦)

"ان کی بیویوں کو ہم خاص طور پر نئے سرے سے پیدا کریں گے اور انھیں کنواریاں بنا دیں گے۔" ②

رسول اللہ ﷺ کی خوش طبع، نفسیات اور ہنسی مذاق پسند کرنے والی طبیعت پر اس حدیث سے بھی دلالت ہوتی ہے جسے امام احمد نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"میں ایک سفر میں نبی ﷺ کے ساتھ تھی، ابھی میں نوعمر تھی، بدن بھاری نہیں ہوا تھا اور موٹاپا طاری نہیں ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: "آگے بڑھ جاؤ۔" لوگ آگے بڑھ گئے تو مجھ سے فرمایا: "آؤ دوڑ کا مقابلہ کریں۔" میں آپ ﷺ کے ساتھ دوڑی اور آپ سے آگے نکل گئی۔ آپ ﷺ خاموش ہو

① مسند احمد : ۱۶۱/۳۔

② ترمذی فی الشمائل : ۲۳۹۔

گئے، یہاں تک کہ جب میں فربہ ہوگئی، بدن بھاری ہوگیا اور میں اس واقعہ کو بھول گئی تو ایک مرتبہ پھر آپ ﷺ کے ساتھ سفر میں نکلی۔" آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: "آگے بڑھ جاؤ" لوگ آگے بڑھ گئے تو مجھ سے فرمایا: "آؤ دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔" میں نے دوڑ کا مقابلہ کیا تو آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔ آپ ﷺ ہنسے اور کہنے لگے: "یہ پہلی جیت کا بدلہ ہے۔"[1]

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ہنسی مذاق اور خوش طبعی میں کوئی حرج نہ سمجھتے تھے۔ کیونکہ انھوں نے رسول کریم ﷺ کو جو ان کے امام، قائد اور معلم تھے، وقتاً فوقتاً ہنسی مذاق کرتے دیکھا تھا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی ہنسی مذاق کے بہت سے لطیفے مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلا اسلامی معاشرہ کس قدر فراخ دل اور بد مزاجی، ترش روئی اور انقباض سے کتنا دور تھا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے الادب المفرد میں بکر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے:

"نبی ﷺ کے اصحاب ایک دوسرے پر خربوزہ پھینکا کرتے تھے (یعنی ہنسی مذاق کی محفلوں میں خربوزہ کے ٹکڑے ایک دوسرے پر پھینکتے تھے) لیکن جب وہ حقائق سے دوچار ہوتے تو پوری مردانگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔"[2]

یہ ہے وہ معتدل و متوسط اسلامی مذاق جو اپنے ماننے والوں کو حق کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتا اور ان میں مردانگی کا شعلہ سرد نہیں کرتا بلکہ اس سے دلوں کو نشاط، ذہنوں کو جلا اور دلوں کو راحت حاصل ہوتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ لطائف جن پر رسول اللہ ﷺ ہنسے ہیں ان میں سے ایک امام احمد نے سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

---

1. مسند احمد: ٦/٢٦٤۔
2. الأدب المفرد: ٢٦٦، صحیح ۔ الصحیحة: ٤٣٥۔

- ''سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے بصریٰ کا سفر کیا، ان کے ہمراہ سیدنا نعیمان اور سیدنا سویبط رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ یہ دونوں بدری صحابی تھے۔ سیدنا سویبط رضی اللہ عنہ کے پاس زاد راہ تھا۔ سیدنا نعیمان رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: ''مجھے کھلاؤ۔'' انھوں نے کہا (اس وقت کھلاؤں گا) جب سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ آ جائیں گے۔ سیدنا نعیمان بہت زیادہ ہنسنے والے اور بہت زیادہ مذاق کرنے والے تھے۔ وہ کچھ لوگوں کے پاس گئے جو اونٹ لادے لے جا رہے تھے۔ ان سے کہا: ''مجھ سے ایک ذہین عربی غلام خریدو گے؟'' ان لوگوں نے کہا: ''ہاں!'' سیدنا نعیمان رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ بہت چرب زبان ہے شاید کہے کہ میں آزاد ہوں، اگر اس بنا پر تم اس کو نہ لو تو پھر رہنے دو، اسے مجھ سے نہ بھڑکاؤ۔'' ان لوگوں نے کہا: ''نہیں ہم اسے خریدیں گے'' چنانچہ ان لوگوں نے دس اونٹنیوں کے عوض اس غلام کو خرید لیا۔

سیدنا نعیمان رضی اللہ عنہ ان اونٹنیوں کو ہانکتے ہوئے لے آئے اور کہا: ''دیکھو یہی غلام ہے۔'' سیدنا سویبط رضی اللہ عنہ نے کہا: ''وہ جھوٹا ہے، میں آزاد ہوں۔'' ان لوگوں نے کہا: ''ہمیں تمھارے بارے میں خوب معلوم ہے۔'' چنانچہ ان لوگوں نے ان کی گردن میں رسی ڈالی اور انھیں اپنے ساتھ لے گئے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور انھیں معلوم ہوا تو وہ اور ان کے رفقاء ان لوگوں کے پاس گئے۔ ان کی اونٹنیاں واپس کیں اور سیدنا سویبط رضی اللہ عنہ کو واپس لائے۔ پھر لوگوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی مجلس میں بیٹھے ہوئے سب صحابہ رضی اللہ عنہم ہنسنے لگے۔''[1]

- ایک دیہاتی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مسجد نبوی میں داخل ہو کر اس نے اپنی اونٹنی اس کے صحن میں باندھ دی۔ بعض صحابہ نے سیدنا نعیمان بن عمرو

---

[1] الإصابة فی تمییز الصحابة: ۸۸۱۱۔

الانصاری رضی اللہ عنہ سے کہا بڑا اچھا ہوتا اگر تم اسے ذبح کرتے اور ہم لوگ اس کا گوشت کھاتے، گوشت کھانے کی بہت خواہش ہو رہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کا تاوان دے ہی دیں گے، (راوی فرماتے ہیں کہ) سیدنا نعیمان رضی اللہ عنہ نے اسے ذبح کر دیا۔ دیہاتی جب باہر نکلا تو اپنی سواری کو ذبح کیا ہوا دیکھ کر چیخ پڑا: ''یا محمد! ہائے میری اونٹنی ذبح کر دی گئی۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور پوچھا: ''یہ کس نے کیا ہے؟'' لوگوں نے بتلایا: ''نعیمان نے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے ہوئے ان کی تلاش میں نکلے تو انھیں سیدنا زبیر بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی بیٹی ضباعہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پایا۔ وہاں وہ ایک گڑھے میں چھپ گئے تھے اور اپنے اوپر کھجور کی ٹہنیاں اور پتیاں ڈال لی تھیں۔ ایک شخص نے اشارے سے بتلایا اور زور سے کہا: ''اے اللہ کے رسول! میں نے انھیں نہیں دیکھا ہے اور یہ کہتے ہوئے جہاں وہ چھپے ہوئے تھے وہاں اشارہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں نکالا کھجور کی ٹہنیاں وغیرہ گرنے سے ان کا چہرہ بدل گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟'' انھوں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! جن لوگوں نے آپ کو میرے بارے میں بتلایا ہے انھی لوگوں نے مجھے اس کا حکم دیا تھا۔'' اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چہرے سے غبار جھاڑنے لگے اور ہنسنے لگے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی کا تاوان دے دیا۔''[1]

الحاصل یہ کہ ان آثار و روایات اور ان جیسی دوسری روایات سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ اسلام اپنے فرزندوں میں خوش طبعی، زندہ دلی اور پاکیزگی روح دیکھنا چاہتا ہے۔ یہ صفات ایسی ہیں جو انسان کو خوش اخلاق اور لوگوں کے درمیان محبوبیت عطا کرتی ہیں جن سے لوگوں کے دل فتح کیے جا سکتے ہیں اور ان کے اندرون میں انقلاب برپا کیا جا سکتا ہے۔ ایک داعی مسلمان کو ایسی ہی شخصیت اور ان ہی صفات کی سخت ضرورت ہے۔

---

[1] دیکھیے حیاۃ الصحابۃ: ۱۷۵،۱۷۴/۳۔ الإصابۃ فی تمییز الصحابۃ: ۸۸۱۱/۶۔

مومن کا حلیم اور بردبار ہونا:

ایک متقی مسلمان جس کا نفس اسلامی تعلیمات کے سرچشمے سے سیراب ہوتا ہے، اپنے نفس کو ہمیشہ حلم و بردباری اور عفو و درگزر پر قائم رکھتا ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کی تعمیل کرتا ہے:

﴿ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

(آل عمران: ١٣٤)

”جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔“

کیونکہ اسلام کی نظر میں طاقت ور وہ شخص نہیں جس کے جسم کے اعضاء مضبوط اور گٹھے ہوئے ہوں اور جو لوگوں کو پچھاڑنے اور ان پر غلبہ پانے کی قدرت رکھتا ہوں بلکہ طاقتور دراصل وہ سنجیدہ اور بردبار شخص ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے۔ ارشاد نبوی ہے:

« لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ اِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِىْ يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ » [1]

”طاقت ور وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے نفس پر قابو پالے۔“

مردانگی کا معیار یہ نہیں کہ آدمی غیظ و غضب کی زبردست لپٹ کا شکار ہو جائے، جذبات کی رو میں بہہ جائے اور طیش سے اس پر جنون طاری ہو جائے بلکہ مردانگی کی کسوٹی یہ ہے کہ آدمی غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو پالے، اپنے نفس پر قابو پا کر اور برانگیختگی

---

1. بخاری، کتاب الأدب، باب الحذر من الغضب: ٦١١٤۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل من يملك ...... الخ: ٢٦٠٩۔

اور انفعال کے وقت اعصاب کو قابو کر کے بعض سنگین حالات کو نارمل کر لے۔ ایسے افراد کے ذریعے فتنوں اور لڑائی جھگڑوں کو دبایا جا سکتا ہے اور بحسن وخوبی مقصد تک پہنچایا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے اور لوگوں کو گرویدہ بنایا جا سکتا ہے۔ اسی لیے جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے اس سے صرف ایک بات کی نصیحت کی: ''غصہ نہ کرو۔'' اس شخص نے اس کے بعد بھی کئی بار نصیحت کی درخواست کی اور آپ ﷺ نے ہر بار اسی بات کی نصیحت کہ جو دراصل تمام مکارم اخلاق کی جامع ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَغْضَبْ»[1]

''غصہ نہ کیا کرو۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اشج عبدالقیس رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«إِنَّ فِيكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ : الْحِلْمُ وَالْأَنَاةُ»[2]

''تم میں دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہیں۔ بردباری اور سنجیدگی۔''

بعض اوقات حقیقی مسلمان کو بھی غصہ آتا ہے مگر اس کا غصہ اپنے نفس کے لیے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کے محارم کی بے حرمتی کی جاتی ہے، دینی شعائر کو پامال کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو معطل کر دیا جاتا ہے تو اس وقت مسلمان ان سرکشوں، گناہ گاروں، اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی بے حرمتی کرنے والوں اور اس کی شریعت، احکام اور اقدار کے ساتھ کھیلنے والوں کے خلاف زبردست انتقام اور بدلہ لینے کی

---

1. بخاری، كتاب الأدب : باب الحذر من الغضب: ٦١١٦۔
2. مسلم، كتاب الإيمان: باب الأمر بالإيمان ......الخ : ١٨۔

ٹھان لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی کردار تھا جیسا کہ امام مالک اور امام بخاری نے روایت کیا ہے:

« مَا انْتَقَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِنَفْسِهِ إِلَّا أَنْ تُنْتَهَكَ حُرْمَةُ اللّٰهِ فَيَنْتَقِمَ لِلّٰهِ بِهَا » ①

''رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا مگر جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی بے حرمتی کی جاتی تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے لیے اس کا بدلہ لیتے۔''

رسول اللہ ﷺ صرف اس وقت غیظ وغضب کا اظہار کرتے تھے اور آپ کے روئے انور کا رنگ متغیر ہو جاتا جب دین کی شہرت داغ دار ہوتی یا دینی احکام کے نفاذ میں کوئی غلطی یا دین کی حدود قائم کرنے میں کوئی تساہل برتا جاتا۔

آپ ﷺ نے اپنے غصہ کا اس دن اظہار فرمایا جب ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میں فلاں شخص کی وجہ سے صبح کی نماز سے پیچھے رہ جاتا ہوں، اس لیے کہ وہ نماز کو بہت طول دیتے ہیں۔ میں نے نبی ﷺ کو کسی وعظ میں اس قدر غصہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا جس قدر آپ ﷺ اس روز غصہ میں آئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

« يَا أَيُّهَا النَّاسُ ! إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيُوجِزْ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِهِ الْكَبِيرَ وَ الضَّعِيفَ وَذَا الْحَاجَةِ » ②

''اے لوگو! تم میں کچھ لوگ نفرت دلانے والے ہیں۔ تم میں سے جو بھی امامت کرے اسے چاہیے کہ وہ نماز مختصر پڑھائے اس لیے کہ اس کی اقتدا میں

① بخاری، كتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ : ٣٥٦٠۔ مسلم: ٢٣٢٧۔

② مسلم، كتاب الصلاة: باب امر الائمة...... الخ ٤٦٦۔ بخاری، كتاب الأدب، باب ما يجوز من الغضب ...... الخ : ٦١١٠۔

بوڑھے، بچے اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔"

ایک مرتبہ آپ ﷺ کسی سفر سے تشریف لائے اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوئے تو ایک باریک پردہ دیکھا جس میں تصویریں تھیں۔ آپ ﷺ نے اسے دیکھا تو پھاڑ ڈالا، چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

((يَا عَائِشَةُ ! أَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الَّذِيْنَ يُضَاهُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰهِ)) ①

"اے عائشہ! قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی صفت خلق میں مشابہت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔"

آپ ﷺ کا غصہ اس دن بھی ظاہر ہوا جب سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے اس مخزومی عورت کے سلسلہ میں آپ ﷺ سے گفتگو کی تھی، جو چوری کے جرم میں ماخوذ تھی اور رسول اللہ ﷺ نے اس پر حد جاری کرنے کا عزم کر لیا تھا۔ صحابہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے کون سفارش کرے گا؟ بعض نے کہا اسامہ کے سوا اس کی کون جرأت کر سکتا ہے، وہ تو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی تو آپ ﷺ نے انتہائی غضب ناک ہو کر فرمایا:

"کیا تم اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں سفارش کر رہے ہو؟" پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں میں تقریر کی، آپ ﷺ نے فرمایا: "تم لوگوں سے پہلی قومیں اسی وجہ سے ہلاک کر دی گئیں کہ جب ان کا کوئی شریف اور باعزت شخص چوری کرتا تو وہ اسے چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور انسان چوری کرتا تو اس پر

---

① مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم التصوير......الخ: ٢١٠٧۔ بخاری، كتاب اللباس، باب ما وطی من التصاوير: ٥٩٥٤۔

حد نافذ کر دیتے:

«وَ ایْمُ اللّٰہِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ یَدَھَا» ①

''اللہ کی قسم! اگر محمد ﷺ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

رسول اللہ ﷺ کے غضب کا یہ عالم تھا اور اسلامی شریعت میں اس کے جواز کی یہ حدود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غضب اللہ تعالیٰ کے لیے ہونا چاہیے نہ کہ نفس کے لیے۔

گالی گلوچ اور بدگوئی سے اجتناب کرنا:

جب مسلمان غیظ و غضب کے وقت اپنے آپ کو اس خصلت کا پابند بنا لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی زبان سے گالی گلوچ اور ناپسندیدہ اور فحش کلمات نہیں نکلتے، مسلمان کی طبیعت میں جس چیز کی بنا پر اس خصلت کو تقویت ملتی ہے اور جس چیز کی بنا پر وہ زبان سے گالی گلوچ اور بدگوئی کرنے سے اجتناب کرتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی اخلاقی تعلیمات کا پورے صدق و اخلاص کے ساتھ التزام کرتا ہے جن میں گالی گلوچ، بدگوئی، فحش کلامی اور لعن طعن کرنے سے سخت نفرت دلائی گئی ہے، اسی بنا پر ایک مسلمان ان چیزوں کو سننا بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَ قِتَالُهُ كُفْرٌ» ②

''مومن کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔''

---

① بخاری، کتاب احادیث الأنبیاء، باب: ۳٤۷۵۔ مسلم، کتاب الحدود، باب قطع السارق الشریف: ۱٦۸۸۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب ما ینھی من السباب واللعن: ٦۰٤٤۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان قول النبی ﷺ سباب المسلم...... الخ: ٦٤۔

دوسری حدیث میں ہے:

((إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ فَاحِشٍ مُتَفَحِّشٍ))[1]

''اللہ تعالیٰ بدزبان اور بدگوئی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ))[2]

''اللہ تعالیٰ فحش بکنے والے اور بدزبانی کرنے والے کو پسند نہیں کرتا۔''

ایک حدیث میں ہے:

((لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِيءَ))[3]

''طعن کرنے والا، لعنت کرنے والا، فحش بکنے والا اور بدزبانی کرنے والا مومن نہیں۔''

یہ صفات اس مسلمان کے شایان شان نہیں جو ایمان کے ٹھنڈے جھونکے سے متمتع ہوتا ہے اور جس کے دل میں اسلام کی بشاشت جاگزیں ہوتی ہے، اسی لیے وہ ان مذموم صفات سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اس کے دل میں ان صفات سے مزید دوری اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے جب وہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس میں ایک بہترین نمونہ دیکھتا ہے اور اسے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے پوری زندگی کبھی اپنی زبان سے ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکالا جس سے سننے والے کو ناگواری ہو، اس کے احساسات مجروح ہوں یا اس کی عزت و اکرام پر دھبا آئے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

1. مسند احمد: ۵/ ۲۰۲۔ابو داود، کتاب الأدب: باب فی حسن العشرۃ: ۴۷۹۲۔
2. ترمذی، کتاب البر و الصلۃ، باب ما جاء فی حسن الخلق: ۲۰۰۲۔
3. الأدب المفرد: ۳۱۲، صحیح۔ الصحیحۃ: ۳۲۰۔

"رسول اللہ ﷺ نہ فحش بات کرتے تھے، نہ لعن طعن کرتے تھے اور نہ گالی دیتے تھے۔ اگر کسی کو عتاب و سرزنش کرنا ہوتی تو فرماتے: "اسے کیا ہوگیا ہے؟ اس کی پیشانی خاک آلود[1] ہو۔"[2]

یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے ان کافروں تک پر لعنت بھیجنے سے اجتناب فرمایا جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت سے اعراض کیا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے بارے میں کبھی لعن طعن کا ایک لفظ بھی نہیں فرمایا، جیسا کہ صحابی جلیل سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! مشرکوں کے لیے بددعا کر دیجیے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً»[3]

"میں لعنت کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو رحمت بنا کر مبعوث ہوا ہوں۔"

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"ایک شخص نے شراب پی۔ اسے نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا: "اسے مارو" چنانچہ ہم میں سے کوئی ہاتھ سے، کوئی جوتے سے اور کوئی کپڑے سے مارنے لگا، پھر جب وہ واپس ہوا تو کسی نے کہا: "اللہ تجھے رسوا کرے" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«لَا تَقُولُوا هٰذَا وَ لَا تُعِينُوا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ»[4]

"ایسا مت کہو اور اس کے مقابلہ میں شیطان کی مدد نہ کرو۔"

---

1. یعنی کثرتِ سجود سے
2. بخاری، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن السباب واللعن: ٦٠٤٦۔
3. مسلم، کتاب البر والصلة، باب النهی عن لعن والدّواب وغیرها: ٢٥٩٩۔
4. بخاری، کتاب الحدود: باب الضرب بالجرید والنعال: ٦٧٧٧۔

غور کرنے کا مقام ہے رسول اللہ ﷺ کتنے رحیم و شفیق تھے یہاں تک کہ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت ان لوگوں کے لیے بھی عام تھی جو سرکشی، گمراہی اور نافرمانی کے بیابانوں میں بھٹک رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کی عزت و آبرو پر زبان کھولنے والے کے بھیانک انجام کی تصویر کشی کر کے لوگوں کے دلوں سے شر، برائی اور حقد و کینہ کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکا ہے۔ آپ ﷺ نے ایسے شخص کی تصویر کشی یوں فرمائی ہے کہ اس کی فحش گالیاں، بے بنیاد تہمتیں، ناپسندیدہ اور گھٹیا زیادتیاں جو اس نے کبھی کسی کے ساتھ کی ہوں گی، قیامت کے دن اس کی زندگی کی تمام نیکیوں پر پانی پھیر دیں گی۔ اس کے پاس کوئی نیکی نہ بچے گی، اس کا کوئی ٹھکانا نہ ہوگا اور کوئی چیز اسے جہنم کی آگ سے نہ بچا سکے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت کیا: ''تمھیں معلوم ہے مفلس کون ہے؟''

صحابہ نے عرض کیا: ''ہم تو مفلس اسے سمجھتے ہیں جس کے پاس درہم و دینار اور مال و متاع نہ ہو۔'' آپ ﷺ نے فرمایا:

''میری امت میں مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوۃ کے ساتھ آئے گا مگر اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر بہتان لگایا ہوگا، کسی کا مال ہڑپ کیا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا اور کسی کو مارا ہوگا چنانچہ اس نے جن جن لوگوں کی حق تلفی کی ہوگی انھیں اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر ان لوگوں کا حق پورا ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے گناہ لے کر اس پر لاد دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔''[1]

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ سچے مسلمان کی زندگی ان بے بنیاد اور سطحی چیزوں سے خالی ہوتی ہیں اور حقیقی اسلامی معاشرہ میں جہاں ان اقدار کی حکمرانی رہتی ہے اور

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحريم الظلم: ۲۵۸۱۔

لوگوں کی زندگی پر بلند اخلاقی تعلیمات چھائی رہتی ہیں وہاں گالی گلوچ تک پہنچا دینے والے خصومات اور اختلافات شاذ و نادر یا معدوم ہوتے ہیں۔

حقیقی اسلامی معاشرہ میں ہر فرد اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنے منہ سے جو لفظ بھی نکالتا ہے اس کا حساب لیا جائے گا اور اگر زندگی کی سختیوں اور تکالیف کی بنا پر اس نے لڑائی جھگڑے کیے تو اس پر اس کی گرفت ہوگی چنانچہ وہ اپنی ناراضی کو قابو میں رکھتا ہے اور اپنے اعصاب اور تعبیرات پر بھی ضبط رکھتا ہے۔ اسے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہمیشہ یاد رہتا ہے:

«اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالاَ فَعَلَى الْبَادِئِ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ» [1]

"دو شخص آپس میں ایک دوسرے کو گالی دیتے ہیں تو دونوں کا گناہ ابتدا کرنے والے پر ہے یہاں تک کہ مظلوم زیادتی کرنے لگے۔ (بدلہ کی حد سے تجاوز کر جائے)۔"

چنانچہ مسلمان اپنی زبان سے گالی گلوچ نہیں بکتا خواہ اس کے دواعی پائے جائیں اور گناہ سے بچنے کے لیے مشتعل غضب کی تیزی سے باز رہتا ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں اس کا شمار بھی زیادتی کرنے والوں میں نہ ہو جائے۔

ایک مسلمان اپنے اس اخلاق کا مظاہرہ مردوں کے سلسلہ میں بھی کرتا ہے چنانچہ وہ ان کو برا بھلا نہیں کہتا جیسا کہ جاہل و نادان اور بے وقوف لوگ کرتے ہیں کہ وہ زندہ لوگوں کو گالی گلوچ بکنے پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ آگے بڑھ کر مردوں کو بھی برا بھلا کہنے لگتے ہیں، وہ رسول کریم ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہے:

«لَا تَسُبُّوا الْأَمْوَاتَ فَإِنَّهُمْ قَدْ أَفْضَوْا إِلَى مَا قَدَّمُوا» [2]

"مُردوں کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ انھوں نے جو بھی اعمال کیے ہیں ان کا بدلہ

---

1. مسلم، کتاب البر و الصلة، باب النهي عن السباب: ۲۵۸۷۔
2. بخاري، کتاب الجنائز، باب ما ينهى من سب الأموات: ۱۳۹۳۔

پالیا ہے۔"

کسی پر ناحق فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا:

مسلمان جو اپنی زبان کو گالی گلوچ، بد کلامی اور فحش گوئی سے محفوظ رکھتا ہے اور اس سے زیادہ بری اور ہلاکت خیز چیز سے بھی اپنے آپ کو مبرا رکھتا ہے اور وہ ہے کسی کو ناحق فسق اور کفر کی تہمت لگانا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کو یہ وعید سنائی ہے جو بے قصور اور بے گناہ لوگوں پر تہمتیں لگاتا ہے کہ وہ تہمت خود اس پر لوٹ آئے گی اور اس کا گناہ اس کے سر ہوگا:

"کوئی کسی کو فسق یا کفر کی تہمت نہ لگائے اس لیے کہ جس شخص کو تہمت لگائی ہے اگر وہ ویسا نہیں ہے تو یہ بات تہمت لگانے والے ہی پر پلٹ آئے گی۔"[1]

مومن شرمیلا ہوتا ہے اور عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے:

سچے مسلمان کی ایک نمایاں خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ شرمیلا اور حیادار ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اور نہیں چاہتا کہ اسلامی معاشرہ میں برائیاں اور فواحش عام ہوں۔ وہ قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی ان تعلیمات و ارشادات پر عمل پیرا ہوتا ہے جن میں شر و فساد پھیلانے والے ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے جو دوسروں کی عزت و آبرو سے کھیلتے اور ان کے عیوب کی تشہیر کرتے ہیں، انھیں دنیا و آخرت دونوں میں عذاب سے ڈرایا گیا ہے:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ (النور: ١٩)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں کے گروہ میں فحاشی پھیلے وہ دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔"

یہی وجہ ہے کہ معاشرہ میں بری باتیں پھیلانے والا اور برے کام کرنے والا دونوں

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب ما ینهی من السباب واللعن: ٦٠٤٥۔

گناہ میں برابر ہیں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:

«اَلْقَائِلُ الْفَاحِشَةَ وَالَّذِیْ یَشِیْعُ بِهَا فِی الْإِثْمِ سَوَاءٌ» ①

"بری بات کہنے والا اور اس کو لوگوں میں عام کرنے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔"

اسلامی معاشرہ کا ہر فرد شرمیلا اور عیوب کی پردہ پوشی کرنے والا ہوتا ہے۔ وہ صغائر اور پست و گھٹیا باتوں سے بلند ہوتا ہے۔ اس کا پاکیزہ اخلاق جس کی تربیت بارگاہ نبوت میں ہوتی ہے، اسے لوگوں کی عزت و آبرو میں پڑنے سے باز رکھتا ہے اور وہ معصیت و بے حیائی کی باتوں کی تشہیر کرنے سے اپنی زبان روکے رکھتا ہے خواہ وہ بے حیائی و بدکاری خود اس نے کی ہو یا کسی اور سے سنی یا دیکھی ہو۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھتا ہے:

"میری امت کے تمام لوگوں کو معاف کر دیا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو برائیوں کی تشہیر کرتے ہیں۔ تشہیر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی گناہ کرے، وہ ڈھکا چھپا رہے، پھر وہ صبح اٹھ کر لوگوں میں اعلان کرتا پھرے اور کہے: "اے فلاں! میں نے گزشتہ رات فلاں فلاں کام کیا۔" اللہ تعالیٰ نے اس کی اس برائی پر پردہ ڈال دیا تھا مگر وہ صبح اٹھ کر خود اللہ تعالیٰ کے پردے کو چاک کر دے۔" ②

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«لَا یَسْتُرُ عَبْدٌ عَبْدًا فِی الدُّنْیَا إِلَّا سَتَرَهُ اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ» ③

"جو بندہ دنیا میں دوسرے بندے کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن

---

① الأدب المفرد: ٣٢٤، حسن الاسناد۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب ستر المومن علی نفسه: ٦٠٦٩۔ مسلم، کتاب الزهد، باب النهی عن هتك الإنسان ستر نفسه: ٢٩٩٠۔

③ مسلم، کتاب البر والصلة، باب بشارة من ستر الله تعالٰی ...... : ٢٥٩٠۔

اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔"

کچھ لوگ سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: "ہمارے کچھ پڑوسی ہیں جو شراب پیتے اور برے کام کرتے ہیں، کیا ہم امام تک یہ بات پہنچا دیں؟" انھوں نے فرمایا: "نہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے:

"جو شخص کسی مسلمان میں کوئی عیب دیکھے اور اسے افشا نہ کرے تو اس نے گویا ایک لڑکی کو زندہ درگور ہونے سے بچالیا۔"[1]

انسانی کمزوری کا علاج لوگوں کے عیوب کی تشہیر کر کے، ان کو رسوا کر کے اور برسر عام بدنام کر کے نہیں ہوتا بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ حق ان کے سامنے پیش کیا جائے۔ اطاعت الٰہی کو خوشنما اور پسندیدہ بنا کر اور معصیت الٰہی کو ناپسندیدہ بنا کر ان کے سامنے لایا جائے اور اس سلسلہ میں صراحت سے یا منہ در منہ کہنے کے بجائے حکمت و مصلحت سے بات پہنچائی جائے۔ نرمی، آسانی، حکمت اور حسن اسلوب ہی سے دلوں کے بند دروازے کھلتے ہیں۔ اعصاب و جوارح اطاعت کرتے ہیں اور دل نرمی قبول کرتے ہیں۔ اسی لیے اسلام نے تجسس اور مسلمانوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَ لَا تَجَسَّسُوْا﴾ (الحجرات : ١٢)

"تجسس نہ کرو۔"

"سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا اور ان کو بتلایا گیا کہ اس کی ڈاڑھی سے شراب ٹپک رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِنَّا قَدْ نُهِيْنَا عَنِ التَّجَسُّسِ وَلٰكِنْ اِنْ يَّظْهَرْ لَنَا شَيْءٌ نَأْخُذْ بِهِ»[1]

---

[1] الادب المفرد : ٧٥٨، ضعیف۔ الضعيفة : ١٢٦٥۔

"ہمیں عیب کی جستجو اور ٹوہ میں لگنے سے منع کیا گیا ہے لیکن اگر عیب خود ہمارے سامنے ظاہر ہو جائے تو اس پر ہم گرفت کریں گے۔"

مسلمانوں کے عیوب کی جستجو کرنے، ان کی ٹوہ میں لگنے، ان کی کمزوری اور کوتاہی کے پہلو تلاش کرنے اور لوگوں میں تشہیر کرنے سے ان کو اذیت پہنچے گی اور ساتھ ہی اس اس سے وہ معاشرہ بھی متاثر ہو گا جس میں وہ لوگ رہتے بستے ہیں چنانچہ جس معاشرہ میں بھی بے حیائی اور بدکاری عام ہو جاتی ہے اور اس کے افراد میں بد کلامی و فحش گوئی کی کثرت ہو جاتی ہے، وہ زوال کا شکار ہو جاتا ہے، اس میں معصیت و برائی کا ارتکاب آسان ہو جاتا ہے۔ بغض و نفرت عام ہو جاتی ہے، مکر و فریب کا دور دورہ ہو جاتا ہے، کینہ و حسد کا چلن ہو جاتا ہے اور فتنہ و فساد پھیل جاتا ہے۔ انھی سب چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«إِنَّكَ إِنِ اتَّبَعْتَ عَوْرَاتِ النَّاسِ أَفْسَدْتَهُمْ أَوْ كِدْتَ أَنْ تُفْسِدَهُمْ» [2]

"اگر تم لوگوں کے عیوب کی ٹوہ میں لگو گے تو یا تو ان کو برا کر دو گے یا برائی سے قریب کر دو گے۔"

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو لوگوں کی عزت و آبرو میں پڑنے اور ان کے عیوب کی جستجو کرنے سے سخت تنبیہ فرمائی اور ان کو ڈرایا ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کا پردہ چاک کر دے گا اور اسے اس کے گھر کے اندر ذلیل و خوار کر دے گا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

"اللہ کے بندوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ، انھیں عار نہ دلاؤ اور ان کے عیوب کے پیچھے

---

1. ابو داؤد، كتاب الأدب، باب في التجسس: ٤٨٩٠۔ اس روایت کی سند بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔
2. ابو داؤد، كتاب الأدب، باب في التجسس: ٤٨٨٨۔

نہ پڑو۔ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب کی ٹوہ میں لگے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کر دے گا اور اسے اس کے گھر میں ذلیل وخوار کر دے گا۔"①

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ایک حدیث سے لوگوں کی عزت و آبرو میں پڑنے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی و برانگیختگی کا اندازہ ہوتا ہے، فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایسا خطبہ دیا کہ پردہ نشین خواتین نے بھی پردہ کے پیچھے سے سن لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! جو صرف زبان سے ایمان لے آئے ہو اور ابھی دل میں ایمان داخل نہیں ہوا، اہل ایمان کو اذیت نہ پہنچاؤ اور ان کے عیوب کی ٹوہ میں نہ لگو کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کی عیب جوئی کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو ظاہر کر دے گا اور اللہ تعالیٰ جس کے عیب کی ٹوہ میں لگ جائے اسے ذلیل وخوار کر کے چھوڑے گا، خواہ وہ گھر کے اندر ہی کیوں نہ ہو۔"②

لوگوں کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے اور اس احتیاط میں تساہل برتنے والوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی اور شدت غضب کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یوں مخاطب فرمایا:

"اے لوگو! جو صرف زبان سے ایمان لائے ہو اور ابھی دل میں ایمان داخل نہیں ہوا ہے۔"

کتنا عظیم گناہ ہے جس کا یہ لوگ ارتکاب کرتے ہیں یہاں تک کہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے دل ایمان کی نعمت سے خالی ہیں۔ یہ بہت بڑا گناہ ہے، لوگ اسے بہت معمولی اور ہلکا سمجھتے ہیں حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑا ہے۔

---

① مسند احمد: ۲۷۹/۵۔

② طبرانی فی الکبیر: ۱۱۴۴٤۔ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتا:

صاحب فہم، باشعور اور رب کی خوشنودی چاہنے والا مسلمان لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتا، نہ لوگوں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کرتا ہے اور نہ ان کے بارے میں اڑائی ہوئی لغو اور نامعقول باتوں میں پڑتا ہے۔ وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ اسلام کے پاکیزہ اخلاق نے انسان کو ان لچر اور بے ہودہ باتوں اور نامعقول اور غیر سنجیدہ حرکتوں اور یاوہ گوئیوں سے بہت بلند رکھا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

«مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ»[1]

''آدمی کے اسلام کی خوبی اس بات میں ہے کہ وہ لایعنی چیزوں میں نہ پڑے۔''

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین چیزیں پسند کرتا ہے اور تین چیزیں ناپسند کرتا ہے۔ وہ پسند کرتا ہے کہ: ا۔تم اس کی عبادت کرو۔ ۲۔اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ ۳۔ اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ نہ پیدا کرو اور وہ ناپسند کرتا ہے۔قیل و قال، کثرت سوال اور ضیاع مال کو۔''[2]

اسلام کے زیر سایہ جو ربانی معاشرہ وجود میں آتا اور پروان چڑھتا ہے اس میں قیل و قال، کثرت سوال اور لوگوں کے نجی معاملات میں دخل اندازی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس معاشرہ کے افراد اس سے کہیں زیادہ اہم کام میں مشغول رہتے ہیں۔ وہ زمین پر اللہ کا کلمہ نافذ کرنے، خطہ ارض پر اس کا جھنڈا لہرانے اور لوگوں کے درمیان اس کے اقدار و قیم کی اشاعت میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں اور جو لوگ اتنا عظیم کام سرانجام دے رہے ہوں انھیں بھلا ان کاموں میں پڑنے کا وقت کیوں کر مل سکتا ہے؟

---

1. مؤطا امام مالك، باب فضل الحياء: ۹۴۹۔
2. مسلم، كتاب الأقضية، باب النهى عن كثرة المسائل ...... الخ: ۱۷۱۵۔

غیبت اور چغل خوری سے دور رہنا:

اسی وجہ سے مسلمان غیبت اور چغل خوری سے کوسوں دور رہتا ہے اور چونکہ اس کی پرورش و پرداخت اسلامی اقدار و اخلاق پر ہوتی ہے اس لیے وہ ان لچر اور بے معنی باتوں سے اجتناب کرتا ہے اور وہ زندگی کے عظیم کاموں کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ ہمیشہ کتاب و سنت کی تعلیمات پر کان لگائے رہتا ہے۔ ان تعلیمات میں جو حکم دیا جاتا ہے ان پر عمل کرتا ہے اور جن چیزوں سے روکا جاتا ہے ان سے باز رہتا ہے۔ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتا ہے:

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴾ (الحجرات: ١٢)

"اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تمھارے اندر کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ دیکھو! تم اس سے گھن کھاتے ہو؟ اللہ سے ڈرو، اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحیم ہے۔"

تو اس کے دل میں غیبت سے سخت نفرت اور کراہیت پیدا ہوتی ہے کیونکہ وہ اس آیت میں غیبت کرنے والے کو اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانے والے کی شکل میں دیکھتا ہے؟ چنانچہ وہ فوراً توبہ و استغفار کی طرف لپکتا ہے جس کا آیت کے آخر میں ذکر کیا گیا ہے اور غیبت میں مبتلا ہونے والے کو توبہ کی طرف سبقت کرنے پر اکسایا گیا ہے۔

وہ نبی ﷺ کے اس ارشاد کو غور سے سنتا ہے کہ جب ایک شخص آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے: "اے اللہ کے رسول! سب سے افضل مسلمان کون ہے؟" تو آپ ﷺ جواب دیتے ہیں:

« اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ »

"جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ ہوں۔"

اس ارشاد عالی اور پر حکمت تعلیم پر عمل کرتے ہوئے متقی مسلمان نہ کسی کے پیٹھ پیچھے

---

❶ بخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده: ١٠۔

اپنی زبان سے اس کی برائی کرتا ہے اور نہ معاشرہ میں کسی کو اپنے ہاتھ سے تکلیف پہنچاتا ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اگر کہیں کسی کی غیبت ہو رہی ہوتی ہے تو اس سے روکتا ہے اور اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کا دفاع کرتا ہے۔

ارشاد نبوی ہے:

”جو شخص اپنے بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی عزت و آبرو کا دفاع کرتا ہے۔
اللہ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ وہ اسے جہنم سے خلاصی دے دے۔“ ①

متقی مسلمان معاشرہ میں کسی کی چغل خوری بھی نہیں کرتا کیونکہ دینی تعلیمات سے واقفیت کی بنا پر وہ جانتا ہے کہ چغلی سے انسان ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کا مقصد صرف لوگوں کے درمیان فساد پھیلانا اور دوستوں کے درمیان محبت والفت کا رشتہ ختم کرنا ہوتا ہے۔ سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟“ صحابہ نے عرض کیا: ”کیوں نہیں، اے اللہ کے رسول!“ فرمایا: ”جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجائے۔“ پھر فرمایا: ”کیا میں تمھیں نہ بتلاؤں کہ تم میں سب سے برے لوگ کون ہیں؟ چغل خور، دوستوں کے درمیان فساد اور پھوٹ ڈالنے والے اور بے گناہ لوگوں کی عیب جوئی کرنے والے۔“ ②

فساد پیدا کرنے والے چغل خور کی دنیا میں رسوائی اور آخرت میں برا انجام ثابت کرنے کے لیے یہی صریح حدیث کافی ہے جو اس کے لیے امید اور آرزو کے تمام دروازے بند کر دیتی ہے اگر وہ اپنی اسی روش پر قائم رہے تو ارشاد ہے:

---

① مسند احمد: ٤٦١/٦۔ طبرانی فی الکبیر: ٤٤٢/٢٤۔

② مسند احمد: ٤٥٩/٦۔

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ نَمَّامٌ» ①

''چغل خور جنت میں نہیں جائے گا۔''

چغل خوری کا جو انجام سن کر دل میں خوف و دہشت بیٹھ جاتی ہے وہ یہ ہے کہ چغل خور پر قبر میں رکھے جانے کے بعد ہی سے اللہ کا سخت عذاب نازل ہونے لگتا ہے۔ بخاری و مسلم اور دیگر محدثین نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

''ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں کے پاس سے گزر ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَا إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِيْ كَبِيْرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِيْ بِالنَّمِيْمَةِ وَ أَمَّا الْآخَرُ فَكَانَ لَا يَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ» ②

''ان دونوں اہل قبر کو عذاب ہو رہا ہے اور یہ دونوں کسی ایسے بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب نہیں بھگت رہے ہیں (کہ جن سے بچنا مشکل ہو) ان میں سے ایک تو چغل خوری کیا کرتا تھا اور دوسرا پیشاب کرتے وقت احتیاط نہیں برتتا تھا۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پھر آپ نے ایک تر ٹہنی منگوائی اور اس کے دو ٹکڑے کیے، پھر دونوں کو الگ الگ گاڑ دیا اور فرمایا: ''شاید ان ٹہنیوں کے سوکھنے تک ان دونوں کے عذاب میں تخفیف کر دی جائے۔''

جھوٹ بولنے سے احتراز کرنا:

سچے اور باشعور مسلمان کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا اس لیے

---

① مسلم، كتاب الإيمان : باب غلظ تحريم النميمة : ١٠٥۔ بخاری، كتاب الأدب، باب ما يكره من النميمة : ٦٠٥٦۔

② مسلم، كتاب الطهارة، باب الدليل على نجاسة البول ...... الخ : ٢٩٢۔ بخاری، كتاب الوضوء، باب من الكبائر أن لا يستتر من بوله : ٢١٦۔

کہ جھوٹ بولنا حرام ہے، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ ﴾ (الحج: ۳۰)

''جھوٹی باتوں سے پرہیز کرو۔''

جھوٹی گواہی، حرام ہونے کے ساتھ ساتھ مردانگی میں بھی عیب لگاتی ہے، امانت و دیانت میں نقص پیدا کرتی ہے اور شرافت و کرامت کو داغدار کرتی ہے، اس لیے یہ اہل ایمان کی صفت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے اس صفت کی نفی کی ہے۔ ان سے کبائر کی نفی کے سیاق میں ارشاد فرمایا:

﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَ اِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ﴾ (الفرقان: ۷۲)

''اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو جھوٹ کے گواہ نہیں بنتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو جائے تو شریف آدمیوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔''

اس گناہ کے گھناؤنے پن کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گناہوں کی فہرست میں اس کا شمار دو سب سے بڑے گناہوں یعنی شرک اور والدین کی نافرمانی کے بعد کیا۔ پھر آپ ﷺ نے مسلمانوں کو ڈراتے ہوئے اور اس سے خبردار کرتے ہوئے بڑے غصے میں اس کا بار بار اعادہ کیا، آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

''کیا میں تمھیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتلاؤں؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''کیوں نہیں اے اللہ کے رسول!'' فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔'' (آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ''سن لو اور جھوٹ بولنا'' پھر آپ ﷺ برابر اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم تمنا کرنے لگے کاش! آپ سکوت اختیار کر لیتے۔''[1]

---

[1] مسلم، کتاب الإیمان، باب الکبائر واکبرھا: ۸۷۔ بخاری، کتاب الإستئذان، باب من اتکأ بین یدی اصحابه: ۶۲۷۳۔

بدگمانی سے بچنا:

حقیقی مسلمان کی ایک خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ لوگوں کے بارے میں بدگمانی نہیں کرتا اور ان کے بارے میں فکر و خیال اور تصورات کے گھوڑے نہیں دوڑاتا کیونکہ اس طرح ان کی جانب عیوب منسوب ہوجاتے ہیں اور تہمتیں لگتی ہیں حالانکہ وہ فی الواقع ان سے بری ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتا ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱجْتَنِبُوا۟ كَثِيرًا مِّنَ ٱلظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ ٱلظَّنِّ إِثْمٌ ﴾

(الحجرات : ١٢)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، بہت گمان کرنے سے پرہیز کرو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔''

نبی ﷺ کے ارشادات میں بدگمانی کرنے، لوگوں کے بارے میں قیاس آرائیاں کرنے اور حقیقت و یقین سے کوسوں دور بے سر و پا باتیں منسوب کرنے سے شدت سے ڈرایا گیا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

((إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ)) ①

''بدگمانی سے بچو، بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے۔''

نبی ﷺ نے بدگمانی کو سب سے جھوٹی بات قرار دیا ہے۔ حقیقی اور سچے مسلمان کی خصلت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی زبان پر کوئی ایسی بات نہیں لاتا جس سے جھوٹ کی بو آتی ہو، پھر آخر وہ سب سے جھوٹی بات میں کیسے مبتلا ہوسکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے بدگمانی سے بچنے کی تاکید کرکے اور اسے سب سے جھوٹی بات قرار دے کر مسلمانوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ لوگوں کے ظاہری اعمال پر فیصلہ کریں اور ان کے

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب لایخطب علی خطبة أخیه...... الخ : ٥١٤٣۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظن ...... الخ : ٢٥٦٣۔

بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے، شک وشبہ میں مبتلا ہونے، بے سروپا باتیں منسوب کرنے اور اوہام وخرافات کے دام میں گرفتار ہونے سے بچے رہیں۔ مسلمان کا اخلاق یہ نہیں اور نہ اس کے شایان شان ہی ہے کہ وہ لوگوں کے بھید معلوم کرنے کے پیچھے پڑا رہے۔ ان کی نجی زندگی کی ٹوہ میں رہے اور ان کی عزت وآبرو میں عیب تلاش کرتا رہے۔ کیونکہ بھید جاننا، انھیں افشا کرنا اور ان پر محاسبہ کرنا صرف اس معبود کا حق ہے جو بھیدوں سے واقف ہے، انسان صرف ظاہری عمل پر فیصلہ کرنے کا مکلّف ہے۔ ہمارے سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ (جو تعلیم نبوی کے کدورت سے پاک وصاف جھونکوں سے لطف اندوز ہوئے) کا یہی موقف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں میں نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کے ذریعے کسی کے بارے میں کوئی حکم لایا جاتا تھا لیکن وحی کا سلسلہ اب منقطع ہوگیا ہے اس لیے اب ہم تمھارے ظاہری اعمال دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ جو شخص بظاہر اچھے اعمال کرے گا اس کا ہم اعتبار کریں گے اور اسے اپنے قریب کریں گے اس کا باطن جاننا ہمارا کام نہیں، اس کا محاسبہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو شخص ظاہراً برے اعمال کرے گا ہم نہ اس سے مطمئن ہوں گے نہ اسے سچا سمجھیں گے خواہ وہ کتنا ہی کہتا رہے کہ "میرا باطن اچھا ہے۔"[1]

اس لیے متقی اور باشعور مسلمان سوچ سمجھ کر کوئی بات زبان سے نکالتا ہے اور پورے یقین کے ساتھ کوئی حکم لگاتا ہے۔ اس کے فکر وشعور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہمہ وقت حاضر رہتا ہے:

---

[1] بخاری، کتاب الشهادات، باب الشهداء العدول: ٢٦٤١۔

﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ (بنی اسرآئیل : ٣٦)

''کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمھیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوتی ہے۔''

چنانچہ وہ اس پر حکمت تنبیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے، بغیر علم کے کوئی بات نہیں کہتا اور بغیر یقین کے کوئی حکم نہیں لگاتا۔

عیب جوئی اور بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اسے اس وقت مزید خوف اور اندیشہ طاری ہو جاتا ہے جب وہ اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نگرانی پر مقرر کردہ فرشتے کو دیکھتا ہے جو اس کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ اور ہر بات کو محفوظ کرتا رہتا ہے۔

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ (قٓ : ١٨)

''کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔''

ان نصوص کے معانی کا ادراک کرنے والا مسلمان اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی ذمہ داری کا احساس کر کے خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ اسی لیے تم اسے دیکھو گے کہ وہ سوچ سمجھ کر کہتا ہے اور بولنے سے پہلے اپنی بات تولتا ہے اور جانچ پرکھ کر زبان سے نکالتا ہے کیونکہ وہ دینی تعلیمات کے مطالعہ سے جانتا ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی ایک بات اسے خوشنودئ رب کے اعلیٰ مقام پر بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کے غیظ و غضب کے پست ترین مقام تک بھی گرا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے، اس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اسے وہ درجہ حاصل ہو گا کہ اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ

قیامت تک کے لیے اس کی قسمت میں خوشنودی لکھ دیتا ہے اور اسی طرح تم میں سے کوئی اللہ کی ناراضی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے اور اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے نامۂ اعمال میں اپنا غضب لکھ دیتا ہے۔"①

غور کرنے کا مقام ہے، زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کتنی بڑی ذمہ داری ہے؟ اور یاوہ گوئیوں اور مہمل باتوں کے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

نیک نیت، خوش باطن اور متقی مسلمان لوگوں کی بے ہودہ اور مہمل باتوں کی طرف کان نہیں لگاتا اور نہ ان اوہام وخرافات، افواہوں اور بدگمانیوں کی طرف دھیان دیتا ہے جو آج کل ہمارے معاشروں میں بہت زیادہ عام ہیں اور جو کانوں میں پڑتی رہتی ہیں اور نہ ہی وہ ان افواہوں اور بدگمانیوں کو بغیر توثیق اور یقین حاصل کیے کسی سے بیان کرتا ہے، اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو اس کی صحت کی تحقیق کرنے سے پہلے نقل کرنا اور کسی سے بیان کرنا جھوٹ ہے جس کے حرام ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے تصریح کی ہے:

«كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»②

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات لوگوں سے کہتا پھرے۔"

راز افشا نہیں کرتا:

حقیقی مسلمان کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ راز کو پوشیدہ رکھتا ہے اور اگر کوئی شخص اس سے کوئی راز کی بات بتلاتا ہے تو اس کو افشا نہیں کرتا۔ رازداری آدمی کی مردانگی، اس کی شخصیت کی عظمت اور اس کے اخلاق کی متانت کی دلیل ہے۔ اسلام کے ان نابغۂ روزگار

---

① ترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی قلة الكلام: ٢٣١٩۔ ابن ماجه: ٣٩٦٩۔

② مسلم، مقدمة باب النهی عن الحديث بكل ما سمع: ٧۔

مردوں اور عورتوں کا یہی کردار تھا جنھوں نے نبوت کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کی تھی اور جن کی زندگی تعلیمات نبوی کی عملی تفسیر تھی چنانچہ رازداری ان کے اخلاق میں ایک نمایاں وصف اور ان کی عادات واطوار میں ایک اچھی عادت تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد جب سیدنا ابو بکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے شادی کی پیشکش کی تو انھوں نے جو رویہ اختیار کیا اور رسول اللہ ﷺ کے راز کی حفاظت کی وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رازداری کی فضیلت سے واقف تھے اور اس فضیلت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب حفصہ بیوہ ہو گئیں تو میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور انھیں حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی پیش کش کرتے ہوئے کہا: ''اگر چاہو تو حفصہ کا نکاح تمھارے ساتھ کردوں'' انھوں نے کہا: ''میں غور کروں گا۔'' میں نے کئی رات انتظار کیا پھر وہ مجھ سے ملے اور کہا میرا خیال ہے کہ ابھی میں شادی نہ کروں پھر میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں وہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ اس بات پر مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان پر غصہ آیا۔ کچھ دن مزید گزرے تھے کہ نبی ﷺ نے حفصہ کا پیغام دیا چنانچہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کا نکاح کردیا تو ایک دن ابو بکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے: ''شاید آپ کو اس وقت مجھ پر غصہ آیا تھا جب آپ نے مجھ سے حفصہ کی شادی کی پیشکش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔'' میں نے کہا: ''ہاں!'' فرمایا: ''میں نے آپ کی پیشکش کا جواب محض اس وجہ سے نہ دیا تھا کہ مجھے معلوم تھا، کہ نبی کریم ﷺ نے ان کا تذکرہ کیا تھا اور میں رسول اللہ ﷺ کے اس راز کو افشا نہیں کرنا چاہتا تھا اگر نبی ﷺ ان سے نکاح

نہ کرتے تو میں قبول کر لیتا۔'' ①

راز داری کی فضیلت اسلاف میں صرف مردوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں وہ عورتیں اور بچے بھی شریک ہیں جنھوں نے اسلامی تعلیمات کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کی اور اس کے درخشاں نور سے اپنے دلوں اور عقلوں کو منور کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

''میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو سلام کیا، پھر ایک ضرورت سے بھیجا، جس کی وجہ سے میں ماں کے پاس دیر سے پہنچا۔ انھوں نے پوچھا: ''کہاں دیر ہوگئی؟'' میں نے کہا: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت سے بھیج دیا تھا۔'' فرمایا: ''کس ضرورت سے؟'' میں نے کہا: ''یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے۔'' انھوں نے کہا:

«لَا تُحَدِّثَنَّ بِسِرِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا»

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہرگز کسی کو نہ بتلانا۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے (سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ بتلاتے ہوئے) کہا: ''ثابت! اللہ کی قسم! اگر میں راز کسی کو بتا سکتا تو تمھیں ضرور بتلاتا۔'' ②

اور امام بخاری نے اس روایت کا بعض حصہ اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں جنھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز پوشیدہ رکھنے کا خواہشمند دیکھا تو ان کی اس خواہش کو مزید تقویت پہنچائی اور انھیں تاکید کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کو نہ بتلانا۔ چنانچہ انھوں نے وہ راز کسی کو نہ بتلایا حتیٰ کہ جلیل القدر صحابی سیدنا ثابت بن

---

① بخاری، كتاب النكاح، باب عرض الانسان ابنته...... الخ: ٥١٢٢۔

② مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس بن مالك: ٢٤٨٢۔

قیس رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں جو نبی ﷺ کے خطیب تھے اور جنھیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی تھی۔ بھید سے واقف ہونے کی خواہش سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکی کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ ﷺ کا وہ راز معلوم کر لیں جسے وہ چھپا رہے تھے۔ یہ ہے اسلام کی تربیت اور یہ ہے وہ بلند مقام جہاں انسان اس تربیت کے نتیجے میں پہنچ جاتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا بچہ!

راز افشا کرنا ایک بدترین اور گھناؤنی عادت ہے۔ زندگی میں ہر چیز کہنے کی نہیں ہوتی۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں مردانگی، مروت و شرافت اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صیغۂ راز ہی میں رہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب یہ راز خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی باتوں کو وہی شخص لوگوں کے درمیان عام کرے گا جس کی عقل میں فتور ہو یا جس کے اندر سفلہ پن، کمینگی اور اوچھا پن ہو۔ یاوہ گوئی کرنے والے ایسے لوگوں کا شمار برے لوگوں میں ہوتا ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے:

«اِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِي اِلَى امْرَأَتِهِ وَ تُفْضِي اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا» ①

”قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدترین درجہ اس شخص کا ہوگا جو اپنی بیوی سے ہم آغوش ہو اور پھر اس کے راز کی تشہیر کرتا پھرے۔“

تیسرے آدمی کی موجودگی میں سرگوشی کرنے کی ممانعت:

متقی اور دینی احکام کا شعور رکھنے والا مسلمان ذکی الحس اور باریک بین ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے احساسات کا احترام کرتا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے یا بدگمانی پیدا کرنے سے اجتناب کرتا ہے چنانچہ وہ بہت خوش اسلوبی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور خوش

---

① مسلم، کتاب النکاح، باب تحریم إفشاء سر المرأة: ١٤٣٧۔

اسلوبی کا تقاضا یہ ہے کہ تیسرے شخص کے ہوتے ہوئے کسی سے سرگوشی نہ کی جائے۔ یہ عالی ادب ہے جو اسلام نے اپنے فرزندوں کو سکھایا ہے جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« إِذَا كُنتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الْآخِرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ، أَجَلَ أَنَّ ذَلِكَ يُحْزِنُهُ »[1]

"جب تم لوگ تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو سرگوشی نہ کرنا چاہیے، جب تک کہ دوسرے لوگوں سے مل جل نہ جاؤ اس لیے کہ اس سے تیسرا آدمی غمگین ہوگا۔"

مسلمان جس کے احساسات کو اسلام نے تیز کر دیا ہے اس میں بلند ذوق کو پروان چڑھایا ہے اور اسے دانشمندی، ذکاوت وفہم اور لیاقت وخوش اسلوبی سے نوازا ہے وہ اس وقت کانا پھوسی، سرگوشی اور کھسر پھسر سے احتراز کرتا ہے جب موقع پر صرف تین آدمی ہوں تاکہ تیسرے شخص کے احساسات مجروح نہ ہوں اور اسے وحشت وتنہائی اور تنگی کا احساس نہ ہو لیکن اگر دوسرے سے علیحدگی میں گفتگو کی سخت ضرورت ہو تو اس وقت تیسرے شخص سے اجازت لینا ضروری ہے نیز اس وقت مختصر گفتگو کرنا چاہیے اور تیسرے شخص سے معذرت کر لینی چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہوگیا تھا اور اسلامی اخلاق و تعلیمات ان کی رگ رگ میں سرایت کر گئی تھیں، لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان حساس باتوں سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ بہت سی روایات سے، جن سے ان کے بلند اجتماعی کردار اور انسانی احساسات کے احترام کی وضاحت ہوتی ہے اس کی تائید ملتی ہے،

[1] بخاری، كتاب الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة ...... الخ: ٦٢٩٠۔ مسلم، كتاب السلام، باب تحريم المناجاة الاثنين ...... الخ: ٢١٨٤۔

مثلاً امام مالک رحمہ اللہ نے مؤطا میں سیدنا عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

''میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس بازار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا اور ان سے چپکے سے کوئی بات کرنا چاہی، اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ انھوں نے ایک اور آدمی کو بلایا۔ ہم چار ہو گئے تو مجھ سے اور اس شخص کو جسے بلایا تھا، کہا: ''تم دونوں ہٹ جاؤ، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

« لَا يَتَنَاجَ اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ » ①

''ایک شخص کو الگ کر کے دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس شخص سے سرگوشی کرنے پر تیار نہ ہوئے جو راستے سے اچانک ان کے پاس آیا تھا کیونکہ اس وقت تیسرا آدمی تنہا رہ جاتا اور اسے الگ کرنے سے اسے تکلیف ہوتی۔ اس لیے انھوں نے اس شخص کی اس وقت تک بات نہ سنی جب تک کہ چوتھے آدمی کو نہ بلا لیا۔ انھوں نے سب لوگوں کے سامنے حدیث دہرا کر یہ بھی بتلا دیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور زور دیا کہ انھیں ایسی صورتحال میں لوگوں کے احساسات کا احترام کرتے ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے یہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

تکبر نہیں کرتا:

حقیقی مسلمان تکبر نہیں کرتا۔ لوگوں کے سامنے تکبر سے گردن ٹیڑھی کر کے اور اکڑ کر نہیں چلتا اور نہ اجڈپن اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور ڈینگیں ہانکتے ہوئے بڑائی جتاتا ہے، اس لیے کہ قرآنی تعلیمات میں صاف صاف یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ متکبرین اس دارفانی میں چاہے جتنا اترا لیں، چاہے جتنی اکڑ دکھا لیں اور چاہے جتنا پھول کر غبارہ

---

① مؤطا امام مالك، كتاب الكلام، باب ما جاء في مناجاة اثنين دون واحد: ۲/۹۸۸۔

ہو جائیں مگر ابدی زندگی میں وہ ناکام و نامراد ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابدی زندگی کا چین وسکون، راحت و آرام متکبروں پر حرام کر دیا ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ (القصص : ۸۳)

''وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین کے لیے ہے۔''

اس کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی گونجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خود پسند اور مغرور شخص کو پسند نہیں کرتا جو لوگوں سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرتا ہے اور زمین پر اکڑ کر چلتا ہے:

﴿ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴾ (لقمان : ۱۸)

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

اسی طرح ایک شخص جب سنت نبویہ کی نصوص میں غور وفکر اور جستجو کرتا ہے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کے دلوں سے کبر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا زبردست اہتمام کیا ہے اور اس پر پوری توجہ دی ہے اور ان کو تکبر سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے نفرت دلائی گئی ہے اور جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں انھیں ڈرایا گیا ہے کہ ذرہ برابر تکبر سے جو شیطان ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے وہ اخروی زندگی میں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے اور جنت ان پر حرام ہو جائے گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی خبر دی ہے:

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''
ایک شخص نے عرض کیا: ''آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا خوبصورت ہو۔'' (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) فرمایا: ''(نہیں) بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''[1]

سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ»[2]

''کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جہنم میں کون لوگ جائیں گے؟ ہر سرکش، بخیل اور متکبر۔''

اخروی زندگی میں متکبرین کی ذلت و رسوائی اور فضیحت و حقارت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہ فرمائے گا، نہ ان سے گفتگو کرے گا اور نہ انھیں پاک ہی کرے گا۔ اس لیے کہ وہ زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں اور لوگوں پر بڑائی جتاتے ہیں۔ یہ ایک معنوی ذلت و رسوائی ہوگی جس کا تکلیف دہ اثر، حساس دلوں پر اس سے کم نہ ہوگا جتنا جہنم میں جسم پر عذاب کا اثر ظاہر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا»[3]

''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتا

---

1. مسلم، كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه: ٩١۔
2. بخاری، كتاب الأدب، باب الكبر: ٦٠٧١۔ مسلم، كتاب الجنة و نعيمها، باب النار يدخلها الجبارون ...... الخ: ٢٨٥٣۔
3. بخاری، كتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخيلاء: ٥٧٨٨۔ مسلم، كتاب اللباس: باب تحريم جرّ الثوب خيلا ...... الخ: ٢٠٨٥۔

بارے میں طرح طرح کے گمان کرنے، شک وشبہ میں مبتلا ہونے، بے سروپا باتیں منسوب کرنے اور اوہام وخرافات کے دام میں گرفتار ہونے سے بچے رہیں۔ مسلمان کا اخلاق یہ نہیں اور نہ اس کے شایان شان ہی ہے کہ وہ لوگوں کے بھید معلوم کرنے کے پیچھے پڑا رہے۔ ان کی نجی زندگی کی ٹوہ میں رہے اور ان کی عزت وآبرو میں عیب تلاش کرتا رہے۔ کیونکہ بھید جاننا، انھیں افشا کرنا اور ان پر محاسبہ کرنا صرف اس معبود کا حق ہے جو بھیدوں سے واقف ہے، انسان صرف ظاہری عمل پر فیصلہ کرنے کا مکلّف ہے۔ ہمارے سلف صالحین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ (جو تعلیم نبوی کے کدورت سے پاک وصاف جھونکوں سے لطف اندوز ہوئے) کا یہی موقف ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عتبہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے، فرماتے ہیں میں نے سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا:

> ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں وحی کے ذریعے کسی کے بارے میں کوئی حکم لایا جاتا تھا لیکن وحی کا سلسلہ اب منقطع ہوگیا ہے اس لیے اب ہم تمھارے ظاہری اعمال دیکھ کر فیصلہ کریں گے۔ جو شخص بظاہر اچھے اعمال کرے گا اس کا ہم اعتبار کریں گے اور اسے اپنے قریب کریں گے اس کا باطن جاننا ہمارا کام نہیں، اس کا محاسبہ تو اللہ تعالیٰ کرے گا اور جو شخص ظاہراً برے اعمال کرے گا ہم نہ اس سے مطمئن ہوں گے نہ اسے سچا سمجھیں گے خواہ وہ کتنا ہی کہتا رہے کہ ''میرا باطن اچھا ہے۔''①

اس لیے متقی اور باشعور مسلمان سوچ سمجھ کر کوئی بات زبان سے نکالتا ہے اور پورے یقین کے ساتھ کوئی حکم لگاتا ہے۔ اس کے فکر وشعور میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہمہ وقت حاضر رہتا ہے:

---

① بخاری، كتاب الشهادات، باب الشهداء العدول: ٢٦٤١۔

﴿ وَ لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴾ (بنی اسرآئیل: ٣٦)

"کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمھیں علم نہ ہو، یقیناً آنکھ، کان اور دل سب ہی کی باز پرس ہوتی ہے۔"

چنانچہ وہ اس پر حکمت تنبیہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھتا ہے، بغیر علم کے کوئی بات نہیں کہتا اور بغیر یقین کے کوئی حکم نہیں لگاتا۔

عیب جوئی اور بدگمانی کے گناہ میں مبتلا ہونے کا اسے اس وقت مزید خوف اور اندیشہ طاری ہو جاتا ہے جب وہ اپنے دل کی آنکھ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نگرانی پر مقرر کردہ فرشتے کو دیکھتا ہے جو اس کی زبان سے نکلنے والے ہر لفظ اور ہر بات کو محفوظ کرتا رہتا ہے۔

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ (ق: ١٨)

"کوئی لفظ اس کی زبان سے نہیں نکلتا جسے محفوظ کرنے کے لیے ایک حاضر باش نگران موجود نہ ہو۔"

ان نصوص کے معانی کا ادراک کرنے والا مسلمان اپنی زبان سے نکلنے والے الفاظ کی ذمہ داری کا احساس کر کے خوف سے کانپنے لگتا ہے۔ اسی لیے تم اسے دیکھو گے کہ وہ سوچ سمجھ کر کہتا ہے اور بولنے سے پہلے اپنی بات تولتا ہے اور جانچ پرکھ کر زبان سے نکالتا ہے کیونکہ وہ دینی تعلیمات کے مطالعہ سے جانتا ہے کہ زبان سے نکلی ہوئی ایک بات اسے خوشنودیٔ رب کے اعلیٰ مقام پر بھی پہنچا سکتی ہے اور اس کے غیظ و غضب کے پست ترین مقام تک بھی گرا سکتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے، اس کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ نہیں ہوتا کہ اسے وہ درجہ حاصل ہو گا کہ اس کلمہ کی بدولت اللہ تعالیٰ

قیامت تک کے لیے اس کی قسمت میں خوشنودی لکھ دیتا ہے اور اسی طرح تم میں سے کوئی اللہ کی ناراضی کا کوئی کلمہ زبان سے نکالتا ہے اور اسے گمان تک نہیں ہوتا کہ اس کا یہ نتیجہ ظاہر ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کلمہ کی وجہ سے قیامت تک کے لیے اس کے نامۂ اعمال میں اپنا غضب لکھ دیتا ہے۔"①

غور کرنے کا مقام ہے، زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کتنی بڑی ذمہ داری ہے؟ اور یاوہ گوئیوں اور مہمل باتوں کے کیسے اثرات مرتب ہوتے ہیں؟

نیک نیت، خوش باطن اور متقی مسلمان لوگوں کی بے ہودہ اور مہمل باتوں کی طرف کان نہیں لگاتا اور نہ ان اوہام و خرافات، افواہوں اور بدگمانیوں کی طرف دھیان دیتا ہے جو آج کل ہمارے معاشروں میں بہت زیادہ عام ہیں اور جو کانوں میں پڑتی رہتی ہیں اور نہ ہی وہ ان افواہوں اور بدگمانیوں کو بغیر توثیق اور یقین حاصل کیے کسی سے بیان کرتا ہے، اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ ہر سنی ہوئی بات کو اس کی صحت کی تحقیق کرنے سے پہلے نقل کرنا اور کسی سے بیان کرنا جھوٹ ہے جس کے حرام ہونے کی رسول اللہ ﷺ نے تصریح کی ہے:

«كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا أَنْ يُحَدِّثَ بِكُلِّ مَا سَمِعَ»②

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات لوگوں سے کہتا پھرے۔"

راز افشا نہیں کرتا:

حقیقی مسلمان کا ایک وصف یہ ہوتا ہے کہ وہ راز کو پوشیدہ رکھتا ہے اور اگر کوئی شخص اس سے کوئی راز کی بات بتلاتا ہے تو اس کو افشا نہیں کرتا۔ رازداری آدمی کی مردانگی، اس کی شخصیت کی عظمت اور اس کے اخلاق کی متانت کی دلیل ہے۔ اسلام کے ان نابغۂ روزگار

---

① ترمذی، کتاب الزهد، باب ما جاء فی قلة الكلام: ۲۳۱۹۔ ابن ماجه: ۳۹۶۹۔

② مسلم، مقدمة باب النهی عن الحديث بكل ما سمع: ۷۔

مردوں اور عورتوں کا یہی کردار تھا جنھوں نے نبوت کے سرچشمے سے سیرابی حاصل کی تھی اور جن کی زندگی تعلیمات نبوی کی عملی تفسیر تھی چنانچہ رازداری ان کے اخلاق میں ایک نمایاں وصف اور ان کی عادات و اطوار میں ایک اچھی عادت تھی۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے بیوہ ہونے کے بعد جب سیدنا ابوبکر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہما سے شادی کی پیشکش کی تو انھوں نے جو رویہ اختیار کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راز کی حفاظت کی وہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رازداری کی فضیلت سے واقف تھے اور اس فضیلت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''جب حفصہ بیوہ ہوگئیں تو میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور انھیں حفصہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی پیش کش کرتے ہوئے کہا: ''اگر چاہو تو حفصہ کا نکاح تمھارے ساتھ کردوں'' انھوں نے کہا: ''میں غور کروں گا۔'' میں نے کئی رات انتظار کیا پھر وہ مجھ سے ملے اور کہا میرا خیال ہے کہ ابھی میں شادی نہ کروں پھر میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا کہ اگر آپ چاہیں تو حفصہ کا نکاح آپ سے کردوں وہ خاموش رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ اس بات پر مجھے عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ ان پر غصہ آیا۔ کچھ دن مزید گزرے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حفصہ کا پیغام دیا چنانچہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا نکاح کردیا تو ایک دن ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے ملے اور کہنے لگے: ''شاید آپ کو اس وقت مجھ پر غصہ آیا تھا جب آپ نے مجھ سے حفصہ کی شادی کی پیشکش کی تھی اور میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔'' میں نے کہا: ''ہاں!'' فرمایا: ''میں نے آپ کی پیشکش کا جواب محض اس وجہ سے نہ دیا تھا کہ مجھے معلوم تھا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا تذکرہ کیا تھا اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس راز کو افشا نہیں کرنا چاہتا تھا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے نکاح

نہ کرتے تو میں قبول کر لیتا۔"①

راز داری کی فضیلت اسلاف میں صرف مردوں تک محدود نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں وہ عورتیں اور بچے بھی شریک ہیں جنھوں نے اسلامی تعلیمات کے سر چشمے سے سیرابی حاصل کی اور اس کے درخشاں نور سے اپنے دلوں اور عقلوں کو منور کیا۔ امام مسلم رحمہ اللہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

"میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں کو سلام کیا، پھر ایک ضرورت سے بھیجا، جس کی وجہ سے میں ماں کے پاس دیر سے پہنچا۔ انھوں نے پوچھا: "کہاں دیر ہوگئی؟" میں نے کہا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ضرورت سے بھیج دیا تھا۔" فرمایا: "کس ضرورت سے؟" میں نے کہا: "یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہے۔" انھوں نے کہا:

«لَا تُحَدِّثَنَّ بِسِرِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَدًا»

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز ہرگز کسی کو نہ بتلانا۔"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے (سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ سے یہ بتلاتے ہوئے) کہا: "ثابت! اللہ کی قسم! اگر میں راز کسی کو بتا سکتا تو تمھیں ضرور بتلاتا۔"②

اور امام بخاری نے اس روایت کا بعض حصہ اختصار کے ساتھ روایت کیا ہے، سیدنا ثابت رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں جنھوں نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں نے انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز پوشیدہ رکھنے کا خواہشمند دیکھا تو ان کی اس خواہش کو مزید تقویت پہنچائی اور انھیں تاکید کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راز کسی کو نہ بتلانا۔ چنانچہ انھوں نے وہ راز کسی کو نہ بتلایا حتیٰ کہ جلیل القدر صحابی سیدنا ثابت بن

---

① بخاری، كتاب النكاح، باب عرض الانسان ابنته...... الخ: ٥١٢٢۔

② مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل انس بن مالك: ٢٤٨٢۔

قیس رضی اللہ عنہ کو بھی نہیں جو نبی ﷺ کے خطیب تھے اور جنھیں دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل گئی تھی۔ بھید سے واقف ہونے کی خواہش سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ماں کو اس بات پر آمادہ نہ کر سکی کہ وہ اپنے چھوٹے بچے کو بہلا پھسلا کر رسول اللہ ﷺ کا وہ راز معلوم کر لیں جسے وہ چھپا رہے تھے۔ یہ ہے اسلام کی تربیت اور یہ ہے وہ بلند مقام جہاں انسان اس تربیت کے نتیجے میں پہنچ جاتا ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت یا بچہ!

راز افشا کرنا ایک بدترین اور گھناؤنی عادت ہے۔ زندگی میں ہر چیز کہنے کی نہیں ہوتی۔ بہت سے معاملات ایسے ہوتے ہیں جن کے بارے میں مردانگی، مروت و شرافت اور غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ صیغۂ راز ہی میں رہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب یہ راز خانگی زندگی سے تعلق رکھتے ہوں۔ ایسی باتوں کو وہی شخص لوگوں کے درمیان عام کرے گا جس کی عقل میں فتور ہو یا جس کے اندر سفلہ پن، کمینگی اور اوچھا پن ہو۔ یاوہ گوئی کرنے والے ایسے لوگوں کا شمار برے لوگوں میں ہوتا ہے بلکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین لوگ ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں وضاحت کی ہے:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلَ يُفْضِيْ إِلَى امْرَأَتِهِ وَتُفْضِيْ إِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا»①

"قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بدترین درجہ اس شخص کا ہو گا جو اپنی بیوی سے ہم آغوش ہو اور پھر اس کے راز کی تشہیر کرتا پھرے۔"

تیسرے آدمی کی موجودگی میں سرگوشی کرنے کی ممانعت:

متقی اور دینی احکام کا شعور رکھنے والا مسلمان ذکی الحس اور باریک بین ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کے احساسات کا احترام کرتا ہے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے یا بدگمانی پیدا کرنے سے اجتناب کرتا ہے چنانچہ وہ بہت خوش اسلوبی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اور خوش

① مسلم، كتاب النكاح، باب تحريم إفشاء سر المرأة: ١٤٣٧۔

اسلوبی کا تقاضا یہ ہے کہ تیسرے شخص کے ہوتے ہوئے کسی سے سرگوشی نہ کی جائے۔ یہ عالی ادب ہے جو اسلام نے اپنے فرزندوں کو سکھایا ہے جیسا کہ سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«إِذَا كُنْتُمْ ثَلَاثَةً فَلَا يَتَنَاجَى رَجُلَانِ دُونَ الْآخِرِ حَتَّى تَخْتَلِطُوا بِالنَّاسِ، أَجْلَ أَنَّ ذٰلِكَ يُحْزِنُهُ» [1]

”جب تم لوگ تین آدمی ہو تو تیسرے کو چھوڑ کر دو آدمیوں کو سرگوشی نہ کرنا چاہیے، جب تک کہ دوسرے لوگوں سے مل جل نہ جاؤ اس لیے کہ اس سے تیسرا آدمی غمگین ہوگا۔“

مسلمان جس کے احساسات کو اسلام نے تیز کر دیا ہے اس میں بلند ذوق کو پروان چڑھایا ہے اور اسے دانشمندی، ذکاوت وفہم اور لیاقت وخوش اسلوبی سے نوازا ہے وہ اس وقت کانا پھوسی، سرگوشی اور کھسر پھسر سے احتراز کرتا ہے جب موقع پر صرف تین آدمی ہوں تاکہ تیسرے شخص کے احساسات مجروح نہ ہوں اور اسے وحشت وتنہائی اور تنگی کا احساس نہ ہو لیکن اگر دوسرے سے علیحدگی میں گفتگو کی سخت ضرورت ہو تو اس وقت تیسرے شخص سے اجازت لینا ضروری ہے نیز اس وقت مختصر گفتگو کرنا چاہیے اور تیسرے شخص سے معذرت کر لینی چاہیے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن کے دلوں میں اسلام جاگزیں ہوگیا تھا اور اسلامی اخلاق و تعلیمات ان کی رگ رگ میں سرایت کر گئی تھیں، لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ان حساس باتوں سے کبھی غافل نہ ہوتے تھے۔ بہت سی روایات سے، جن سے ان کے بلند اجتماعی کردار اور انسانی احساسات کے احترام کی وضاحت ہوتی ہے اس کی تائید ملتی ہے،

---

[1] بخاری، کتاب الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة ...... الخ: ٦٢٩٠۔ مسلم، کتاب السلام، باب تحريم المناجاة الاثنين ...... الخ: ٢١٨٤۔

مثلاً امام مالک ؒ نے مؤطا میں سیدنا عبداللہ بن دینار رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے:

''میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خالد بن عقبہ رضی اللہ عنہ کے گھر کے پاس بازار میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک شخص آیا اور ان سے چپکے سے کوئی بات کرنا چاہی، اس وقت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس میرے علاوہ کوئی نہ تھا۔ انھوں نے ایک اور آدمی کو بلایا۔ ہم چار ہوگئے تو مجھ سے اور اس شخص کو جسے بلایا تھا، کہا: ''تم دونوں ہٹ جاؤ، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

«لَا يَتَنَاجَ اثْنَانِ دُونَ وَاحِدٍ» ①

''ایک شخص کو الگ کر کے دو آدمی سرگوشی نہ کریں۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس شخص سے سرگوشی کرنے پر تیار نہ ہوئے جو راستے سے اچانک ان کے پاس آیا تھا کیونکہ اس وقت تیسرا آدمی تنہا رہ جاتا اور اسے الگ کرنے سے اسے تکلیف ہوتی۔ اس لیے انھوں نے اس شخص کی اس وقت تک بات نہ سنی جب تک کہ چوتھے آدمی کو نہ بلا لیا۔ انھوں نے سب لوگوں کے سامنے حدیث دہرا کر یہ بھی بتلا دیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور زور دیا کہ انھیں ایسی صورتحال میں لوگوں کے احساسات کا احترام کرتے ہوئے اور نبی ﷺ کی سنت کی اتباع کرتے ہوئے یہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔

تکبر نہیں کرتا:

حقیقی مسلمان تکبر نہیں کرتا۔ لوگوں کے سامنے تکبر سے گردن ٹیڑھی کر کے اور اکڑ کر نہیں چلتا اور نہ اجڈپن اور بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اور ڈینگیں ہانکتے ہوئے بڑائی جتاتا ہے، اس لیے کہ قرآنی تعلیمات میں صاف صاف یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ متکبرین اس دارفانی میں چاہے جتنا اترا لیں، چاہے جتنی اکڑ دکھا لیں اور چاہے جتنا پھول کر غبارہ

① مؤطا امام مالك، كتاب الكلام، باب ما جاء فى مناجاة اثنين دون واحد: ۲/۹۸۸۔

ہو جائیں مگر ابدی زندگی میں وہ ناکام و نامراد ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابدی زندگی کا چین وسکون، راحت و آرام متکبروں پر حرام کر دیا ہے:

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَ لَا فَسَادًا وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ (القصص : ۸۳)

''وہ آخرت کا گھر تو ہم ان لوگوں کے لیے مخصوص کر دیں گے جو زمین میں اپنی بڑائی نہیں چاہتے اور نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام کی بھلائی متقین کے لیے ہے۔''

اس کے کانوں میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی گونجتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خود پسند اور مغرور شخص کو پسند نہیں کرتا جو لوگوں سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرتا ہے اور زمین پر اکڑ کر چلتا ہے:

﴿ وَ لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَ لَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ﴾ (لقمان : ۱۸)

''اور لوگوں سے منہ پھیر کر بات نہ کر، نہ زمین میں اکڑ کر چل، اللہ تعالیٰ کسی خود پسند اور فخر جتانے والے شخص کو پسند نہیں کرتا۔''

اسی طرح ایک شخص جب سنت نبویہ کی نصوص میں غور وفکر اور جستجو کرتا ہے تو وہ یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ انھوں نے لوگوں کے دلوں سے کبر کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا زبردست اہتمام کیا ہے اور اس پر پوری توجہ دی ہے اور ان کو تکبر سے منع کیا گیا ہے۔ اس سے نفرت دلائی گئی ہے اور جو لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں انھیں ڈرایا گیا ہے کہ ذرہ برابر تکبر سے جو شیطان ان کے دلوں میں ڈال دیتا ہے وہ اخروی زندگی میں ہمیشہ کے لیے ناکام و نامراد ہو جائیں گے اور جنت ان پر حرام ہو جائے گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی خبر دی ہے:

''جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''
ایک شخص نے عرض کیا: ''آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا اچھا ہو اور جوتا خوبصورت ہو۔'' (تو کیا یہ بھی تکبر ہے؟) فرمایا: ''(نہیں) بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے، تکبر تو یہ ہے کہ آدمی حق کا انکار کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔''①

سیدنا حارثہ بن وہب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ ؟ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ»②
''کیا میں تم کو نہ بتلاؤں کہ جہنم میں کون لوگ جائیں گے؟ ہر سرکش، بخیل اور متکبر۔''

اخروی زندگی میں متکبرین کی ذلت و رسوائی اور فضیحت و حقارت کے لیے یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی طرف نظر نہ فرمائے گا، نہ ان سے گفتگو کرے گا اور نہ انھیں پاک ہی کرے گا۔ اس لیے کہ وہ زمین پر اکڑ کر چلتے ہیں اور لوگوں پر بڑائی جتاتے ہیں۔ یہ ایک معنوی ذلت و رسوائی ہوگی جس کا تکلیف دہ اثر، حساس دلوں پر اس سے کم نہ ہوگا جتنا جہنم میں جسم پر عذاب کا اثر ظاہر ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى مَنْ جَرَّ إِزَارَهُ بَطَرًا»③
''اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا جو تکبر سے اپنا تہبند گھسیٹتا

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب تحریم الکبر وبیانه: ۹۱۔
② بخاری، کتاب الأدب، باب الکبر: ۶۰۷۱۔ مسلم، کتاب الجنة و نعیمها، باب النار یدخلها الجبارون ...... الخ: ۲۸۵۳۔
③ بخاری، کتاب اللباس، باب من جر ثوبه من الخیلاء: ۵۷۸۸۔ مسلم، کتاب اللباس: باب تحریم جرّ الثوب خیلا ...... الخ: ۲۰۸۵۔

ہوا اترا کر چلتا ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا:

« ثَلَاثَةٌ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ لَا يُزَكِّيهِمْ وَ لَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: شَيْخٌ زَانٍ وَمَلِكٌ كَذَّابٌ وَ عَائِلٌ مُسْتَكْبِرٌ » ①

”تین آدمی ایسے ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نہ بات کرے گا نہ انھیں پاک کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا ہی بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔ ۱۔ بوڑھا زانی، ۲۔ جھوٹا بادشاہ اور ۳۔ گدائے متکبر۔“

اس لیے کہ بڑائی اور عظمت الوہیت کی صفات میں سے ہے۔ یہ انسانوں کی شان نہیں کیونکہ وہ کمزور پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے جو لوگ تکبر کرتے ہیں اور سرکشی کا رویہ اختیار کرتے ہیں وہ لوگ دراصل مقام الوہیت پر دست درازی کرتے ہیں اور بزرگ و برتر خالق کی ایک اعلیٰ صفت چھیننا چاہتے ہیں چنانچہ ان کا انجام یہ ہوگا کہ وہ دردناک عذاب میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس فرمان میں خبر دی ہے:

« اَلْعِزُّ إِزَارِيُ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيُ فَمَنْ يُنَازِعُنِيُ فِيُ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَقَدْ عَذَّبْتُهُ » ②

”عزت میرا تہبند اور عظمت میری چادر ہے، جو شخص (ان دونوں میں سے کسی ایک کو) مجھ سے چھیننے کی کوشش کرے گا اس پر میں عذاب نازل کر دوں گا۔“

اسی وجہ سے سنت مطہرہ کی نصوص میں اہل ایمان کو پے در پے آگاہ کیا گیا ہے کہ انسان کے کسی بھی لمحہ اس کے دل میں تکبر کا شائبہ تک نہ آنے پائے، اسے متعدد اسالیب

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب غلظ تحریم إسبال الإزار ...... الخ: ۱۰۷۔

② مسند احمد: ۲/۲۴۸، ۴۱۴، ۴۲۷۔ مسلم، کتاب البر والصلة: باب تحریم الکبر: ۲۶۲۰۔ مسند حمیدی: ۱۱۴۹۔

سے ڈرایا گیا ہے اور تنبیہ کی گئی ہے تاکہ متقی اہل ایمان ہلاکت خیز تکبر کے مرض سے محفوظ رہیں۔ ان ڈرانے والی اور تنبیہ کرنے والی نصوص میں سے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

«مَنْ تَعَظَّمَ فِيْ نَفْسِهِ أَوِ اخْتَالَ فِيْ مَشْيَتِهِ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ عَلَيْهِ غَضْبَانٌ»①

''جو شخص اپنے جی میں بڑا بنے گا یا تکبر سے اترا کر چلے گا، وہ اللہ عزوجل سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس سے ناراض اور اس پر غضب ناک ہوگا۔''

تواضع اختیار کرنا:

ان نصوص کے بالمقابل جو تکبر کرنے والوں کو بڑی رسوائی اور سخت عذاب سے ڈراتی، دھمکاتی اور وعید سناتی ہیں، ایسی نصوص بھی ہیں جو تواضع کو پسندیدہ قرار دیتی ہیں، اس پر اکساتی ہیں اور تواضع اختیار کرنے والوں کو باور کراتی ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جتنا تواضع اختیار کریں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا درجہ بلند ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ»②

''جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے تواضع اختیار کرے گا اللہ اس کا درجہ بلند کرے گا۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّ اللّٰهَ أَوْحَى اِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوْا حَتّٰى لَا يَفْخَرَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ وَ لَا يَبْغِيَ أَحَدٌ عَلٰى أَحَدٍ»③

''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی بھیجی ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تواضع

---

① الأدب المفرد: ٥٤٩، صحيح ـ الصحيحة: ٥٤٣ـ

② مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع: ٢٥٨٨ـ

③ مسلم، كتاب الجنة، باب صفات التي يعرف بها ......الخ: ٢٨٦٥ـ

سے پیش آؤ، کوئی کسی پر فخر نہ کرے، نہ کوئی کسی پر زیادتی اور سرکشی کرے۔“
رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی تواضع، فروتنی، نرمی، لطف و مہربانی اور فراخدلی کا زندہ اور بے مثل نمونہ تھی یہاں تک کہ آپ کھیلتے ہوئے بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو باوجود آپ ﷺ کی اس نبوت اور قدر و منزلت کے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا تھا۔ ان کو سلام کرنے، ان سے خندہ روئی سے ملنے اور خوش طبعی کرنے سے مانع نہ ہوتی تھی۔
سیدنا انس رضی اللہ عنہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کیا اور فرمایا:
”نبی ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔“[1]
سیدنا انس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی تواضع بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:
”مدینہ کی کوئی لونڈی آتی اور نبی کریم ﷺ کا دست مبارک پکڑ کر جہاں چاہتی لے جاتی۔“[2]
سیدنا تمیم بن اسید رضی اللہ عنہ اسلام کے احکام معلوم کرنے کے لیے مدینہ پہنچتے ہیں تو یہ پردیسی اور مسافر شخص رسول اللہ ﷺ کا کوئی حاجب یا دربان نہیں دیکھتے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت منبر پر خطبہ دے رہے تھے۔ وہ آگے بڑھتے ہیں اور آپ ﷺ سے کچھ سوال کرنے کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ ان کی طرف پوری صاف دلی، تواضع اور شفقت کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں اور ان کے سوال کا جواب دیتے ہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے یہ روایت نقل کی ہے جس میں سیدنا تمیم خود اپنا واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں:
”میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپ ﷺ خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! میں ایک مسافر آدمی ہوں،

---

1. بخاری، کتاب الاستئذان ، باب التسلیم علی الصبیان: ٦٢٤٧۔ مسلم، کتاب الأدب، باب استحباب السلام علی الصبیان: ٢١٦٨۔
2. بخاری، کتاب الأدب ، باب الکبر: ٦٠٧٢۔

دین کے متعلق کچھ سوال کرنے آیا ہوں، میں دین کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔'' رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور خطبہ چھوڑ کر میرے پاس تشریف لائے، ایک کرسی لائی گئی جس پر آپ ﷺ تشریف فرما ہوئے اور جن چیزوں کا علم آپ ﷺ کو اللہ نے دیا تھا وہ مجھے سکھلانے لگے۔ پھر خطبہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اسے پورا کیا۔''①

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں تواضع کی خصلت پیدا کرنے کے لیے (جو فراخدلی، نرم خوئی اور خوش اخلاقی پر مبنی ہوتی ہے) فرماتے ہیں:

''اگر مجھے ایک پائے یا ایک دستی کی دعوت دی جائے تو میں قبول کرلوں اور اگر کوئی مجھے ایک دستی یا ایک پایہ ہدیہ کرے تو میں قبول کرلوں۔''②

تواضع کی یہ کتنی درخشاں اور تابناک شکل ہے اور انسانی عظمت کا کتنا اعلیٰ مقام ہے۔

کسی کا مذاق نہیں اڑانا:

اسلامی شخصیت کا حامل شخص جس کے دل میں تواضع کی محبت راسخ ہو جاتی ہے، لوگوں کو حقیر سمجھنے، ان کا تمسخر کرنے اور مذاق اڑانے سے کوسوں دور رہتا ہے، اس لیے کہ قرآنی تعلیمات نے تواضع اور فروتنی کی محبت راسخ کرنے اور تکبر و گھمنڈ سے دور رہنے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ لوگوں کا مذاق اڑانے اور ان کو حقیر سمجھنے سے بھی منع کیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ يَاۤأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَ لَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الْاِسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ وَ مَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ (الحجرات: ١١)

---

① مسلم، کتاب الجمعة، باب حديث التعليم فی الخطبة: ٨٧٦۔

② بخاری، کتاب الهبة و فضلها والتحريض عليها، باب القليل من الهبة: ٢٥٦٨۔

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مردوں کا کوئی گروہ دوسرے مردوں کے گروہ کا مذاق نہ اڑائے، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں اور عورتیں بھی دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد برے القاب سے پکارنا بہت بری بات ہے، جو لوگ اس روش سے توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں۔''

اور رسول اللہ ﷺ نے صراحت فرمائی ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان کو حقیر سمجھنا سراسر شر ہے:

((بِحَسْبِ امْرِیءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ یَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ)) ①

''آدمی کے لیے اتنی ہی برائی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''

بڑوں اور اہل فضل کی تعظیم کرنا:

اسلامی تعلیمات مسلمانوں کو اس بات پر اکساتی ہیں کہ وہ لوگوں کا اکرام و احترام کریں نہ کہ ان کو ذلیل اور پست سمجھیں اور ان کی تحقیر کریں۔ خاص طور پر اس وقت جب وہ احترام اور تعظیم کے اہل ہوں بلکہ بڑوں، علماء اور اصحاب فضل کا احترام ان بنیادی اخلاقی اصولوں میں سے ہے جن سے اسلامی معاشرہ میں مسلمانوں کی شناخت ہوتی ہے، جو اس خصلت سے عاری ہو وہ اس معاشرہ کی رکنیت سے دست بردار اور امت مسلمہ کی طرف انتساب کے شرف سے محروم ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَیْسَ مِنْ أُمَّتِیْ مَنْ لَمْ یُجِلَّ کَبِیْرَنَا وَ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَ یَعْرِفْ لِعَالِمِنَا حَقَّهُ)) ②

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم...... الخ: ٢٥٦٤۔

② مسند احمد: ٥/ ٣٢٣۔

''وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو ہمارے بڑوں کی تعظیم نہ کرے، ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے علماء کا حق نہ پہچانے۔''

معاشرہ میں بڑے کا احترام کرنا اور اس کو چھوٹے پر مقدم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ معاشرہ بلند اور ترقی یافتہ ہے اور اس معاشرہ کے افراد انسانی اخلاق کی بنیادوں سے واقف ہیں، یہ کردار ان کی عظمت اور تہذیب پر دلالت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دلوں میں اس کردار کو راسخ کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے اور اسلامی معاشرہ کی بنیادیں استوار کرنے اور اس میں اخلاقی اصول راسخ کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔

مثال کے طور پر ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک وفد آیا۔ اس میں سب سے چھوٹے سیدنا عبدالرحمٰن بن سہل رضی اللہ عنہما تھے، جب وہ آپ ﷺ سے بات کرنے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''بڑے کو بات کرنے دو، بڑے کو بات کرنے دو۔''

چنانچہ سیدنا عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ خاموش ہو گئے اور ان میں سے بڑے نے آپ ﷺ سے گفتگو کی۔''①

رسول اللہ ﷺ بڑوں اور اہل فضل کے احترام و اکرام کو اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ ان کے احترام و اکرام کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم قرار دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامَ ذِی الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَ حَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِی فِيْهِ وَالْجَافِی عَنْهُ وَ إِكْرَامَ ذِی السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ»

''اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان، حافظ قرآن (جو حدود اللہ سے

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب إكرام الكبير...... الخ: ٦١٤٢۔ مسلم، کتاب القسامة والمحاربين، باب القسامة: ١٦٦٩۔

تجاوز کرے اور نہ قرآن سے روگردانی کرے) اور منصف بادشاہ کی عزت کی جائے۔“①

عہد اول کے مسلمانوں میں یہ اخلاقی تربیت خوب بار آور ہوئی جس کی بدولت ایسے لوگ معرض وجود میں آئے جن کی زندگیاں ان بلند اخلاق کی عملی تصویر تھیں چنانچہ وہ لوگ بزرگ اور اہل فضل کی عزت کے بے مثل پیکر تھے مثال کے طور پر میں سیدنا ابوسعید سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کا یہ قول پیش کرتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”میں عہد رسالت میں بچہ تھا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات یاد کر لیا کرتا تھا مگر مجھے ان ارشادات کے بیان کرنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ یہاں کچھ ایسے لوگ موجود ہیں جو عمر میں مجھ سے بڑے ہیں۔“②

ان نمونوں میں سے جن کا بڑوں اور اصحاب فضل کی تعظیم کے سلسلہ میں ہر مسلمان کو اسوہ اختیار کرنا چاہیے، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا کردار ہے۔ وہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تھے، وہاں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سوال کیا جس کا جواب ابن عمر رضی اللہ عنہما کو معلوم تھا مگر وہ محض ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے احترام کی وجہ سے خاموش رہے۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی مجلس میں فرمایا:

”بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جس کی مثال مسلمان جیسی ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر زمانہ میں بار آور رہتا ہے اور جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے۔“ میرے جی میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر میں نے بولنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اس مجلس میں ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ جب وہ دونوں بھی خاموش رہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم

---

① ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب فی تنزیل الناس منازلھم: ٤٨٤٣۔

② مسلم، کتاب الجنائز، باب أین یقوم الإمام من المیت للصلاۃ علیه: ٩٦٤۔

نے فرمایا: ''وہ کھجور کا درخت ہے۔'' پھر جب میں اپنے والد (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ) کے ساتھ باہر نکلا تو میں نے ان سے عرض کیا: ''ابا جان! میرے جی میں آیا تھا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔'' انھوں نے فرمایا: ''پھر آخر تو نے کیوں نہیں بتلایا؟ اگر تو بتلا دیتا تو مجھے یہ فلاں فلاں چیزوں سے زیادہ محبوب ہوتا۔'' ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عرض کیا۔ میں صرف اس وجہ سے خاموش رہا کہ میں نے دیکھا کہ آپ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ کچھ نہیں بول رہے ہیں اس لیے میں نے بھی بولنا مناسب نہیں سمجھا۔''①

اسلام نے اسلامی معاشرہ میں لوگوں کو ان کا مناسب مقام عطا کیا ہے۔ اس سلسلہ میں امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے شروع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم نقل کیا ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ لوگوں کو ان کے مناسب مقام دیں۔''

لوگوں کو ان کے مناسب مقام دینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کی قدر پہچانی جائے اور علماء، حفاظ قرآن، اصحاب عقل اور اہل فضل کو دوسروں پر مقدم رکھا جائے۔ اس لیے کہ اسلامی معاشرہ میں علماء کا بلند اور قابل قدر مقام ہے بشرطیکہ وہ شریعت الٰہی کے امین، حق کا اعلان کرنے والے اور شعائر اسلام کے محافظ ہوں خود اللہ تعالیٰ نے ان کو اس باعزت مقام پر سرفراز فرمایا ہے، ارشاد ہے:

﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴾ (الزمر: ۹)

''ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں کبھی برابر ہو سکتے

---

① بخاری، کتاب العلم، باب الحیاء فی العلم: ۱۳۱۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب مثل المؤمن مثل النخلۃ: ۲۸۱۱۔

ہیں؟ نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔"

اسلامی معاشرہ میں حفاظ قرآن کا بھی بلند مقام ہے۔ احادیث صحیحہ میں ان کی قدر افزائی کی گئی ہے اور ان کو نماز میں امامت کا مستحق اور مجالس میں صدر نشینی اور عزت وقدر دانی کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"لوگوں کی امامت وہ شخص کرے گا جو کتاب اللہ کا سب سے زیادہ پڑھنے والا ہو، اگر پڑھنے میں سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو سنت کا سب سے زیادہ جاننے والا ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو ہجرت میں مقدم ہو، اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو وہ امامت کرے جو عمر میں بڑا ہو اور کوئی شخص امام کی جگہ امامت نہ کرے اور اس کے گھر میں اس کی عزت کی جگہ نہ بیٹھے، (یعنی اس جگہ جو اس کے بیٹھنے کے لیے مخصوص ہے) جب تک کہ وہ اجازت نہ دے۔"①

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد گزر چکا ہے:

"اللہ تعالیٰ کی تعظیم یہ بھی ہے کہ بوڑھے مسلمان اور حافظ قرآن (جو حدود اللہ سے تجاوز نہ کرے، نہ قرآن سے روگردانی کرے) کی عزت کی جائے۔"②

غزوۂ احد میں شہید ہونے والے مسلمانوں کو دفن کرتے وقت جب رسول اللہ ﷺ ہر قبر میں دو دو آدمیوں کو رکھتے تو دریافت فرماتے:

"ان میں سے کون قرآن کا زیادہ حافظ ہے؟ پھر جب کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا تو آپ ﷺ اسی کو قبر میں پہلے رکھتے۔"③

---

① مسلم، کتاب المساجد، باب من أحق بالإمامة: ٦٧٣۔

② ابوداؤد، کتاب الأدب، باب فی تنزیل الناس منازلھم: ٤٨٤٣۔

③ بخاری، کتاب الجنائز، باب من یقدّم فی اللحد: ١٣٤٧۔

لوگوں کو ان کے مناسب مقام دینے کے سلسلہ میں آپ کا وہ ارشاد بھی قابل لحاظ ہے جو آپ ﷺ نماز سے قبل صفیں درست کرتے ہوئے فرماتے تھے:

((وَ لِيَلِيَنِي مِنكُمْ أُولُو الْأَحْلَامِ وَالنُّهٰى))①

"میرے نزدیک تم میں سے وہ لوگ رہیں جو حلم وفضل والے اور عقلمند ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بڑی ہی حکمت اور معنویت پر مبنی ہے اور اس سے بہت سی چیزوں پر دلالت ہوتی ہے مثلاً یہ کہ لوگوں کو ان کے مقام و مرتبہ اور حیثیت کے مطابق جگہ دینی چاہیے۔ نماز میں نبی ﷺ کے پیچھے اصحاب عقل کے رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی طاقت صلاحیت اور امکانات کی حد تک مسلمانوں کے مختلف معاملات کی ذمہ داریاں سنبھالنے کا اہل ہے۔ جیسا کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ اہل فضل کو ان کے فضل کے مطابق ایک دوسرے پر ترجیح دیتے، ہر قوم کے باعزت شخص کا اکرام کرتے اور اسے اس کی قوم کا سردار بنا دیتے تھے، آپ ﷺ کی مجلس میں ایسے پاکباز اور انصاف پرور اہل ایمان رہتے تھے جو تقویٰ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ بڑوں کی عزت کرتے، چھوٹوں پر رحم کرتے، محتاج اور غریب کو ترجیح دیتے اور اجنبی اور پردیسی کا خیال رکھتے تھے۔"②

سچا مسلمان وہ ہے جو ان تمام حقیقتوں کو اچھی طرح سمجھ لے اور اپنے معاشرتی کردار میں انھیں ڈھال لے اور لوگوں کے ساتھ عام طور پر علماء و اصحاب فضل اور اہل شرف و تقویٰ کے ساتھ خاص طور پر انھی کے مطابق برتاؤ کرے۔

---

① مسلم، کتاب الصلاۃ، باب تسویۃ الصفوف: ٤٣٢۔

② ترمذی فی الشمائل: ٣٣٥۔ حیاۃ الصحابۃ: ١/٢١، ٢٢، ٢٣۔

نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنا:

سچے اور متقی مسلمان کی ایک خصلت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ نیک لوگوں سے ملاقات کرتا ہے۔ ان سے قریب رہتا اور ان سے دعا کی درخواست کرتا ہے، اس میں وہ کوئی حرج نہیں سمجھتا خواہ اسے کتنا ہی بلند مقام، کتنی ہی بڑی حیثیت اور کتنا ہی اعلیٰ درجہ حاصل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَ اتَّبَعَ هَوٰهُ وَ كَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ﴾ (الكهف : ٦٧)

"اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کرو جو اپنے رب کی رضا کے طلب گار بن کر صبح و شام اسے پکارتے ہیں اور ان سے نگاہ ہرگز نہ پھیرو۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جس نے اپنی خواہش نفس کی پیروی اختیار کر لی ہے اور جس کا طریق کار افراط و تفریط پر مبنی ہے۔"

اس لیے کہ نیک لوگوں کی صحبت میں رہنے سے خیر، تقویٰ اور قول و عمل میں درستی کی توفیق ملتی ہے۔ دین میں مزید تفقہ حاصل ہوتا ہے اور حق کی طرف توجہ میں اضافہ ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی صحبت میں رہنے والے لوگوں کا شمار بھی نیک لوگوں میں ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ مقولہ ہے ؎

صحبت صالح ترا صالح کند

اللہ کے نبی سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے نیک بندے کی جستجو میں لمبا سفر طے کیا تا کہ اس سے علم حاصل کریں۔ آپ نے ان سے بڑی ہی تواضع اور ادب سے فرمایا:

﴿ هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴾ (الكهف : ٦٦)

''کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں تا کہ آپ مجھے بھی اس دانش کی تعلیم دیں جو آپ کو سکھلائی گئی ہے۔''

اور جب اس نیک بندے نے جواب دیا:

﴿ اِنَّكَ لَنۡ تَسۡتَطِيۡعَ مَعِىَ صَبۡرًا ﴾ (الکھف: ٦٧)

''آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے۔''

تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی درجہ کی محبت اور بڑے ہی ادب سے فرمایا:

﴿ سَتَجِدُنِىۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِىۡ لَكَ اَمۡرًا ﴾ (الکھف: ٦٩)

''ان شاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں کسی معاملہ میں آپ کی نافرمانی نہیں کروں گا۔''

سچا اور باشعور مسلمان صرف نیک لوگوں سے انسیت اور محبت رکھتا ہے، اس لیے کہ دینی تعلیمات کی بنیاد پر اسے معلوم ہے کہ لوگ کانوں کی طرح ہیں، جس طرح کانوں میں کچھ کانیں اچھی اور کچھ خراب ہوتی ہیں اسی طرح لوگوں میں بھی بعض لوگ نیک اور بعض برے ہوتے ہیں اور یہ کہ نیک آدمی صرف نیک لوگوں سے انسیت رکھتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

''لوگ کانیں ہیں جیسے کہ سونے اور چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو لوگ تم میں سے جاہلیت میں بہتر گردانے جاتے تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے بشرطیکہ وہ دین میں سمجھ رکھتے ہوں۔''[1]

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

روحیں چھاؤنی والی فوجیں ہیں، اگر عالم بالا میں ایک نے دوسری سے ملاقات کی ہے تو یہاں بھی ان سے مانوس ہوں گی اور اگر وہاں انجان تھیں تو یہاں بھی

---

[1] مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب خیار الناس: ٢٥٢٦۔ بخاری، کتاب المناقب، باب المناقب: ٣٤٩٣۔

الگ الگ رہیں گی۔"①

دینی تعلیمات کی روشنی میں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہم نشیں کی دو قسمیں ہیں، اچھا ہم نشیں اور برا ہم نشیں۔ اچھے ہم نشیں کی مثال مشک رکھنے والے کی سی ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے اور اس کی صحبت میں رہنے سے راحت وسکون، خوشبو اور سرور حاصل ہوتا ہے اور برے ہم نشیں کی مثال دھونکنی پھونکنے والے کی سی ہے کہ اس کی صحبت میں رہنے سے آگ کی لپیٹ، دھواں، گندگی اور تکلیف وپریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا، رسول کریم ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی بہترین تمثیل بیان فرمائی ہے:

"اچھے ہم نشیں اور برے ہم نشیں کی مثال ایک مشک رکھنے والے اور دھونکنی پھونکنے والے کی ہے۔ مشک رکھنے والا یا تو تمھیں کچھ دے گا یا تم اس سے خرید لو گے یا کم از کم اس سے خوشبو ہی پاؤ گے اور دھونکنی پھونکنے والا یا تو تمھارے کپڑے جلا دے گا اور نہیں تو کم از کم بدبو تو تمھیں ضرور حاصل ہوگی۔"②

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ایک دوسرے کو ان نیک لوگوں کی زیارت پر اکساتے تھے جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ یاد آجاتا ہے۔ دلوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے خشیت الٰہی اور عبرت ونصیحت کے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں:

"نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک مرتبہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کہا آؤ ام ایمن رضی اللہ عنہا (ام ایمن رضی اللہ عنہا نبی ﷺ کی دایہ اور خادمہ تھیں، جب آپ ﷺ بڑے ہوئے تو آپ ﷺ نے انھیں آزاد کر دیا اور سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے

---

① بخاری، كتاب أحاديث الأنبياء، باب الأرواح جنود مجندة: ٣٣٣٦۔

② بخاری، كتاب الذبائح والصيد، باب المسك: ٥٥٣٤۔ مسلم، كتاب البر والصلة، باب استحباب مجالسة الصالحين...... الخ: ٢٦٢٨۔

ان کی شادی کر دی، آپ ﷺ ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتے اور فرماتے تھے "ام ایمن میری ماں ہیں") سے ملاقات کرنے چلیں، جس طرح کہ رسول اللہ ﷺ ان سے ملاقات کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب وہ پہنچے تو وہ رونے لگیں۔ انھوں نے کہا: "آپ کیوں روتی ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے زیادہ بہتر ہے؟" وہ بولیں میں اس لیے نہیں روتی، میں جانتی ہوں کہ جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے لیے زیادہ بہتر ہے۔ میں تو اس لیے رو رہی ہوں کہ اب آسمان سے وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا ہے۔ یہ سن کر ان دونوں کا بھی دل بھر آیا اور دونوں ان کے ساتھ رونے لگے۔"[1]

ایسی ہی مجلسوں سے جنھیں فرشتے ڈھانپے رہتے ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا سایہ کیے رہتا ہے انسان کا ایمان قوی ہوتا ہے، اس کے نفس اور روح کا تزکیہ ہوتا ہے، دل کو جلا ملتی ہے اور انسان اپنی ذات کے لیے، اپنے خاندان کے لیے اور اپنے معاشرہ کے لیے سرتاسر خیر ثابت ہوتا ہے، یہی اسلام کا مقصد ہے جسے حاصل کرنے کے لیے وہ لوگوں سے فرداً فرداً اور ایک ساتھ خطاب کرتا ہے اور ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

لوگوں کو نفع پہنچانے اور نقصان سے بچانے کی کوشش کرنا:

اسلامی نہج پر پرورش پانے اور اسلام کے پاکیزہ سرچشمے سے سیرابی حاصل کرنے والے مسلمان کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی ذات سے معاشرہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچائے اور ضرر پہنچانے والی چیزوں کو ان سے دور کرے، اس لیے کہ حق، خیر اور فضیلت کے اصولوں پر پروان چڑھنے اور نشو و نما پانے کی وجہ سے وہ ایک تعمیری، سرگرم اور نفع بخش عنصر ہوتا ہے چنانچہ ممکن نہیں کہ وہ خیر کا کوئی موقع پائے اور اسے غنیمت نہ سمجھے کیونکہ وہ

---

[1] مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل أم أيمن: ٢٤٥٤۔

جانتا ہے کہ خیر کامیابی اور فلاح کی ضامن ہے:

﴿ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحج: ۷۷)

''اور نیک کام کرو، توقع ہے کہ تم کو فلاح نصیب ہو۔''

وہ نیک کاموں کی طرف سبقت کرتا ہے اور اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کام کے لیے اٹھائے جانے والے ہر قدم پر ثواب عطا فرمائے گا:

''انسان کو اپنے جسم کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ دینا واجب ہے، دو آدمیوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کر دینا صدقہ ہے، کسی آدمی کو اس کی سواری پر بٹھانے یا سواری پر سامان لادنے میں مدد دینا صدقہ ہے، اچھی بات کہنا صدقہ ہے، نماز کے لیے (مسجد کی طرف) اٹھنے والا ہر قدم صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے۔''[1]

اس حدیث میں معاشرہ کی بہتری کے لیے کیے جانے والے کاموں اور نماز کے لیے مسجد کی طرف جانے (کے عمل) کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ نے یہ بتلانا چاہا ہے کہ یہ دین انسان کی دنیا اور آخرت دونوں درست کرنے کے لیے آیا ہے اس کے نزدیک دنیا اور آخرت میں اور معاشرتی زندگی اور روحانی زندگی میں کوئی تفریق نہیں۔ دینی تعلیمات کا صحیح شعور رکھنے والے مسلمان کی نگاہ میں انسان کے تمام اعمال عبادت ہیں بشرطیکہ اس کی نیت اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو اور وہ ان کے ذریعے صرف اس کی رضا اور خوشنودی چاہتا ہو۔

چنانچہ متقی مسلمان کے سامنے نیکی کے دروازے کھلے رہتے ہیں، وہ جس میں چاہتا ہے داخل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی فراخ اور کشادہ رحمت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے عظیم

---

[1] بخاری، کتاب الجهاد، والسير، باب من أخذ بالركاب و نحوه: ۲۹۸۹۔ مسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة...... الخ: ۱۰۰۹۔

ثواب اور وسیع فضل کا مستحق ہو جاتا ہے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ)) ①

”ہر نیکی صدقہ ہے۔“

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ)) ②

”اچھی بات کہنا صدقہ ہے۔“

یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس شخص کو بھی ڈھانپ لیتی ہے جو اس کی طرف یکسو ہو جائے اور اس کے لیے اپنی نیت خالص کر لے چنانچہ جو شخص نیک کام کرے اسے بھی ثواب ملتا ہے اور جو شخص نیک کام نہ کرے لیکن برائی سے باز رہے اسے بھی ثواب ملتا ہے۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔“ عرض کیا: ”اس کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو تو کیا کرے؟“ فرمایا: ”اپنے ہاتھوں سے کام کرے، خود کو بھی فائدہ پہنچائے اور صدقہ بھی کرے۔“ عرض کی: ”اگر ایسا نہ کر سکے تو؟“ فرمایا: ”محتاج مصیبت زدہ کی مدد کرے۔“ عرض کیا: ”اگر ایسا نہ کر سکے۔“ فرمایا: ”نیکی کا حکم دے۔“ عرض کیا: ”اگر ایسا بھی نہ کر سکے؟“ فرمایا: ”برائی سے باز رہے یہ بھی صدقہ ہے۔“ ③

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث کا آغاز اس ارشاد سے کیا ہے:

---

① بخاری ، کتاب الأدب ، باب كل معروف صدقة : ٦٠٢١۔

② بخاری ، کتاب الجهاد والسير، باب من أخذ بالركاب و نحوه : ٢٩٨٩۔

③ بخاری ، کتاب الأدب ، باب كل معروف صدقة : ٦٠٢٢۔ مسلم ، کتاب الزكاة ، باب بيان أن اسم الصدقة...... الخ : ١٠٠٨۔

((عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ))

"ہر مسلمان پر صدقہ واجب ہے۔"

پھر نیکی، بھلائی اور اچھائی کے مختلف طریقوں کا شمار کیا ہے جن کے ذریعے مسلمان ان صدقات کا اجر حاصل کر سکتا ہے۔ مسلمان پر صدقہ واجب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ معاشرہ میں تعمیری اور بہتری کے کام انجام دے۔ اگر ایسا کرنے سے عاجز ہو یا کسی سبب سے نہ کر سکے تو کم از کم اپنی زبان اور جوارح کو شر سے باز رکھے، اس میں بھی صدقہ ہے۔ مسلمان کی ایجابات و سلبیات دونوں سے اس حق کی خدمت ہوتی ہے، جو مسلمانوں کے معاشرہ پر چھایا ہوا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں۔"①

یہی نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرہ میں سب سے بہتر مسلمان اس شخص کو قرار دیا ہے جس سے لوگ خیر کی امید کریں اور شر سے محفوظ رہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ایک جگہ کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ ان کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا:

"کیا میں تمھیں بتاؤں کہ تم میں اچھے کون اور برے کون ہیں؟" لوگ خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہی فرمایا تو ایک شخص نے عرض کیا: "کیوں نہیں اے اللہ کے رسول (ﷺ) بتلایئے!" آپ ﷺ نے فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهُ وَ يُؤْمَنُ شَرُّهُ وَ شَرُّكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ))②

---

① بخاری، کتاب الإیمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده: ١٠۔

② ترمذی، کتاب الفتن، باب خیرکم من یرجی خیره و یؤمن شره: ٢٢٦٣۔ احمد: ٢/٣٧٨۔

"تم میں بہتر لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید رکھیں اور شر سے محفوظ رہیں اور تم میں برے لوگ وہ ہیں جن سے لوگ خیر کی امید تو رکھیں مگر شر سے محفوظ نہ ہوں۔"

مسلمان اپنے معاشرہ کو صرف خیر پہنچاتا ہے اور اگر ایسا نہ کرے تو شر سے باز رہتا ہے اور کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا۔ سچا مسلمان وہ ہے جو ہمیشہ نیک کام انجام دے اور برے کاموں سے باز رہے، اس لیے کہ وہ ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اپنے پیش نظر رکھتا ہے:

"جو شخص اس حال میں صبح کرے کہ اسے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کی کوئی فکر نہ ہو وہ مسلمانوں میں سے نہیں۔"[1]

مسلمانوں کی فلاح و بہبود اور ان کے معاملات سے دلچسپی لینے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو فائدہ پہنچانے اور ان سے مضرت دفع کرنے کی کوشش کرے۔ اس سے مراد ایک چیز اور بھی ہے جو اسلامی معاشرہ میں فرد کو ممتاز کرتی ہے اور وہ ہے اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں اس کی سرگرمی اور مستعدی اور ان کی فلاح و بہبود کے لیے کام کرنے کی امنگ۔ رسول اللہ ﷺ کے یہ ارشادات سن کر اس کی دوڑ دھوپ اور سرگرمی میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

«لَا يَزَالُ اللّٰهُ فِيْ حَاجَةِ الْعَبْدِ مَا دَامَ الْعَبْدُ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ»[2]

"اللہ تعالیٰ بندے کی حاجت اس وقت تک پوری کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنے بھائی کی حاجت پوری کرتا رہے۔"

اور آپ ﷺ نے فرمایا:

---

1. مستدرك حاكم: ٤/٣٢٠۔
2. شعب الإيمان: ٧٦١٥۔ مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن وعلى الذكر: ٢٦٩٩۔

((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَ لَا يُسْلِمُهُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللّٰهُ فِي حَاجَتِهِ وَ مَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے بے یارو مددگار چھوڑ دے۔ جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی ضرورتیں پوری کرے گا اور جو کسی مسلمان کی کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور فرمائے گا اور جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی کرے گا۔''

مزید فرمایا:

((مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ مَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ))[2]

''جو شخص کسی مومن کی دنیاوی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت دور فرمائے گا اور جو شخص کسی تنگ دست کی مشکل آسان کرے گا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس کی مشکل آسان فرمائے گا۔''

نبوی تعلیمات نے اسلامی معاشرہ میں تعاون کی روح عام کرنے پر زور دیا ہے۔

---

1. مسلم ، كتاب البر والصلة ، باب تحريم الظلم : ٢٥٨٠۔ بخاری ، كتاب المظالم ، باب لا يظلم المسلم المسلم و لا يسلمه : ٢٤٤٢۔
2. مسلم ، كتاب الذكر والدعاء ، باب فضل اجتماع على تلاوة القرآن و على الذكر : ٢٦٩٩۔

چنانچہ اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کسی مسلمان کا چلنا لمبے عرصہ کے اعتکاف سے بہتر قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنے کے لیے کہیں جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ دس سال تک اعتکاف کرے اور جو شخص محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لیے ایک دن کا اعتکاف کرے، اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں حائل کر دے گا، ہر خندق کی وسعت مشرق و مغرب کے درمیان فاصلے سے زیادہ ہوگی۔"①

اسی طرح اسلامی تعلیمات نے خبردار کیا ہے کہ اگر کوئی شخص لوگوں کی خدمت پر قدرت رکھنے کے باوجود اس سے اعراض کرے اور اپنا دل تنگ کرے تو اس کو حاصل ہونے والی نعمتیں زائل ہو جائیں گی جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ عَبْدٍ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ نِعْمَةً فَأَسْبَغَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ جُعِلَ مِنْ حَوَائِجِ النَّاسِ إِلَيْهِ فَتَبَرَّمَ فَقَدْ عَرَّضَ تِلْكَ النِّعْمَةَ لِلزَّوَالِ))②

"اگر کوئی بندہ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کی بارش کی، لوگوں کی ضروریات پوری کرنے پر قادر ہو مگر اس کے باوجود وہ اپنا دل تنگ کرے اور اس سے بے توجہی برتے تو گویا اس نے ان نعمتوں کو زوال کا نشانہ بنا دیا۔"

صحیح احادیث میں اہل جنت کی جو درخشاں اور تابناک تصویر کشی کی گئی ہے اس میں سے یہ بھی ہے کہ ایک آدمی جنت میں عیش و آرام سے گھومے پھرے گا، اس لیے کہ اس

---

❶ طبرانی فی الأوسط: ۷۳۲۲۔ حدیث کی سند "جید" ہے۔

❷ طبرانی فی الأوسط: ۷۵۲۵۔ اس کی سند "جید" ہے۔

نے مسلمانوں کے راستے سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جس سے انھیں آنے جانے میں تکلیف پہنچتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویر کشی یوں کی ہے:

«لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِي الْجَنَّةِ فِي شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيقِ كَانَتْ تُؤْذِي الْمُسْلِمِينَ» ①

"میں نے ایک آدمی کو جنت میں گھومتے پھرتے دیکھا ہے، یہ مرتبہ اسے اس وجہ سے حاصل ہوا کہ اس نے راستے سے ایک ایسا درخت کاٹ دیا تھا جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچتی تھی۔"

مسلمانوں سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا خیر کا دوسرا رخ ہے، جسے مسلمانوں کو فائدہ پہنچانے کے لیے کیا جاتا ہے۔ جو شخص مسلمانوں کو موذی اور تکلیف دہ چیزوں سے بچاتا ہے اس کا درجہ بھی اس شخص کے برابر ہے جو ان کی بھلائی اور نفع کے لیے کام کرتا ہے۔ دونوں مسلمانوں کے مفاد کے لیے کام کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب، رحمت اور خوشنودی سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اسی لیے نبی ﷺ نے مسلمانوں کو نفع پہنچانے اور ان سے مضرت رفع کرنے ہر دو چیزوں کی تعلیم دی ہے، اس لیے کہ دونوں طرح کے اعمال سے جماعت کو خوش بختی و خوش حالی حاصل ہوتی ہے، معاشرے پروان چڑھتے اور دلوں میں محبت و مودت کے تعلقات نشوونما پاتے ہیں۔ مسلمانوں سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں سیدنا ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! مجھے کوئی ایسی چیز سکھا دیجیے جس سے مجھے فائدہ پہنچے۔" آپ ﷺ نے فرمایا:

«اِعْزِلِ الْأَذٰى عَنْ طَرِيقِ الْمُسْلِمِينَ» ②

---

① مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل إزالة الأذى عن الطريق، بعد الحديث: ٢٦١٧۔

② مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل إزالة الأذى عن الطريق: ٢٦١٨۔

"مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو الگ کر دیا کرو۔"

آخر کون سا مہذب اور ترقی یافتہ معاشرہ اسلامی معاشرہ کی ہمسری کر سکتا ہے جس نے کہ ہر فرد کے شعور میں یہ بات راسخ کر دی ہے کہ لوگوں کے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کا ہٹانا ان نیک اعمال میں سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا اور جنت میں داخلہ نصیب ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا معاشرہ جس کے افراد کے دلوں میں یہ اعلیٰ تربیتی ہدایات ہر وقت مستحضر اور موجزن رہتی ہیں، بلاشک وشبہ دنیا کے تمام معاشروں میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ اس معاشرہ میں زندگی گزارنے والا مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا کہ وہ لوگوں کے راستے میں ایسی چیز ڈال دے جس سے انھیں اذیت پہنچے جس طرح کہ آج کل لوگ شاہراہوں پر کوڑا کرکٹ، فضلات اور گندگیاں ڈال دیتے ہیں اور عمارتوں کے ملبہ کا ڈھیر لگا دیتے ہیں جس سے میونسپل کمیٹی ان کو سزا دیتی ہے اور بھاری جرمانہ عائد کرتی ہے۔

کتنا نمایاں اور عظیم فرق ہے ان دو معاشروں کے درمیان جن میں سے ایک اس دین کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو اور اس کے افراد اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت میں اور اس سے ثواب کی امید رکھتے ہوئے راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹانے میں سبقت کریں اور دوسرا الٰہی تعلیمات کے مقابلہ میں سرکشی کی روش اختیار کرے اور اس کے افراد کو کوئی پروانہ ہو کہ وہ اپنے گھر کی بالکونیوں، گیلریوں، کھڑکیوں اور چھتوں سے جو کوڑا کرکٹ اور گندگیاں پھینکتے ہیں، وہ کس پر گرتی ہیں؟

مغرب کی متمدن دنیا میں اگرچہ ان معاملات میں بڑے پیمانہ پر نظم وضبط پایا جاتا ہے، اس میں لوگ نظم کا احترام کرتے اور باریکی اور سختی کے ساتھ اس پر عمل کرتے ہیں مگر اس کے باوجود مغرب کا یہ بلند معاشرتی نظام اسلام کے صحیح معاشرتی معیار سے کہیں فروتر ہے۔ اس کا واضح سبب یہ ہے کہ مسلمان جس کی تربیت صحیح اسلامی نہج پر ہوتی ہے، پوری

باریکی اور پورے اخلاص کے ساتھ نظم وضبط کی پابندی کرتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ڈسپلن کی خلاف ورزی کرنا اللہ کی نافرمانی کرنا ہے، جس پر اسے قیامت کے دن سزا ملے گی جبکہ مال واسباب اور اہل وعیال کوئی کام نہ آئے گا اور صرف وہی شخص فوز وفلاح سے ہمکنار ہو گا جو قلب سلیم کے ساتھ اس کی بارگاہ میں حاضر ہو گا۔ اس کے برخلاف مغرب میں رہنے والا شخص ڈسپلن کی خلاف ورزی کو زیادہ سے زیادہ جرم سمجھتا ہے بعض اوقات اس کا ضمیر اسے ٹوکتا ہے لیکن اکثر وہ اپنے ضمیر کو خاموش کر لیتا ہے اور معاملہ اس سے آگے نہیں بڑھتا اور خاص طور پر اس وقت تو اسے ڈسپلن کی خلاف ورزی سے کوئی چیز باز نہیں رکھتی جب اقتدار کی نگاہ اس سے غافل ہو۔

مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرنا:

مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی رکھنے، ان کو نفع پہنچانے اور ان سے مضرت رفع کرنے میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ اگر اس میں باہم مخاصمت اور لڑائی جھگڑا ہو تو ان کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کی جائے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے وجوب پر بہت سی نصوص دلالت کرتی ہیں جن کا ان صفحات میں احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْ بَغَتْ اِحْدَاهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآئَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾

(الحجرات: ۹)

"اور اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کراؤ، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرف پلٹ آئے،

پھر اگر وہ پلٹ آئے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف کرو کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔''

یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی حکم ہے کہ باہم لڑنے والے گروہوں میں صلح کرائی جائے خواہ اس کے لیے سرکش اور باغی گروہ سے جنگ ہی کیوں نہ کرنا پڑے یہاں تک کہ مسلمانوں کے معاشرہ میں عدل و انصاف عام ہو جائے اور دوبارہ اخوت و بھائی چارے کے معطر اور جانفزا جھونکے چلنے لگیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ (الحجرات : ١٠)

''مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات درست کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔''

رسول اللہ ﷺ بذات خود باہم لڑنے والوں کے درمیان صلح کرانے کی کوشش کرتے تھے حتیٰ کہ بعض اوقات اس چیز کو دعوت کی اہم ذمہ داریوں کی انجام دہی سے بھی زیادہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو کر کے دکھا دیا کہ باہم لڑائی جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صلح کرانا واجب ہے۔

سیدنا ابو العباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ایک مرتبہ خبر پہنچی کہ بنی عمرو بن عوف میں جھگڑا ہو گیا ہے تو آپ ﷺ چند لوگوں کو لے کر ان میں صلح کرانے کے لیے نکلے، یہاں تک کہ نماز کا وقت ہو گیا...... ''[1]

رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش ہوتی تھی کہ اہل ایمان کے معاشرہ میں اخوت و بھائی چارہ عام ہو اور ان کی زندگیوں میں اتحاد و اتفاق، صاف دلی، اخلاص اور باہمی مفاہمت کی

---

[1] بخاری ، کتاب الصلح ، باب ما جاء فی الإصلاح بین الناس : ٢٦٩٠۔ مسلم ، کتاب الصلاة ، باب تقدیم الجماعة ...... الخ : ٤٢١۔

کارفرمائی ہو، چنانچہ آپ ﷺ ہمیشہ انھیں اپنے اقوال وافعال سے نیکی، رواداری، چشم پوشی اور نرمی پر اکسایا کرتے اور اس تربیتی پہلو کی طرف اپنی پوری توجہ مبذول کرتے یہاں تک کہ غضب کی شدت، جھگڑے اور ہٹ دھرمی کو رضا مندی کی مسکراہٹ، صاف دلی اور فراخدلی میں بدل دیتے۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

"رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ دروازے پر جھگڑا کرنے والوں کی آواز سنی۔ ان کی آوازیں تیز تھیں۔ ان میں سے ایک اپنے قرض کو کم کرانے کی درخواست کر رہا تھا اور نرمی چاہتا تھا اور دوسرا کہتا کہ اللہ کی قسم! میں کم نہیں کروں گا۔ آپ ﷺ باہر نکلے اور فرمایا: "کہاں ہے اللہ تعالیٰ پر قسم کھانے والا کہ میں نیکی نہیں کروں گا۔" رسول اللہ ﷺ کا یہ عتاب سن کر وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور اس نے اپنا حق معاف کر دیا اور عرض کیا: "میں ہوں اے اللہ کے رسول! وہ جو چاہے کرے۔"[1]

لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کی خاطر رسول اللہ ﷺ نے بہت سی ان باتوں میں بھی رخصت دی ہے جنھیں لوگ بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس طرح ایک دوسرے سے نفرت کرنے والے لوگ قریب ہو جائیں اور پتھر کی طرح سخت ہو جانے والے دل نرم پڑ جائیں۔ ایسی باتوں کا شمار جھوٹ میں نہیں ہوگا اور نہ یہ باتیں کہنے والے جھوٹے اور گناہگار قرار دیے جائیں گے۔ سیدہ ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

«لَيْسَ الْكَذَّابُ الَّذِي يُصْلِحُ بَيْنَ النَّاسِ فَيَقُولُ خَيْرًا وَيَنْمِي خَيْرًا»[2]

---

1. بخاری، کتاب الصلح، باب هل يشير الإمام بالصّلح؟: ٢٧٠٥۔ مسلم، کتاب المساقاة، باب استحباب الوضع من الدّين: ١٥٥٧۔
2. بخاری، کتاب الصلح، باب ليس الكاذب الذی......الخ: ٢٦٩٢۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحريم الكذب وبيان ما يباح منه: ٢٦٠٥۔

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے، وہ جھوٹا نہیں جو لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے جھوٹ بولے۔ اس کو بھلی بات پہنچائے یا بھلی بات کہے۔"

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے مزید فرمایا:

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین موقعوں کے علاوہ کسی بات میں جھوٹ بولنے کی رخصت کبھی نہیں سنی ۱۔ جنگ میں۔ ۲۔ لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے کے ارادے سے۔ ۳۔ شوہر کا بیوی سے اور بیوی کا شوہر سے باتیں کرتے ہوئے۔"[1]

حق کی طرف دعوت دینا:

سچا مسلمان ہر دم رواں دواں رہتا ہے اور ہمیشہ اپنی دعوت کی فکر میں لگا رہتا ہے، وہ خیر کی طرف سبقت کرنے کے لیے مواقع اور اسباب کا انتظار نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو حق کی طرف دعوت دینے کے لیے استطاعت بھر کوشش شروع کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس اجر کثیر کی امید رکھتا ہے جس کا اس نے مخلص داعیوں سے وعدہ کیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

«فَوَاللّٰهِ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ أَنْ يَّكُونَ لَكَ حُمُرُ النَّعَمِ»[2]

"اللہ کی قسم! اگر اللہ تمھارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے زیادہ بہتر ہے۔"

---

1. مسلم، كتاب البر و الصلة، باب تحريم الكذب ...... : ٢٦٠٥۔
2. بخاری، كتاب فضائل، اصحاب النبی ﷺ، باب مناقب علی رضی الله عنه: ٣٧٠١۔ مسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علی رضی الله عنه: ٢٤٠٦۔

ایک اچھی بات جسے داعی ایک گمراہ آدمی کے گوش گزار کرتا ہے جس سے اس کے دل میں ہدایت کا بیج بو دیتا ہے، اس کا ثواب سرخ اونٹوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے، جبکہ سرخ اونٹ اہل عرب کے نزدیک اس وقت سب سے قیمتی سمجھے جاتے تھے، ساتھ ہی اسے ان لوگوں کے اجر کے بقدر بھی اجر ملتا ہے جو اس کی دعوت پر ہدایت قبول کرتے ہیں جیسا کہ رسول کریم ﷺ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے:

«مَنْ دَعَا اِلٰی هُدًی کَانَ لَهُ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ أُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهُ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ أُجُوْرِهِمْ شَيْئًا»①

”جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا، اسے ان لوگوں کے بقدر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے اور ان عمل کرنے والوں کے اجر میں بھی کوئی کمی نہ ہوگی۔“

اس لیے کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اگر لوگ ان داعیوں کے صبر اور راہِ اِلٰہ میں ان کی جدو جہد پر رشک کریں جو گمراہ اور راہ حق سے منحرف لوگوں کو دعوت دینے میں اپنا مال اور وقت صرف کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ بھی اس پر رشک کی ترغیب دیں:

«لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰی هَلَكَتِهِ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْحِكْمَةَ فَهُوَ يَقْضِیْ بِهَا وَ يُعَلِّمُهَا»②

”قابل رشک تو صرف دو ہی آدمی ہیں ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ اسے حق کی راہ میں لٹائے اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازے اور وہ اس کے ذریعہ لوگوں میں فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔“

مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے ہوئے اپنے علمی سرمایہ کو حقیر اور معمولی نہیں

---

① مسلم، کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة...... الخ: ٢٦٧٤۔

② مسلم، کتاب صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ...... الخ: ٨١٦۔ بخاری، کتاب الزكاة، باب إنفاق المال فی حقه: ١٤٠٩۔

سمجھتا چنانچہ اس تک حق کی جو بات بھی پہنچتی ہے اسے دوسروں تک پہنچاتا ہے خواہ کتاب اللہ کی ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، رسول اللہ ﷺ صحابہ کو اسی چیز کی تعلیم دیتے تھے۔ارشاد ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّيْ وَلَوْ آيَةً» [1]

''میری طرف سے پہنچاؤ خواہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو۔''

کیونکہ بعض اوقات انسان کی ہدایت ایک کلمہ پر موقوف ہوتی ہے جو اس کے دل کو اپیل کرتا ہے، اس کے ضمیر کو جھنجھوڑ دیتا ہے اور ایمان کی پوشیدہ چنگاری کو بھڑکا دیتا ہے، جس سے اس انسان کی پوری زندگی روشن ہو جاتی ہے اور وہ ایک دوسری ہی مخلوق بن جاتا ہے۔

سچا مسلمان فطرتاً دوسروں کا خیال رکھتا ہے، وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرتا ہے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، وہ ہمیشہ مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی رکھتا ہے اور ان کی بہبود کے لیے کام کرتا ہے کیونکہ جو مسلمانوں کے معاملات سے دلچسپی نہ رکھے وہ مسلمان نہیں جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ، رسول اللہ ﷺ، مسلمانوں کے ائمہ اور عوام کا خیر خواہ ہوتا ہے جیسا کہ پہلے حدیث میں بیان ہوا چنانچہ وہ اپنی اور اپنے گھر والوں کی ہدایت پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ تمام لوگوں کو ہدایت دینے اور ان تک حق پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ صرف اپنے لیے اور اپنے خاندان والوں کے لیے جنت نہیں چاہتا بلکہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ سارے لوگ جنت کے مستحق ہوں، اس لیے وہ ہمیشہ لوگوں کو اس چیز کی دعوت دیتا ہے جس سے وہ جنت میں داخل ہوں اور جہنم سے نجات پائیں۔ دراصل یہی داعی کا وہ اخلاق ہے جو اسے عام انسانوں سے ممتاز کرتا ہے اور یقیناً یہ اچھا اور بلند اخلاق ہے جس کی رسول اللہ ﷺ نے تعریف و تحسین فرمائی ہے اور ایسے اخلاق کے حامل شخص کے لیے دعا فرمائی ہے۔ارشاد ہے:

---

[1] بخاری، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل: ٣٤٦١۔

((نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مِنَّا شَيْئًا فَبَلَّغَهُ كَمَا سَمِعَهُ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ أَوْعَى مِنْ سَامِعٍ)) ①

''اللہ تعالیٰ اس شخص کو شاداں وفرحاں رکھے جو ہم سے کوئی بات سنے اور اسے ویسے ہی دوسروں تک پہنچا دے جیسی سنی تھی۔ بعض اوقات جس شخص کو بات پہنچائی جاتی ہے وہ اس بات کے سننے والے سے زیادہ محافظ ہوتا ہے۔''

اسلامی معاشرہ تعاون وتکافل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کے افراد کے دلوں میں ذمہ داری کا احساس پوری طرح موجود رہتا ہے۔ اگر تمام مسلمان اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی ذمہ داری کا احساس کر لیں اور ہر باشعور فرد اپنے معاشرہ میں دعوت کا فریضہ انجام دینا شروع کر دے تو مسلمان جس انحطاط اور تنزل کا شکار ہیں وہ ختم ہو جائے اور وہ دینی تعلیمات سے پیچھے نہ رہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اس شخص کے بارے میں سخت وعید آئی ہے جو دعوت کے وسائل اور مواقع پانے کے باوجود اس سے پہلو تہی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے جس علم سے نوازا ہے اسے چھپاتا ہے اور اپنے علم کو محض دنیا کے مناصب حاصل کرنے اور دنیا کی چند روزہ اور فنا ہونے والی چیزوں سے متمتع ہونے کا ذریعہ بناتا ہے، ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللّٰهِ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا)) ②

''جس شخص نے کوئی ایسا علم حاصل کیا جس سے اللہ عزوجل کی خوشنودی حاصل کی جا سکتی ہے مگر اس نے اسے دنیا کی کوئی چیز حاصل کرنے کے لیے سیکھا تو وہ قیامت کے دن جنت کی خوشبو بھی نہیں پا سکے گا۔''

---

① ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الحث علی تبلیغ السماع: ٢٦٥٧۔

② ابوداوٗد، کتاب العلم، باب فی طلب العلم لغیر اللہ: ٣٦٦٤۔

مزید فرمایا:

﴿مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ﴾ ①

''جس سے کسی علم کے بارے میں پوچھا جائے اور وہ اسے جانتا ہے اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔''

معروف کا حکم دینا اور منکر سے روکنا:

دعوت الی اللہ کے لوازم میں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکیوں کا حکم دینا اور برائیوں سے روکنا بھی ہے، اس لیے مسلمان داعی نیکیوں کا حکم دیتا اور برائیوں سے روکتا ہے۔ وہ برائی کے سامنے ڈٹ جاتا ہے اور اگر اس کے بس میں ہو اور برائی کے ازالہ سے کوئی بڑا فتنہ کھڑا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو وہ اس برائی کو اپنے ہاتھ سے روک دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ کر سکتا تو زبان و بیان سے حق واضح کر دیتا ہے اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتا ہو تو باطل کو دل سے برا سمجھتا اور اسے جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی تیاری کرتا رہتا ہے۔ یہی رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا مصداق ہے:

﴿مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ﴾ ②

''تم میں سے جو شخص کوئی برائی ہوتے دیکھے تو اپنے ہاتھ سے روک دے اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے منع کرے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

مسلمان جب نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے تو دراصل وہ ان مسلمانوں کی

---

① ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی کتمان العلم: ٢٦٤٩۔ ابوداؤد، کتاب العلم، باب کراهية منع العلم: ٣٦٥٨۔

② مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان کون النهی عن المنکر من الإیمان: ٤٩۔

خیر خواہی کرتا ہے جنھیں حکم دیتا یا منع کرتا ہے۔ دین تو سراسر خیر خواہی ہے اس لیے ضروری ہے کہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیا جائے اور برائیوں سے روکا جائے تا کہ اس طرح وہ خیر خواہی وجود میں آئے جس کی تعریف رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمائی ہے:

"دین خیر خواہی کا نام ہے۔" صحابہ نے عرض کیا: "کس کے لیے؟" فرمایا: "اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، اس کے رسول، مسلمانوں اور مسلمانوں کے ائمہ کے لیے۔" ①

یہ خیر خواہی اور یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سچے اور آزاد مسلمانوں کو، ظالم کے سامنے حق کا اعلان کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس امت کے غلبہ اور آزادی کی بقا ایسے جوانمرد اور آزاد منش لوگوں کے وجود سے متعلق ہے جو ظالم کو ظالم کہنے سے نہ ڈریں، جب امت میں اس قسم کے جوان مرد مفقود ہوں گے تو اس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب تم دیکھو کہ میری امت ظالم کو ظالم کہنے سے ڈرتی ہے تو اس کا اللہ ہی حافظ ہے۔" ②

نبوی نصوص مسلمانوں میں باطل کے مقابلہ میں شجاعت و بہادری اور جوانمردی کی روح پھونکتی اور ان کو اطمینان دلاتی ہیں کہ ظالموں کے مقابلہ میں ان کی اس بہادری اور جوانمردی سے نہ تو ان کے رزق میں کمی آئے گی اور نہ وقت سے پہلے موت آئے گی۔

ارشاد نبوی ہے:

« لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ رَهْبَةُ النَّاسِ أَنْ يَقُوْلَ بِحَقٍّ إِذَا رَآهُ وَ يُذَكِّرَ

① مسلم، كتاب الإيمان، باب بيان ان الدين النصيحة: ٥٥۔

② مسند احمد: ١٦٣/٢۔ مجمع الزوائد، باب فيمن يهاب الظالم: ٢٦٢/٧، رقم الحديث: ١٢١١٠۔

بَعَظِيمٍ فَإِنَّهُ لَا يُقَرِّبُ مِنْ أَجَلٍ وَ لَا يُبَاعِدُ مِنْ رِزْقٍ »①

"لوگوں کا خوف کسی کو حق بات کہنے یا حاکم وقت کو اس کے غلط فعل پر ٹوکنے سے ہرگز مانع نہ ہو کیونکہ وہ نہ تو اسے وقت سے پہلے موت دے سکتا ہے اور نہ اسے رزق ہی سے محروم کر سکتا ہے۔"

ایک مرتبہ نبی ﷺ منبر پر تھے، ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! لوگوں میں سب سے بہتر شخص کون ہے؟ فرمایا:

"وہ شخص جو سب سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرنے والا، سب سے زیادہ متقی، نیکیوں کا حکم دینے اور برائیوں سے روکنے میں سب سے پیش پیش ہو اور سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہو۔"②

مسلمانوں کے دلوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بنیاد راسخ ہونے کی وجہ سے ان میں شجاعت، دلیری، باطل کے مقابلہ میں جرأت مندانہ اقدام اور مظلوموں کی مدد کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کا مندرجہ ذیل ارشاد ان کے ان پاکیزہ اور جرأت مندانہ اوصاف کو تقویت پہنچاتا ہے اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کا دفاع کرنے والے جوانمردوں کی مدد کرتا ہے اور اس سے اعراض کرنے والے بزدلوں اور ڈرپوک لوگوں کی کوئی مدد نہیں کرتا۔ ارشاد نبوی ہے:

"جو شخص کسی مسلمان کی ایسے موقع پر مدد نہیں کرتا جہاں اس کی بے آبروئی یا بے حرمتی ہو رہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اسے ایسے موقع پر بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے جب وہ اس کی مدد کا محتاج ہوتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی ایسے موقع پر

---

① احمد: ٣/ ٥٠۔ ابن ماجه، كتاب الفتن، باب الأمر بالمعروف و النهى عن المنكر: ٤٠٠٧۔ طبرانی فی الاوسط: ٢٨٢٥۔

② احمد: ٦/ ٤٣٢۔ طبرانی فی الکبیر: ص٢٤/ ٦٥٧۔

مدد کرتا ہے جب اس کی بے آبروئی یا بے حرمتی ہو رہی ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ایسے موقع پر مدد کرتا ہے جب وہ اس سے مدد چاہتا ہے۔''①

اسی لیے سچا مسلمان حق پرست اور با اصول ہوتا ہے۔ وہ باطل کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتا اور نہ حق کی مدد سے پہلو تہی کرتا ہے۔ وہ اپنے معاشرہ میں ظلم کو عام ہوتا اور برائی کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھنا چاہتا۔ وہ برائی روکنے کی ہمیشہ کوشش کرتا ہے اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے اس عذاب کو دفع کرتا ہے جو قریب ہے کہ ڈرپوک اور بزدل لوگوں اور برائی سے نہ روکنے والوں پر آپڑے، جیسا کہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہوئے بتلایا ہے۔ جب میں خلیفہ ہوا تو منبر پر چڑھا، اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کی اور پھر کہا: ''اے لوگو! تم اس آیت کو پڑھتے ہو:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ﴾

(المائدة : ١٠٥)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنی فکر کرو، کسی دوسرے کی گمراہی سے تمھارا کچھ نہیں بگڑتا اگر تم خود راہ راست پر رہو۔''

اور تم اس کا دوسرا مطلب لیتے ہو حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((إِنَّ النَّاسَ إِذَا رَأَوُا الْمُنْكَرَ فَلَا يُغَيِّرُونَهُ أَوْشَكَ أَنْ يَعُمَّهُمُ اللّٰهُ بِعِقَابِهِ))②

''جب لوگ ظلم ہوتا دیکھیں اور اس سے نہ روکیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو عام کر دے۔''

سچا مسلمان جس کا ایمان بیدار ہوتا ہو...... سلبیت اور بے پروائی سے کوسوں دور رہتا

---

① ابوداؤد، كتاب الأدب ، باب الرجل يذب عن عرض أخيه : ٤٨٨٤ـ طبرانى فى الأوسط: ٨٦٣٧ـ

② ابن ماجه، كتاب الفتن ، باب الأمر بالمعروف والنهى عن المنكر: ٤٠٠٥ـ

ہے۔ وہ دینی امور میں تساہل نہیں برتتا۔ نیکیوں کا حکم دینے سے پہلوتہی نہیں کرتا۔ برائیوں کو ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتا۔ ان کا عام ہونا اور پھلنا پھولنا پسند نہیں کرتا اور نہ ان کا رد کرنے اور بقدر استطاعت ان سے روکنے میں کوتاہی کرتا ہے۔ دینی امور سنجیدگی کے متقاضی ہیں۔ ان میں کوئی کھیل یا ہنسی مذاق نہیں اور عقیدہ کے معاملات سختی اور ٹھوس پن کا تقاضا کرتے ہیں، اس میں کسی قسم کی ڈھیل اور نرمی کی گنجائش نہیں۔ نبی ﷺ نے ہمیں ڈرایا ہے کہ کہیں ہمارا حال بھی ان یہود جیسا نہ ہو جائے جو دینی امور میں سستی و تن آسانی اور بے پروائی سے کام لیتے تھے کیونکہ اگر ایسا ہوگیا تو ہم پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی سزا نافذ ہوگی جیسا کہ ان لوگوں پر ہوا۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

> ''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص گناہ کا ارتکاب کرتا تو منع کرنے والا اسے تنبیہ کرتے ہوئے منع کرتا لیکن دوسرے دن بلا جھجک اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا اور کھاتا پیتا، گویا اس نے اسے کل گناہ کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھا ہی نہ تھا۔ جب وہ لوگ یہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک جیسا کر دیا اور سیدنا داؤد اور سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی، اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ضرور نیکیوں کا حکم دو، برائی سے روکو، گناہ کرنے والوں کا ہاتھ پکڑو اور انھیں حق پر قائم رکھو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ تمھارے دلوں کو ایک جیسا کر دے گا اور تم پر بھی لعنت کرے گا جیسے ان لوگوں پر کی۔''[1]

---

[1] مجمع الزوائد: ۲۶۹/۷۔

اپنی دعوت میں حکمت اور خوش اسلوبی کو ملحوظ رکھنا:

باشعور داعی مسلمان اپنے وعظ و نصیحت میں ہوشیاری، عقلمندی، ذکاوت اور خوش اسلوبی کا ثبوت دیتا ہے۔ لوگوں کو حق کی طرف بلانے میں حکمت سے کام لیتا ہے اور انھیں دینی احکام سکھلانے میں نرمی اور آسانی اختیار کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد اپنے پیش نظر رکھتا ہے:

﴿ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ﴾

(النحل: ۱۲۵)

''اپنے رب کے راستے کی دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ۔''

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی اہم صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ انتہائی خوش اسلوبی کے ساتھ دلوں کو اپیل کرتا ہے، اس کے سامنے ایمان کو پسندیدہ بنا کر پیش کرتا ہے اور انھیں دین کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیتا ہے اور انتہائی احتیاط برتتا ہے کہ اس کی جانب سے کوئی ایسی حرکت صادر نہ ہونے پائے جو تنفر، ایذا یا ناراضی کا سبب بن جائے چنانچہ وہ دفعتاً ایک ہی بار اپنا سارا علم دوسروں پر انڈیل نہیں دیتا بلکہ کچھ کچھ عرصہ سے انھیں اپنے علم اور دینی معلومات سے نوازتا ہے اور وقفہ وقفہ سے ان میں وعظ کرتا ہے اور ان کے دلوں اور احساسات کو اپیل کرتا ہے۔ وہ اپنی تقریروں کو اتنا طول دینے سے اجتناب کرتا ہے کہ اس سے لوگوں کی طبیعتوں میں گرانی اور اکتاہٹ پیدا ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ لوگوں میں وعظ کرتے وقت اس بات کو ملحوظ رکھتے تھے، جیسا کہ جلیل القدر صحابی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا عمل نقل کیا ہے:

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو لوگوں میں وعظ کرتے تھے ایک شخص نے ان سے عرض کیا: ''اے ابو عبدالرحمٰن! میری تو خواہش ہے کہ آپ ہم میں روزانہ وعظ و تذکیر فرمائیں۔'' انھوں نے فرمایا: ''میں ایسا اس لیے نہیں کرتا کہ

میں تم لوگوں کو اکتا دینا نہیں چاہتا، میں اسی طرح تم میں وقفہ سے وعظ کرتا ہوں جس طرح رسول اللہ ﷺ ہمیں وعظ کرتے تھے۔ آپ ﷺ ہمارا خیال رکھتے تھے کہ ہم اکتا نہ جائیں۔''①

دعوت میں داعی کی حکمت اور خوش اسلوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ تقریر لمبی نہ کرے۔ خاص طور پر اس وقت جب مجمع عام ہو اور وہ جم غفیر کو خطاب کر رہا ہو، اس لیے کہ اس میں بوڑھے، کمزور اور بیمار بھی ہوتے ہیں۔ مختصر تقریر اس بات کی دلیل ہے کہ خطیب اپنی دعوت کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور جو لوگ اس کی تقریر سن رہے ہیں ان کی نفسیات سے پوری طرح آگاہ ہے۔ عالی مقام بارگاہ نبوت سے یہی تعلیم دی گئی ہے۔ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَ قِصَرَ خُطْبَتِهِ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهِ فَأَطِيلُوا الصَّلَاةَ وَ اقْصُرُوا الْخُطْبَةَ »②

''آدمی کا نماز کو طویل کرنا اور خطبہ کو مختصر کرنا دینی سمجھ کی دلیل ہے۔ اس لیے نماز لمبی کرو اور خطبہ مختصر کر دو۔''

حکمت و دانائی کو ملحوظ رکھنے والے ہوشیار، سمجھدار اور دانا داعی کا اسلوب یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ جن لوگوں کو دعوت دیتا ہے ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ ان کی نادانیوں، غلطیوں اور بہت سے اکتا دینے والے سوالات کو برداشت کرتا ہے اور اگر اس کی گفتگو سمجھنے اور اس کے استیعاب کرنے میں انھیں دیر لگتی ہے تو اس پر وہ جھنجھلاتا نہیں بلکہ داعیوں کے سردار خاتم النبیین ﷺ کا اسوہ اختیار کرتا ہے جو لوگوں کو سوالات کرنے کی شرح صدر سے

---

① بخاری، کتاب العلم، باب من جعل لأهل العلم ...... الخ : ۷۰۔ مسلم، کتاب صفات المنافقین، باب الاقتصاد فی الموعظة : ۲۸۲۱۔

② مسلم، کتاب الجمعة، باب تخفیف الصلاة والخطبة: ۸۶۹۔

اجازت دیتے تھے۔ ان کے سوالات کا جواب دینے اور انھیں دین سکھلانے میں لطف و مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان سے اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے ایک محبت کرنے والا، مرشد و مونس اور ہادی و معلم گفتگو کرتا ہے اور برابر ان کے سوال کا جواب دیتے رہتے تھے یہاں تک کہ بات اس کی سمجھ میں آجاتی تھی اور وہ خوش خوش واپس ہو جاتے تھے:

صحابئ رسول سیدنا معاویہ بن الحکم سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ نمازیوں میں سے کسی کو چھینک آئی، میں نے یرحمک اللہ کہا، لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا۔ میں نے پوچھا: ''آخر کیا بات ہے؟ مجھے کیوں گھور رہے ہو؟'' تو وہ اپنے زانوؤں پر ہاتھ مارنے لگے۔ میں نے جب دیکھا کہ وہ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو مجھے غصہ تو بہت آیا مگر میں خاموش ہوگیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان جائیں! میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر تعلیم دینے والا نہ کبھی پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں دیکھا۔ اللہ کی قسم! نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ڈانٹا، نہ مارا نہ برا بھلا کہا، بس اتنا فرمایا: ''یہ نماز ہے اس میں بات چیت کرنا مناسب نہیں، یہ تو تسبیح، تکبیر اور تلاوت قرآن کا نام ہے۔'' (یا ایسا ہی کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اسلام آ گیا ہے لیکن ابھی عہد جاہلیت کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا، ہم میں سے بعض لوگ اب بھی نجومیوں اور کاہنوں کے پاس جاتے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ان کے پاس نہ جاؤ۔'' میں نے عرض کیا: ''ہم میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو بدشگونی لیتے ہیں۔'' فرمایا: ''یہ چیز ان کے دلوں میں موجود تو ہے لیکن یہ ان کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے ہرگز باز نہ رکھے۔''[1]

---

[1] مسلم، کتاب المساجد، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ...... الخ: ٥٣٧۔

یعنی اس کی بنا پر وہ کوئی کام کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ نہ کریں کیونکہ یہ نہ ان کو نفع پہنچاتی ہے نہ نقصان۔

نبی کریم ﷺ لوگوں کے ساتھ اس حد تک نرمی فرماتے تھے کہ اگر کسی غلطی کرنے والے کو ٹوکنا ہوتا تو منہ در منہ نہیں کہتے تھے کہ اس طرح اس کے احساسات مجروح ہوں گے اور اس کی عزت پر دھبا آئے گا بلکہ آپ ﷺ اس کی برائی کی مذمت کرتے اور اسے ٹوکنے کے لیے توریہ اور کنایہ کا طریقہ اختیار فرماتے تھے۔ یہ اسلوب نفوس کو زیادہ متاثر کرتا ہے، دلوں میں زیادہ اثر کرتا ہے اور بیماریوں اور خطاؤں کے علاج میں زیادہ کارگر ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا بَلَغَهُ عَنِ الرَّجُلِ الشَّيْءُ لَمْ يَقُلْ: مَا بَالُ فُلَانٍ يَقُوْلُ وَلٰكِنْ يَقُوْلُ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَقُوْلُوْنَ كَذَا وَ كَذَا)) [1]

"نبی ﷺ کو جب کسی شخص کے بارے میں کوئی ناپسندیدہ بات معلوم ہوتی تو آپ ﷺ یہ نہیں فرماتے تھے کہ "فلاں شخص کو کیا ہوگیا ہے" بلکہ آپ ﷺ فرماتے: "ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے جو فلاں فلاں باتیں کہتے ہیں۔""

کامیاب داعی کی ایک صفت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی بات مخاطب کے سامنے پوری صفائی اور وضاحت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور اسے اتنی دفعہ دہراتا ہے کہ وہ اچھی طرح سن لیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا جیسا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ جب کوئی بات فرماتے تو تین مرتبہ دہراتے تھے یہاں تک کہ لوگ آپ ﷺ کی بات سمجھ لیتے اور آپ ﷺ لوگوں کے پاس جاتے تو انھیں تین بار سلام کرتے۔" [2]

---

1. ابو داوٗد، کتاب الأدب، باب فی حسن العشرة: ٤٧٨٨۔
2. بخاری، کتاب العلم، باب من أعاده الحديث ثلاثًا ...... الخ: ٩٥۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کی بات ٹھہر ٹھہر کر واضح الفاظ میں ہوا کرتی تھی کہ جو سنتا تھا سمجھ لیتا تھا۔"①

منافقت کا رویہ اختیار نہیں کرنا:

سچا مسلمان نفاق، مداہنت، چاپلوسی اور بے جا اور جھوٹی تعریف سے بہت دور رہتا ہے۔ دینی تعلیمات اسے اس ہولناک کھائی میں گرنے سے بچا لیتی ہیں جبکہ بہت سے لوگ اس گھناؤنے مرض میں مبتلا ہو کر نفاق کے مہلک اور قابل نفرت گڑھے میں جا گرتے ہیں اور انھیں اس کا احساس بھی نہیں ہونے پاتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لیے نفاق اور مداہنت کی اس دلدل سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ راہیں بتلائی ہیں اور کچھ نقوش راہ متعین کیے ہیں۔ ایک بار جب بنو عامر نے آپ ﷺ کی مدح و تعریف کرتے ہوئے کہا:

"آپ تو ہمارے سردار ہیں۔" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "سردار تو اللہ تعالیٰ ہے۔" ان لوگوں نے عرض کیا: "آپ ہم میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ انعام اکرام کرنے والے ہیں۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"جو چاہو کہو مگر خیال رکھو کہ شیطان تمھیں اپنا آلۂ کار نہ بنانے پائے اور تمھیں بہکا نہ سکے۔ میں بالکل نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس مقام سے بلند کر دو جو مجھے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے، میں محمد ہوں، عبداللہ کا بیٹا، اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔"②

جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی تعریف کر رہے تھے اور آپ ﷺ کو سرداری، فضل اور عطا و بخشش کی اعلیٰ صفات سے متصف قرار دے رہے تھے، آپ ﷺ نے ان کو مدح سے منع

① مسلم، کتاب الزهد، باب التثبت في الحديث...... الخ: ٢٤٩٣۔ احمد: ١٣٨/٦۔

② مسند احمد: ٣/١٥٣، ٢٤٩۔

فرما دیا حالانکہ آپ ﷺ بلا شک وشبہ مسلمانوں کے سردار اور ان میں سب سے عظیم اور صاحب فضل تھے۔ اس طرح آپ ﷺ نے لوگوں کے تعریف و مدح میں مبالغہ کرنے، قصیدے پڑھنے اور تعریف کے پل باندھنے کا راستہ ہی بند کر دیا، اس لیے کہ آپ ﷺ کو اچھی طرح معلوم تھا کہ تعریف و مدح کے دروازے کو اگر چوپٹ کھول دیا گیا تو اس سے نفاق کا خطرناک دروازہ کھل جاتا ہے جو اسلام کی صاف شفاف اور پاکیزہ روح کے منافی ہے اور نہ اسے وہ حق ہی قبول کرتا ہے جس پر اس دین کی بنیاد ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کسی کے منہ پر تعریف کرنے سے منع کرتے تھے تاکہ ایک طرف تعریف کرنے والا نفاق کی گندگی میں مبتلا نہ ہو اور دوسری طرف ممدوح پر غرور، گھمنڈ، تکبر، بڑائی اور خود پسندی کا نشہ نہ چڑھ جائے۔

امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد رحمہم اللہ نے سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

> ''ایک شخص نے نبی ﷺ کے سامنے کسی کے روبرو اس کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تم نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ دی۔'' (ایسا آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا پھر کہا) اگر کسی کو اپنے بھائی کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو یوں کہے: ''میں اسے ایسا سمجھتا ہوں (اگر واقعی ان میں وہ خوبیاں پاتا ہو) اس کا حساب کرنے والا اور اجر دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔''[1]

اگر کسی کو کسی کی تعریف کرنا ضروری ہی ہو تو اسے مبنی بر حقیقت اور واقعہ کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ تعریف کرنے والے کو اعتدال اور احتیاط سے کام لینا چاہیے غلو، مبالغہ

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب ما يكره من التمادح: ٦٠٦١۔ مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن المدح ...... الخ: ٣٠٠٠۔

اور بے جا تعریف سے بچنا چاہیے۔ صرف اسی طریقے سے معاشرہ نفاق، جھوٹ، دھوکا دہی اور ریا کاری جیسی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا رجاء بن محجن اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محجن دونوں مسجد میں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو نماز میں مصروف رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''یہ کون ہے؟'' سیدنا محجن رضی اللہ عنہ اس شخص کی خوب تعریف کرنے اور کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول! یہ فلاں ہے۔ یہ فلاں ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُسْكُتْ لَا تُسْمِعْهُ فَتُهْلِكَهُ)) ①

''خاموش ہو جاؤ، اس طرح نہ کہو کہ وہ سن لے ورنہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔''

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے:

سیدنا محجن نے عرض کیا: ''اے اللہ کے نبی! یہ اہل مدینہ میں سب سے اچھا آدمی ہے (یا کہا کہ) یہ اہل مدینہ میں سب سے زیادہ نمازیں پڑھنے والا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تُسْمِعْهُ فَتُهْلِكَهُ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا، إِنَّكُمْ أُمَّةٌ أُرِيْدَ بِكُمُ الْيُسْرُ)) ②

''اس طرح نہ کہو کہ وہ سن لے ورنہ تم اسے ہلاک کر دو گے۔ (ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو یا تین مرتبہ فرمایا) تم لوگ ایسی امت ہو جس کے ساتھ نرمی کا معاملہ برتا گیا ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی اس کے منہ پر تعریف کرنے کو ہلاکت سے تعبیر فرمایا، اس لیے کہ اس سے نفس انسانی پر گہرے نفسیاتی اثرات مرتب ہوتے ہیں، ممدوح اپنی تعریف

---

① مسند احمد: ٤/٣٣٨۔

② مسند احمد: ٥/٣٢۔

سن کر اپنے آپ کو لوگوں سے بڑا سمجھنے لگتا ہے، اپنی ناک اونچی کر لیتا ہے، تکبر سے گردن ٹیڑھی کر کے بات کرتا ہے اور جب منافق، جھوٹے، مکار اور دھوکے باز مداحوں کی طرف سے بار بار اس کا اظہار ہوتا ہے، خاص طور پر ان لوگوں کی طرف سے جو اہل مناصب، صاحب اقتدار اور اثر ورسوخ والے لوگوں کے اردگرد رہتے ہیں تو اپنی تعریفیں سننا ممدوح کی عادت بن جاتی ہے جس سے اس کے نفس میں موجزن شدید خواہش پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد اسے کسی کی نصیحت یا تنقید سننا ناگوار گزرتا ہے اور وہ صرف مدح وثنا اور تعریف کا خواہاں ہوتا ہے، اس حد تک پہنچ جانے کے بعد اگر حق کا ضیاع ہو، عدل و انصاف کا خون ہو، فضائل ومحاسن کی پامالی ہو اور معاشرے میں بگاڑ عام ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ اگر کسی کو کسی کے منہ پر تعریف کرتے ہوئے دیکھیں تو اس کے منہ میں مٹی جھونک دیں تاکہ معاشرہ میں ایسے لوگوں کی تعداد میں اضافہ نہ ہو کیونکہ اگر یہ لوگ بڑھ گئے تو نفاق عام ہو جائے گا، چاپلوسی وتملق کا دور دورہ ہو جائے گا اور مصیبت بڑھ ہو جائے گی۔

بخاری، مسلم احمد اور ترمذی رحمہم اللہ نے متعدد طرق سے روایت کیا ہے کہ ایک شخص کسی خلیفہ کے سامنے تعریف کرنے لگا تو سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ اس کے منہ میں مٹی جھونکنے لگے اور کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِينَ فَاحْثُوا فِي وُجُوهِهِمُ التُّرَابَ»[1]

"جب تم تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں مٹی جھونک دو۔"

اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لوگوں سے اپنی تعریفیں سننا ناپسند کرتے تھے حالانکہ وہ اس کے مستحق اور اہل تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اس سے ہلاکت اور گمراہی کا اندیشہ رہتا ہے

---

[1] مسلم، كتاب الزهد، باب النهي عن المدح: ٣٠٠٢.

اس لیے وہ اس سے بچتے تھے، دراصل وہ پاکیزہ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوتے تھے اور ان سستے اور کھوکھلے مظاہر سے دور رہتے تھے۔ سیدنا نافع سے روایت ہے:

''ایک شخص نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کو یوں مخاطب کیا: ''اے لوگوں میں سب سے بہتر شخص! (یا اے لوگوں میں سب سے بہتر شخص کے بیٹے!)'' سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا میں نہ تو لوگوں میں سب سے بہتر ہوں اور نہ سب سے بہتر شخص کا بیٹا ہوں، میں تو اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہوں، اس کے رحم و کرم کی امید رکھتا ہوں اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ اللہ کی قسم! تم آدمی کی اتنی تعریف کرتے ہو کہ اسے ہلاک کر کے چھوڑتے ہو۔''[1]

یہ ایک ایسے جلیل القدر صحابی کا حکمت سے معمور ارشاد ہے جس کی اسلامی حس بیدار تھی اور جو نبی ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے والا اور انھیں اپنی زندگی میں کھلے چھپے ہر حال میں نافذ کرنے والا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی اس اہم تعلیم کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا جسے آپ نے اعمال اور اقوال میں اختیار کرنے کی ہدایت دی تھی اور ان پر اچھی طرح واضح ہوگیا تھا کہ محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی پر مبنی حق، نفاق اور مداہنت میں کتنا نمایاں فرق ہے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''کچھ لوگوں نے ان سے عرض کیا: ''ہم جب بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں تو کچھ اور باتیں کرتے ہیں اور جب باہر نکلتے ہیں تو کچھ اور کہتے ہیں۔''

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے عہد میں اسے نفاق شمار کرتے تھے۔''[2]

---

1. حلية الاولياء: ۳۰۷/۱۔
2. بخاری، كتاب الأحكام، باب ما يكره من ثناء السلطان ...... الخ: ۷۱۷۸۔

ریا اور مباہات سے دور رہنا:

حقیقی اور سچا مسلمان ریا سے کوسوں دور رہتا ہے اس لیے کہ ریا کاری سے اجر ضائع ہو جاتا ہے، عمل باطل ہو جاتا ہے اور ریا کرنے والے کو قیامت کے دن جبکہ لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے، ذلت و رسوائی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔

اس دین کا لب لباب یہ ہے کہ قول وعمل اللہ تعالیٰ کے لیے خالص ہو، دنیا میں جن و انس کے پیدا کیے جانے کا مقصد عبادتِ الٰہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات : ٥٦)

”میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

اور یہ عبادت اسی وقت شرف قبولیت حاصل کرسکتی ہے جب اخلاص کے ساتھ کی جائے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ ﴾ (البینة : ٥)

”ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے بالکل یکسو ہو کر۔“

لیکن اس عبادت میں ریا، خود نمائی کی خواہش اور شہرت کی آرزو کا شائبہ بھی پایا جائے گا تو وہ باطل اور بے کار ہو جائے گی اور اس کا کچھ ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ڈرایا ہے جو غریبوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں پھر ان پر احسان جتاتے ہیں کہ انھوں نے ان کو مال دیا۔ ان کی مفلسی و محتاجی میں مدد کی اور ان کی ضروریات پوری کیں، اس طرح احسان جتلا کر غریبوں کی عزت و شرافت کو داغدار کرتے ہیں:

﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْأَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

عَلَيۡهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلۡدًا لَا يَقۡدِرُوۡنَ عَلٰى شَىۡءٍ مِّمَّا كَسَبُوۡا وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ (البقرة: ٢٦٤)

''اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر، اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی، اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی، ایسے لوگ اپنے نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا اور کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ تعالیٰ کا دستور نہیں ہے۔''

مندرجہ بالا آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فقراء پر احسان جتانے کا ایک فقرہ صدقات کے ثواب کو اس طرح ضائع اور ختم کر دیتا ہے جس طرح چکنے پتھر پر پانی ڈالنے سے اس پر کوئی غبار نہیں بچتا۔ آیت کے اخیر میں بہت ہی خوفناک اور ہولناک خبر دی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ریاکاری کرنے والے لوگ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مستحق نہیں اور ان کا شمار کافروں کے زمرہ میں ہوگا:

﴿ وَ اللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ (البقرة: ٢٦٤)

''کافروں کو سیدھی راہ دکھانا اللہ تعالیٰ کا دستور نہیں ہے۔''

اس لیے کہ ان ریاکاروں کا مقصد لوگوں کے سامنے اپنے نیک عمل کا دکھاوا کرنا ہے۔ اللہ عزوجل کی رضا جوئی حاصل کرنا ان کے پیش نظر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس حالت کو یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ يُرَآءُوۡنَ النَّاسَ وَ لَا يَذۡكُرُوۡنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴾ (النساء: ١٤٢)

''محض لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔''

اسی لیے ان کا عمل نا قابل قبول اور لائق رد ہے کیونکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کرلیا اور اللہ تعالیٰ صرف وہ عمل قبول کرتا ہے جو اس کے لیے خالص ہو اور صرف اسی کی خوشنودی کے حصول کے لیے کیا گیا ہو۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«أَنَا أَغْنَى الشُّرَكَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلاً أَشْرَكَ فِيهِ مَعِي غَيْرِي تَرَكْتُهُ وَ شِرْكَهُ» ①

"میں تمام شریکوں سے زیادہ شرک سے بے نیاز اور بے پروا ہوں، جو کوئی شخص ایسا عمل کرے جسے صرف میرے لیے نہ کرے بلکہ میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کرے تو میں اسے اور اس کا شرکیہ کام چھوڑ دیتا ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کو پوری شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا ہے، بتلایا ہے کہ حشر کے دن جب مال و دولت اور اہل و عیال کوئی کام نہ آئیں گے اور صرف وہی شخص کامیاب ہوگا جو قلب سلیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو تب ریاکاروں کو کیسی شرمناک ذلت کا سامان کرنا پڑے گا، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"قیامت میں سب سے پہلے ایک ایسے شخص کا فیصلہ کیا جائے گا جو دنیا میں شہید ہوا ہوگا۔ اسے بلایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ایک ایک نعمت گنوائے گا اور وہ اس سب کا اقرار کرے گا، پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟" وہ عرض کرے گا: "میں نے تیری راہ میں جہاد کیا یہاں تک کہ میں شہید ہوگیا۔" اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "تو جھوٹا ہے تو نے تو صرف اس

---

① مسلم، کتاب الزھد، باب تحریم الریاء: ۲۹۸۵۔

لیے جہاد کیا تھا کہ تجھے بہادر کہا جائے سو وہ تجھے کہا جا چکا۔'' پھر اسے لے جانے کا حکم دیا جائے گا: ''اسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

''پھر ایک شخص کو بلایا جائے گا جس نے دنیا میں خود بھی علم حاصل کیا ہو گا دوسروں کو بھی سکھایا ہو گا اور قرآن پڑھایا ہو گا۔ اس کے سامنے اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں گنوائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے علم حاصل کیا، دوسروں کو علم سکھایا اور صرف تیرے لیے قرآن پڑھا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے جھوٹ کہا، تو نے تو اس لیے علم حاصل کیا تھا کہ تجھے عالم کہا جائے اور قرآن کی تلاوت اس لیے کیا کرتا تھا تا کہ تجھے قاری کہا جائے۔ سو وہ کہا جا چکا۔'' پھر اسے لے جانے کا حکم دیا جائے گا، اسے گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

''پھر ایک ایسا شخص بلایا جائے گا جسے اللہ تعالیٰ نے فراخی و کشادگی عطا فرمائی تھی اور ہر قسم کے مال و دولت سے نوازا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنی نعمتیں یاد دلائے گا اور وہ ان کا اعتراف کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو نے ان نعمتوں کے شکر میں کیا کیا؟'' وہ عرض کرے گا: ''میں نے تیری خوشنودی کے ہر راستے میں صرف تیرے ہی لیے مال خرچ کیا۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تو جھوٹ بولتا ہے، تو نے تو اس لیے مال خرچ کیا کہ تجھ کو سخی کہا جائے، سو وہ کہا جا چکا۔'' پھر اسے لے جانے کا حکم دیا جائے گا۔ اسے منہ کے بل گھسیٹ کر لے جایا جائے گا اور جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''[1]

---

(1) مسلم، کتاب الإمارة، باب من قاتل للرياء والسمعة ...... الخ: ١٩٠٥۔

اس حدیث میں ان کاموں کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں عام طور سے لوگ فخر و مباہات کرتے اور ڈینگیں ہانکتے ہیں یعنی شجاعت، علم اور سخاوت! اور بیان کیا گیا ہے کہ ایسا کرنے والوں کو قیامت کے دن کیسی رسوائی کا سامنا کرنا پڑے گا جب وہ بر سر عام اس عزت و شرف سے عاری قرار دیے جائیں گے جن کی وہ ان اعمال کے ذریعے آرزو کرتے ہوں گے۔ اسی طرح حدیث میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن کتنے زبردست خسارے کا سامنا کریں گے، جب انھیں اس تمام ثواب سے محروم کر دیا جائے گا جس کا اللہ تعالیٰ نے ان عظیم اعمال کے بدلے وعدہ کیا ہے اور انھیں ابدی جنت میں لے جانے کے بجائے منہ کے بل گھسیٹ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

حقیقی مسلمان جو دینی احکام کا شعور رکھتا ہے اور دینی تعلیمات کے سلسلہ میں ذکی الحس ہوتا ہے، اپنے تمام اعمال میں ریا کاری سے بہت دور رہتا ہے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے تمام اعمال محض رضائے الٰہی کے لیے ہوں، وہ ہمیشہ اپنے پیش نظر رسول کریم ﷺ کا یہ ارشاد رکھتا ہے کہ ''جو شخص کوئی نیکی اس غرض سے کرے گا کہ لوگ سنیں اور اس کی شہرت ہو، اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے رسوا کر دے گا اور اس کی برائی کو مشہور کر دے گا اور جو کوئی لوگوں کو دکھا کر کوئی عمل کرے گا تا کہ لوگ اسے بڑا کہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کو لوگوں پر ظاہر کر دے گا۔ [1]

استقامت کو شعار بنانا:

حقیقی اور سچا مسلمان استقامت اور ثابت قدمی اختیار کرتا ہے۔ اس کی ہر بات واضح اور بین ہوتی ہے۔ اس میں غموض والتوا، پیچیدگی، ابہام اور فریب نہیں ہوتا حالانکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ استقامت میں کس قدر صعوبت، پریشانی اور مشقت ہوتی ہے جس سے

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة : ٦٤٩٩۔ مسلم، کتاب الزهد، باب تحریم الریاء: ٢٩٨٧۔

انسان کو اپنی معاشرتی زندگی میں دو چار ہونا پڑتا ہے۔

مسلمان کی زندگی اور اس کے کردار میں استقامت کی حیثیت محض اخلاقی زیور کی نہیں ہوتی کہ اسے اس سے آراستہ ہونے نہ ہونے کا اختیار ہو بلکہ یہ ایسا کردار ہے جسے اپنانے اور اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اور قرآن کی بہت سی آیتوں میں اس کا درجہ ایمان باللہ کے بعد رکھا گیا ہے:

﴿ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَ لَا تَحْزَنُوا وَ أَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○ نَحْنُ أَوْلِيَآؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْآخِرَةِ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَ لَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ○ نُزُلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴾

(حٰمٓ السجدة: ۳۰-۳۲)

''جن لوگوں نے کہا: ''اللہ ہمارا رب ہے'' اور پھر وہ اس پر ثابت قدم رہے، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ''نہ ڈرو اور نہ غم کرو، (بلکہ) خوش ہو جاؤ، اس جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمھارے ساتھی ہیں اور آخرت میں بھی۔ وہاں جو کچھ چاہو گے تمھیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمھاری ہوگی۔ یہ ہے سامان ضیافت اس ہستی کی طرف سے جو غفور و رحیم ہے۔''

استقامت اختیار کرنے والے اہل ایمان کتنے زیادہ ثواب کے مستحق ہیں، قیامت کے دن ان کا کتنا اکرام و اعزاز ہوگا اور کتنی اچھی اور خوش کن بشارت ہے جسے لے کر فرشتے ان پر نازل ہوتے ہیں!!

ایسا اس لیے ہے کہ استقامت کا ایک بلند اور پر مشقت مقام ہے جس تک صرف وہی متقی اہل ایمان پہنچ سکتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرتے ہوں اور

جنھوں نے اپنی گردنوں سے غیر اللہ کی بندگی کا قلادہ اتار پھینکا ہو، مال و جاہ، اقتدار، عیش و آرام، لذتوں اور دیگر ان تمام چیزوں سے منہ موڑ لیا ہو اور بے تعلق ہو گئے ہوں جن میں اس دنیا کے لوگوں کے دل اٹکے رہتے ہیں۔ ایسا کرنے پر اگر اللہ تعالیٰ انھیں اجر عظیم سے نوازے اور اپنے جوار رحمت میں بلند درجات عطا فرمائے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔

استقامت کے بلند مرتبہ اور پر مشقت مقام پر سب سے زیادہ جس چیز سے دلالت ہوتی ہے وہ یہ کہ بیدار اور ذکی الحس رسول اللہ ﷺ کے شعور پر اس کا گہرا اثر پڑا تھا، آیت کریمہ: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ﴾ (ھود: ۱۱۲)

''پس اے نبی، تم ٹھیک راہ راست پر قائم رہو جیسا کہ تمھیں حکم دیا گیا ہے۔''

کی تفسیر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''پورے قرآن میں رسول اللہ ﷺ پر کوئی اور ایسی آیت نازل نہ ہوئی جو اس آیت کریمہ سے زیادہ سخت اور بھاری ہو۔''[1]

اسی لیے ایک مرتبہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ پر بڑھاپا بہت جلد طاری ہو گیا۔'' تو آپ ﷺ نے آیت ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ﴾ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔''[2]

رسول اللہ ﷺ کے جوامع الکلم میں سے ایک ارشاد کہ جو ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ کے عین مطابق ہے، کہ جب سیدنا ابوسفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتلا دیجیے کہ میں پھر کسی سے نہ پوچھوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

1. تفسیر قرطبی: ۱۰۷/۹۔
2. ترمذی، کتاب التفسیر، باب سورۃ الواقعۃ: ۳۲۹۷۔ قرطبی: ۱۰۷/۹۔

«قُلُ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ» ①

''کہو میں اللہ پر ایمان لایا، پھر اس پر ثابت قدم رہو۔''

اسی لیے امام مسلم نے ''باب الاستقامة'' کو باب جامع اوصاف الاسلام، (اسلام کے مجموعہ اوصاف کا بیان) سے موسوم کیا ہے اس لیے کہ ایمان باللہ سے صادر ہونے والی استقامت تمام فضائل کا مجموعہ اور تمام مکارم اخلاق کا مرکز و محور ہوتی ہے اور استقامت ہی سے خیر کے کام اور نیک اعمال صادر ہوتے ہیں۔

استقامت کے سلسلہ میں سب سے پہلی اور بنیادی چیز یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی سے ایک چہرے سے ملے اور کبھی بھیس بدل کر سامنے نہ آئے جیسا کہ مکروفریب اور چالبازی کرنے والے کرتے ہیں جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے وعید سناتے ہوئے فرمایا ہے:

''سب سے برا آدمی وہ ہے جس کے دو چہرے ہوں، کچھ لوگوں کے پاس ایک چہرے کے ساتھ جائے اور کچھ لوگوں کے پاس دوسرے چہرے کے ساتھ۔'' ②

بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرنا:

حقیقی مسلمان بیمار کی عیادت کرتا ہے اور اسے ایک اسلامی فریضہ سمجھتا ہے، جس پر دین حنیف نے اکسایا ہے۔ وہ مریض کی عیادت، مزاج پرسی اور زیارت کو غیر واجب کام یا مریض پر اپنی مہربانی نہیں سمجھتا بلکہ اسے پوری طرح احساس ہوتا ہے کہ اس طرح وہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

«أَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَ عُودُوا الْمَرِيضَ وَ فُكُّوا الْعَانِيَ» ③

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب جامع أوصاف الإسلام :۳۸۔

② بخاری، کتاب المناقب، باب المناقب ...... الخ: ۳٤۹۳۔ مسلم، کتاب البر والصلة، باب ذم ذی الوجھین و تحریم فعله، قبل الحدیث : ۲٦۰٥۔

③ بخاری، کتاب المرض، باب وجوب عیادة المریض : ٥٦٤۹۔

''بھوکے کو کھانا کھلاؤ اور بیمار کی عیادت کرو اور قیدی آزاد کراؤ۔''

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

''ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض کی عیادت کرنے، جنازہ کے ساتھ جانے، چھینکنے والے کا جواب دینے، قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنے، مظلوم کی مدد کرنے، دعوت کرنے والے کی دعوت قبول کرنے اور سلام عام کرنے کا حکم دیا ہے۔''①

یہ معاشرتی عادت جس کی بنیادیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی زندگی میں راسخ کر دی تھیں اس حد تک عام اور مستحکم ہوگئیں کہ ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کا حق قرار پائیں کہ اگر وہ اس سے غفلت برتے یا اس میں کوتاہی کرے تو دوسرا مسلمان اس کا مطالبہ کر سکتا ہے، عرف شریعت میں اپنے بھائی کے حق سے غفلت برتنے یا کوتاہی کرنے والا گناہ گار، حد سے تجاوز کرنے والا اور اپنے آپ پر ظلم کرنے والا ہے:

((حَقُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ خَمْسٌ : رَدُّ السَّلَامِ وَ عِيَادَةُ الْمَرِيْضِ وَ اتِّبَاعُ الْجَنَائِزِ وَ إِجَابَةُ الدَّعْوَةِ وَ تَشْمِيْتُ الْعَاطِسِ))②

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

۱۔ سلام کا جواب دینا ۲۔ بیمار کی عیادت کرنا ۳۔ جنازے کے ساتھ جانا

۴۔ دعوت قبول کرنا ۵۔ چھینکنے والے کا جواب دینا۔''

دوسری روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب حق إجابة الوليمة...... الخ : ۵۱۷۵۔ مسلم، کتاب اللباس و الزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب ...... الخ : ۲۰۶۶۔

② بخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱۲۴۰۔ مسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم للمسلم...... الخ: ۲۱۶۲۔

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق ہیں۔'' صحابہ نے پوچھا: ''وہ کیا ہیں؟'' فرمایا: ''جب اس سے ملو تو سلام کرو، جب دعوت دے تو قبول کرو، جب نصیحت کرے تو اسے مانو، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کا جواب دو، جب بیمار ہو تو اس کی عیادت کرو اور جب اس کا انتقال ہو جائے تو جنازہ کے ساتھ جاؤ۔''[1]

مسلمان جب اپنے بیمار بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو اس کے اندرون میں صرف یہی احساس نہیں ہوتا کہ وہ ایک فرض کی ادائیگی اور حکم کی تعمیل کر رہا ہے بلکہ ساتھ ہی اسے روحانی خوشی اور نفسیاتی مدہوشی کا احساس ہوتا ہے۔ اس خوشی اور مدہوشی کا احساس وہی شخص کرسکتا ہے جو اس دلکش حدیث شریف میں غور وفکر کرے جو عیادت کی عظمت اور اس پر مشتمل خیر و برکت کی تصویر کشی کرتی ہے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: ''اے ابن آدم! میں بیمار ہوا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! تو تو سارے جہاں کا رب ہے میں تیری عیادت کیسے کرتا؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔'' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا مگر تو نے مجھے نہیں کھلایا۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! میں تجھے کیسے کھلاتا جبکہ تو تو سارے جہاں کا رب ہے؟'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''کیا تو نہیں جانتا کہ تجھ سے میرے فلاں بندے نے کھانا مانگا تھا مگر تو نے اسے نہیں کھلایا، کیا تجھے نہیں

---

[1] مسلم، کتاب السلام، باب من حق المسلم...... الخ: ۲۱۶۲۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱۲۴۰۔

معلوم کہ اگر تو اسے کھلا دیتا تو اس کا ثواب میرے یہاں پاتا۔'' پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے میرے رب! میں تجھے کیسے پانی پلاتا تو تو سارے جہاں کا رب ہے۔'' اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ''تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا تھا مگر تو نے اسے نہیں پلایا، اگر تو اسے پلا دیتا تو تو اس کا ثواب میرے یہاں پاتا۔''[1]

کتنی بابرکت ہے یہ عیادت، کتنی قابل احترام و ستائش ہے یہ ملاقات اور مزاج پرسی! اور کتنا عظیم ہے یہ عمل!! جسے ایک مسلمان اپنے کمزور اور بیمار بھائی کے سلسلہ میں انجام دیتا ہے۔ اس عمل کی بدولت وہ بارگاہ رب العزت میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اس عظیم عمل کو دیکھتا ہے اور اس پر بے پایاں ثواب عطا فرماتا ہے اور اس سے زیادہ قابل احترام، پرعظمت اور بابرکت زیارت کون سی ہوگی؟ جسے آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار شرف قبولیت سے نوازے، اس میں برکت دے اور اس پر اکسائے۔

دوسری طرف اس سے بڑھ کر کون سی شقاوت و بدبختی اور کون سا خسارہ ہوگا جو اس عیادت سے پیچھے رہ جانے والے شخص کو لاحق ہوگا اور قیامت کے دن اسے کتنی شرمناک رسوائی حاصل ہوگی جب اللہ رب العزت تمام لوگوں کے سامنے علی الاعلان اس سے دریافت فرمائے گا:

''اے ابن آدم! میں بیمار تھا تو نے میری عیادت نہیں کی...... کیا تجھے نہیں معلوم کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا مگر تو نے اس کی عیادت نہیں کی، کیا تجھے نہیں معلوم کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو تو مجھے اس کے پاس پاتا۔''

اب یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس وقت اپنے بھائی کی عیادت سے اعراض

---

[1] مسلم، کتاب البر والصلة ، باب فضل عيادة المريض: ٢٥٦٩۔

کرنے ،کوتاہی کرنے اور پیچھے رہ جانے والے شخص کو کتنی شدید ندامت، ناکامی اور شرمندگی ہوگی لیکن اس وقت ندامت وشرمندگی کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

اسلامی معاشرہ میں جب کوئی شخص بیمار پڑتا ہے تو کرب وتکلیف کے لمحات میں اسے تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔ اس کے ارد گرد عیادت کو آنے والوں کے جذبات اور ان کی دعائیں اسے ڈھانپے رہتی ہیں اور اس کی تکلیف میں تخفیف کرتی رہتی ہیں۔ یہ انسانی ترقی کی معراج، انسانی احساسات کی بلندی کی انتہا ہے۔ یہ جذباتی آسودگی و سیرابی اور یہ معاشرتی ہم آہنگی جوامت مسلمہ میں پائی جاتی ہے تاریخ میں کسی اور قوم کو نصیب نہیں۔

مغرب میں زندگی گزارنے والا انسان جب بیمار پڑتا ہے تو بعض اوقات اسے کسی ہسپتال میں داخل کر دیا جاتا ہے اور ڈاکٹر اس کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ کرتا ہے مگر وہ محبت آمیز لمس، تسلی بخش گفتگو، فرحت آگیں مسکراہٹ، پرخلوص دعا اور سچی جذباتی ہم آہنگی سے تقریباً محروم رہتا ہے۔

اس لیے کہ مادی فلسفہ نے جو اہل مغرب کی زندگیوں پر چھایا ہوا ہے، انسانی جذبہ کی شمع کو بے نور کر دیا ہے۔ بھائی چارے کے احساسات کی پاکیزگی کو گدلا کر دیا ہے اور انسان کو نیک کام کے روحانی محرکات سے محروم کر دیا ہے۔

مغربی انسان کوئی ایسا محرک نہیں پاتا جو اسے بیمار کی عیادت پر اکسائے کیونکہ اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ نہیں جس سے اس کو دیر سویر ہی سے کہیں مادی منفعت حاصل ہو۔ اس کے برعکس ایک مسلمان بیمار کی عیادت کے لیے سبقت کرتا ہے کیونکہ اسے اس ثواب کی امید رہتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے لیے تیار کر رکھا ہے جس کے قدم اس راہ میں گرد آلود ہوں گے۔

اس سلسلہ میں بکثرت احادیث مروی ہیں جو نفس انسانی میں بھائی چارے کے احساسات کے چشمے موجزن کر دیتی ہیں اور وجدان کی گہرائیوں سے مریض کی عیادت پر

آمادہ کرتی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِي خُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ))[1]

"مسلمان جب اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کو جاتا ہے تو واپس ہونے تک برابر جنت کے پھل چننے میں مصروف رہتا ہے۔"

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَعُودُ مُسْلِمًا غُدْوَةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُمْسِيَ وَ اِنْ عَادَهُ عَشِيَّةً اِلَّا صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعُونَ أَلْفَ مَلَكٍ حَتّٰى يُصْبِحَ وَ كَانَ لَهُ خَرِيفٌ فِي الْجَنَّةِ))[2]

"کوئی مسلمان جب کسی مسلمان کی صبح عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے شام ہونے تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور جب شام کے وقت عیادت کرتا ہے تو ستر ہزار فرشتے صبح ہونے تک اس پر رحمت بھیجتے ہیں اور جنت میں اس کے لیے میوے ہوں گے۔"

رسول اللہ ﷺ نے نفس انسانی سے واقف گہری بصیرت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ مریض کی عیادت سے اس پر اور اس کے گھر والوں پر کتنا گہرا نفسیاتی اثر پڑتا ہے، اسی لیے آپ مریضوں کی عیادت میں سستی اور کوتاہی نہیں کرتے تھے اور ان کی مزاج پرسی کرتے ہوئے دعا اور غمخواری کے کلمات کا اظہار کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اس یہودی لڑکے کی بھی عیادت کی جو آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"ایک یہودی لڑکا نبی ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوا تو

---

1. مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل عيادة المريض: ٢٥٦٨۔
2. ترمذی، كتاب الجنائز، باب ما جاء في عيادة المريض: ٩٦٩۔

نبی ﷺ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ اس کے سرہانے بیٹھ کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اسلام قبول کرلو۔'' اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا جو اس کے قریب بیٹھا ہوا تھا، اس نے کہا: ''ابو القاسم ﷺ کی بات مان لے۔'' وہ اسلام لے آیا، نبی ﷺ باہر تشریف لائے تو فرمانے لگے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ)) ①

''اللہ کا شکر ہے جس نے اسے جہنم سے بچالیا۔''

اس بیمار یہودی لڑکے کی عیادت کرتے ہوئے نبی ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دینا فراموش نہیں کیا کیونکہ آپ ﷺ کو احساس تھا کہ آپ ﷺ نے اس لڑکے کی عیادت سے جس لطف و کرم، فضل و مہربانی اور حسن سلوک کا مظاہرہ کیا تھا اس کا لڑکے اور اس کے باپ دونوں پر اچھا اثر پڑا ہے چنانچہ دونوں رسول کریم ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں اور عیادت کی برکت سے اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے باہر تشریف لے آتے ہیں۔ کتنے عظیم انسان اور حکیم و دانا داعی تھے اللہ کے رسول (صلاۃ وسلام ہو آپ پر ﷺ۔ آمین)!!''

بیمار کی عیادت کے سلسلہ میں آپ ﷺ کے اہتمام کرنے اور اہمیت دینے کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس کے کچھ اصول و آداب بیان فرمائے جنھیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اختیار کیا اور وہ سنت مطہرہ میں بھی محفوظ ہیں۔

مثلاً یہ کہ بیمار کے سرہانے بیٹھا جائے جیسا کہ ہم نے یہودی لڑکے کی عیادت کے وقت رسول اللہ ﷺ کا طریقہ دیکھا اور جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے آپ ﷺ کا معمول بیان کیا ہے:

''نبی ﷺ جب کسی مریض کی عیادت فرماتے تو اس کے سرہانے بیٹھ کر سات

---

① بخاری، کتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبی...... الخ: ۱۳۵٦۔

مرتبہ یہ دعا پڑھتے:

((اَسْئَلُ اللّٰهَ الْعَظِيْمَ، رَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَنْ يَّشْفِيَكَ)) ①

''میں اللہ بزرگ و برتر سے جو عرش عظیم کا رب ہے، دعا کرتا ہوں کہ تمھیں شفا عطا فرمائے۔''

عیادت کے آداب میں یہ بھی داخل ہے کہ داہنے ہاتھ سے مریض کے جسم کو چھوا جائے اور اس کے لیے دعا کی جائے جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض گھر والوں کی عیادت کرتے تو اپنا داہنا ہاتھ پھیرتے اور فرماتے تھے۔''

((اَللّٰهُمَّ رَبَّ النَّاسِ، اَذْهِبِ الْبَأْسَ، وَاشْفِهِ ، وَ اَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاؤُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا)) ②

''اے اللہ! اے لوگوں کے رب! بیماری اور تکلیف دور کر، شفا عطا فرما، تو ہی شفا دینے والا ہے، تیرے علاوہ کوئی شفا عطا کرنے والا نہیں، ایسی شفا عطا فرما کہ بیماری باقی نہ رہے۔''

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اعرابی کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے ((لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى)) ''گھبراؤ نہیں بیماری ان شاء اللہ (گناہوں سے) پاک کرنے والی ہے۔''③

---

① ابو داوٗد، کتاب الجنائز ، باب الدعاء للمريض عند العيادة: ٣١٠٦۔ ترمذی، کتاب الطب، باب ما يقول عند عيادة المريض: ٢٠٨٣۔

② بخاری، کتاب الطب ، باب رقیۃ النبی ﷺ : ٥٧٤٣۔ مسلم، کتاب السلام ، باب استحباب رقية المريض : ٢١٩١۔

③ بخاری ، کتاب المرض ، باب عيادة الاعراب :٥٦٥٦۔

مسلمانوں نے ہر زمانہ میں عیادت کی اس قابل تعریف سنت کو اپنایا ہے۔ یہ مسلمانوں کی معاشرتی زندگی میں ان کے میل جول، الفت ومحبت، رحم وکرم، لطف و ہمدردی اور تکافل وتعاون کا عنوان بن گئی ہے جس سے شکستہ دل جڑ جاتے ہیں، غمگین کی اشک شوئی ہوتی ہے، کرب و اذیت دور ہو جاتی ہے، مایوسی کے گھرے بادل چھٹ جاتے ہیں، محبت و مودت کا تعلق قائم رہتا ہے، وفا کا چشمہ موجزن ہوتا ہے اور امید کی مسکراہٹ نمودار ہوتی ہے۔

جنازہ میں شریک ہونا:

متقی اور باشعور مسلمان جنازہ اور کفن دفن میں شریک رہتا ہے اور اس طرح رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتا ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

۱۔ سلام کا جواب دینا ۲۔ مریض کی عیادت کرنا ۳۔ جنازے کے پیچھے چلنا۔

۴۔ دعوت قبول کرنا ۵۔ چھینکنے والے کا جواب دینا۔''[1]

اس موقع پر جبکہ بہت سی بدعتوں اور گمراہیوں کا ارتکاب ہو جاتا ہے مثلاً یہ کہ نمازیں نہیں پڑھی جاتیں، نوحہ و بین اور واویلا کی آوازیں بلند ہو جاتی ہیں اور دیگر خرافات کا ارتکاب ہوتا ہے اور لوگ میت کی تجہیز وتکفین میں مصروف ہونے اور میت کے گھر والوں کی مصیبت کم کرنے کی وجہ سے ان بدعتوں اور خرافات کی اصلاح اور صحیح بات کی وضاحت نہیں کر سکتے تو ایسے عالم میں بھی سچا مسلمان لوگوں میں صحیح اسلامی شعور عام کرتا ہے۔

چنانچہ جب وہ مریض کے پاس نزع کے وقت پہنچتا ہے اور اسے جانکنی کے عالم میں دیکھتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کے ارشاد پر عمل کرتے ہوئے لاالہ الا اللہ کی تلقین کرتا ہے، ارشاد ہے:

---

[1] بخاری، کتاب الجنائز، باب الأمر باتباع الجنائز: ۱۲۴۰۔ مسلم، کتاب السلام، باب حق المسلم للمسلم رد السلام: ۲۱۶۲۔

((لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ)) ①

''اپنے قریب الوفات لوگوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو۔''

اور جب مریض اپنی جان جان آفریں کے سپرد کرتا ہے تو اس کے لیے دعا کرتا ہے جس طرح نبی ﷺ نے سیدنا ابوسلمہ کی وفات کے وقت ان کے لیے دعا کی تھی:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِیْ سَلَمَةَ، وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِی الْمَهْدِیِّیْنَ، وَاخْلُفْهُ فِیْ عَقِبِهٖ فِی الْغَابِرِیْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَ لَهٗ یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ ! وَافْسَحْ لَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ وَ نَوِّرْ لَهٗ فِیْهِ)) ②

''اے اللہ! ابوسلمہ کی مغفرت فرما! اس کے درجات ہدایت یافتہ لوگوں میں بلند فرما اور اس کے بعد اس کے پیچھے رہ جانے والوں میں اس کا قائم مقام بنا اور ہمیں اور اسے بخش دے، اے رب العالمین! اس کی قبر کو روشن اور کشادہ فرما۔''

پھر وہ میت کے گھر والوں کو احادیث سناتا ہے جن سے اس کی مصیبت میں تخفیف ہوتی ہے۔ وہ انھیں اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کی امید اور اس کی موت پر صبر کی فضیلت بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کرنے والوں اور ثواب کی امید رکھنے والوں کے لیے جو عظیم ثواب تیار کر رکھا ہے اس کی وضاحت کرتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

نبی ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((مَا لِعَبْدِی الْمُؤْمِنِ عِنْدِیْ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِیَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْیَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةُ))

''میرے اس مومن بندے کے لیے میرے پاس جنت کے سوا کوئی بدلہ نہیں،

---

① مسلم، کتاب الجنائز، باب تلقین الموتٰی لا إله إلا الله : ٩١٦۔

② مسلم ، کتاب الجنائز ، باب فی إغماض المیت والدعاء له اذا حضر : ٩٢٠۔

جس کی کوئی پسندیدہ اور محبوب چیز میں چھین لوں اور وہ ثواب کی امید رکھتے ہوئے اس پر صبر کرے۔''[1]

وہ انھیں وہ موقف یاد دلاتا ہے جسے اہل ایمان کی موت کے وقت نبی ﷺ کی اتباع و اقتدا میں اختیار کرنا چاہیے جیسا کہ سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''نبی ﷺ کی ایک صاحب زادی نے آپ کو کہلا بھیجا کہ ان کا بچہ حالت نزع میں ہے، اس لیے تشریف لے آئیے۔ آپ ﷺ نے قاصد سے فرمایا: ''اس کے پاس واپس جاؤ اور کہہ دو:

((اِنَّ لِلّٰهِ مَا اَخَذَ وَ لَهُ مَا أَعْطٰى وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَمُرْهَا فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ))[2]

''اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو کچھ اس نے لیا اور اسی کے لیے ہے جو کچھ اس نے دیا اور ہر چیز کے لیے اس کے یہاں ایک وقت مقرر ہے۔ تم اس سے کہو کہ صبر کرے اور اجر و ثواب کی امید رکھے۔''

ان تکلیف دہ اور اندوہناک موقعوں پر باشعور مسلمان کا کام ہے کہ نوحہ و بین کرنے، کپڑے پھاڑنے، منہ پیٹنے اور گریہ و زاری میں اضافہ کرنے والی اور جذبات بھڑکانے والی باتوں کو باآواز بلند کہنے کی حرمت پر لوگوں کو متنبہ کرے۔ انھیں اور خاص طور پر جاہلوں کو بتلا دے کہ ان تمام افعال سے میت کو اس کی قبر میں تکلیف پہنچتی ہے اور ایسا کرنے والے بھی سخت گناہگار ہوتے ہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اس کی خبر دی ہے:

---

1. بخاری، کتاب الرقاق، باب العمل الذی یبتغی بہ وجہ اللّٰہ تعالٰی: ٦٤٢٤۔
2. مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی المیت: ٩٢٣۔ بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ یعذب المیت ...... الخ: ١٢٨٤۔

((اَلْمَيِّتُ يُعَذَّبُ فِيْ قَبْرِهِ بِمَا نِيحَ عَلَيْهِ))

''مردہ کو قبر میں اس کے گھر والوں کے نوحہ کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔''

ایک روایت میں ہے:

((مَا نِيحَ عَلَيْهِ)) ①

''جب تک اس پر نوحہ کیا جاتا رہتا ہے اسے عذاب ہوتا رہتا ہے۔''

فرمایا:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَ شَقَّ الْجُيُوْبَ وَ دَعَا بِدَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ)) ②

''وہ ہم میں سے نہیں جو منہ پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی صدا لگائے۔''

سیدنا ام عطیہ نسیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت کرتے وقت ہم سے عہد لیا کہ ہم نوحہ نہیں کریں گی۔'' ③

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

((اَلنَّائِحَةُ إِذَا لَمْ تَتُبْ قَبْلَ مَوْتِهَا تُقَامُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَ عَلَيْهَا سِرْبَالٌ)) ④

''نوحہ کرنے والی عورت اگر مرنے سے قبل توبہ نہ کرے تو وہ قیامت کے دن اس حال میں کھڑی کی جائے گی کہ اس پر تارکول اور خارش کا کرتا ہوگا۔''

---

① بخاری، کتاب الجنائز ، باب ما يكره من النياحة على الميت : ١٢٩٢۔ مسلم، کتاب الجنائز ، باب الميت يعذب ببكاء اهل عليه : ٩٣٣۔

② بخاری، کتاب الجنائز ، باب ليس منا من ضرب الخدود : ١٢٩٧۔ مسلم، کتاب الإيمان ، باب تحريم ضرب الخدود ...... الخ: ١٠٣۔

③ بخاری ، کتاب الجنائز ، باب ما ينهى من النوح ...... الخ : ١٣٠٦۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب التشديد فى النياحة : ٩٣٦۔

④ مسلم ، کتاب الجنائز، باب التشديد فى النياحة : ٩٣٤۔

البتہ کسی کی وفات پر آنکھوں سے جو اشک رواں ہو جاتے ہیں درحقیقت وہ دل میں موجزن رنج و الم اور سوزش کی غمازی کرتے ہیں، اس لیے کہ اگر نوحہ، بین، واویلا اور دوسرے حرام کاموں سے احتراز کیا جائے تو صرف رونے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کو تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ وہاں جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر دوسرے لوگ بھی رونے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَلَا تَسْمَعُونَ؟ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَ أَشَارَ إِلٰى لِسَانِهِ أَوْ يَرْحَمُ» ①

سنو! اللہ تعالیٰ آنکھوں سے اشک جاری ہونے اور دلوں کے غمگین ہونے پر (میت کو) عذاب نہیں دیتا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "لیکن اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے یا رحم کر دیتا ہے۔"

سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ لایا گیا، وہ جانکنی کے عالم میں تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشک جاری ہو گئے۔ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! یہ کیا؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«هٰذِهِ رَحْمَةٌ جَعَلَهَا اللّٰهُ فِي قُلُوبِ عِبَادِهِ وَ إِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ» ②

---

① بخاری، کتاب الجنائز ، باب البكاء عند المريض : ١٣٠٤۔ مسلم، کتاب الجنائز ، باب البكاء على الميت: ٩٢٤۔

② بخاری ، کتاب الجنائز ، باب قول النبی ﷺ يعذب الميت ...... الخ : ١٢٨٤۔ مسلم، کتاب الجنائز ، باب البكاء على الميت : ٩٢٣۔

''یہ رحمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں ڈال دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ صرف اپنے رحمدل بندوں پر رحم کرتا ہے۔''

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحبزادے ابراہیم کے پاس تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ عالم نزع میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوگئے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی (روتے ہیں؟)'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابن عوف! یہ رحمت ہے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو نکل آئے، فرمایا:

«إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى رَبُّنَا وَ إِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيمُ لَمَحْزُونُونَ» ①

''آنکھوں سے آنسو جاری ہیں، دل غمگین ہے لیکن ہم صرف وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ البتہ اے ابراہیم! ہم تیری جدائی سے غمگین ضرور ہیں۔''

متقی مسلمان تدفین تک جنازے کے ساتھ رہتا ہے، اس لیے کہ جنازہ کے ساتھ رہنے میں بہت زیادہ ثواب ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں خبر دی ہے:

''جو نماز جنازہ تک جنازہ کے ساتھ رہے اس کو ایک قیراط ثواب ملے گا اور جو تدفین تک موجود رہے اسے دو قیراط ثواب ملے گا۔ لوگوں نے عرض کیا: ''دو قیراط کتنے ہوتے ہیں؟'' فرمایا: ''دو بڑے پہاڑوں کے مثل۔'' ②

اسلام نے تدفین تک جنازہ کے ساتھ رہنے کی جو ترغیب دی ہے، اس سے مسلمانوں

---

① بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ: ۱۳۰۳۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان...... الخ: ۲۳۱۵۔

② بخاری، کتاب الإیمان، باب اتباع الجنازة من الإیمان: ٤٧۔ مسلم، کتاب الجنائز، باب فضل الصلاة علی الجنازة واتباعها: ٩٤٥۔

کے مابین اخوت کے رشتوں کو تقویت ملتی ہے اور وفا کے احساسات کو استحکام نصیب ہوتا ہے۔ اس سے پسماندگان کو صبر جمیل حاصل ہوتا ہے اور وہ تعزیت وغم خواری کی ٹھنڈک محسوس کرتے ہیں۔ خاص طور پر اس وقت جب انھیں معلوم ہوتا ہے کہ میت پر نماز پڑھنے والے لوگوں کی سفارش اس کے حق میں قبول کی جائے گی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

« مَا مِنْ رَجُلٍ مُسْلِمٍ يَمُوتُ فَيَقُومُ عَلَى جَنَازَتِهِ أَرْبَعُونَ رَجُلًا لَا يُشْرِكُونَ بِاللّٰهِ شَيْئًا إِلَّا شَفَّعَهُمُ اللّٰهُ فِيهِ » ①

''جو مسلمان مرجائے اور اس کی نماز جنازہ میں چالیس آدمی ایسے شریک ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتے ہوں۔ ان کی سفارش اللہ تعالیٰ اس کے حق میں قبول کر لے گا۔''

اسی طرح ایک مسلمان کے شایان شان یہ ہے کہ وہ نماز جنازہ کے احکام کا علم رکھتا ہو اور اس میں نبی ﷺ سے ماثور جو دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ اسے یاد ہوں چنانچہ جب میت رکھ دی جائے اور لوگ نماز جنازہ کے لیے صف بنا لیں تو امام تکبیر اولیٰ کہے پھر تعوذ اور سورۂ فاتحہ پڑھے، پھر دوسری تکبیر کہے، اس کے بعد نبی ﷺ پر درود ابراہیمی پڑھے، پھر تیسری تکبیر کہے اور میت اور مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔ نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں جو دعائیں مروی ہیں ان میں سے ایک دعا یہ ہے جسے سیدنا عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت آپ ﷺ نے جو دعا پڑھی وہ میں نے یاد کر لی، وہ یہ تھی:

« اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ ، وَ عَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ وَ أَكْرِمْ نُزُلَهُ وَ وَسِّعْ

① مسلم ، كتاب الجنائز ، باب من صلى عليه اربعون شفعوا فيه : ٩٤٨۔

مَدْخَلَهُ، وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ، وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا نَقَّيْتَ الثَّوْبَ الْاَبْيَضَ مِنَ الدَّنَسِ، وَ اَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَ اَهْلًا خَيْرًا مِنْ أَهْلِهٖ ، وَ زَوْجًا خَيْرًا مِنْ زَوْجِهٖ، وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ، وَ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ))

''اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اس پر رحم کر، اس کو عافیت عطا کر، اس کو (جنت میں) عزت کی جگہ دے اس کی قبر کشادہ فرما۔ اسے پانی، برف اور اولوں سے غسل دے۔ اسے گناہوں سے اس طرح پاک و صاف کر دے۔ جس طرح سفید کپڑے کو میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے۔ اس کو دنیا کے گھر سے بہتر گھر، اس کے اہل سے بہتر اہل، اس کے جوڑے سے بہتر جوڑا عطا فرما۔ اسے جنت میں داخل کر اور قبر اور جہنم کے عذاب سے نجات دے۔''

راوی کہتے ہیں کہ یہ دعا سن کر مجھے تمنا ہونے لگی کہ کاش! اس میت کی جگہ میں ہوتا۔''[1]

پھر چوتھی تکبیر کہے اور یہ دعا پڑھے:

((اَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَهُ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَهُ وَاغْفِرْ لَنَا وَ لَهُ))

''اے اللہ! اس کے اجر سے ہمیں محروم نہ کر، اس کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈال ہمیں اور اس کو بخش دے۔''

پھر سلام پھیر دے۔

اور بعد ازاں جنازے کے ساتھ جائے یہاں تک کہ نعش قبر میں رکھ دی جائے۔ پھر تدفین سے فارغ ہو جانے کے بعد میت کے لیے مغفرت چاہے اور اس کے ثابت قدم رہنے کی دعا کرے۔ رسول کریم ﷺ کا یہی معمول تھا اور آپ ﷺ دوسروں کو بھی اسی کا حکم دیتے تھے۔ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

---

[1] مسلم، کتاب الجنائز، باب الدعاء للميت فی الصلاة: ۹۶۳۔

"نبی کریم ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے:

((اِسْتَغْفِرُوْا لِأَخِيْكُمْ وَاسْأَلُوْا لَهُ بِالتَّثْبِيْتِ فَإِنَّهُ الْآنَ يُسْأَلُ)) ①

"اپنے بھائی کے لیے مغفرت کی دعا کرو، اس کے لیے ثابت قدم رہنے کا سوال کرو اس لیے کہ اس وقت اس سے سوال ہو رہا ہے۔"

سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"جب تم مجھے دفن کرو تو میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر ایک اونٹ ذبح کر کے تقسیم کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ تمھارے سبب میں مانوس ہو جاؤں اور مجھے معلوم ہو کہ میں اپنے رب کے قاصدوں کو کیا جواب دیتا ہوں۔" ②

ان موقعوں پر مسلمان کی شرکت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ معاشرتی زندگی کے تمام پہلوؤں سے اچھی طرح واقف ہے۔ زندگی صرف خوشیوں، مبارکوں اور پرمسرت موقعوں کا نام نہیں بلکہ خوشی وغم، سرور وحزن، طرب وکرب، عیش وتنگی اور مسکراہٹ واشک کا نام ہے۔ سچا اور باشعور مسلمان ہر موقع میں شریک ہوتا ہے اور کسی وقت بھی غیر حاضر نہیں ہوتا کیونکہ زندگی کے ہر گوشہ میں وہ ایک پیغام کا حامل ہے جسے وہ دوسروں تک پہنچاتا ہے، وہ ایک دعوت کا علمبردار ہے جس کی تبلیغ کرتا ہے اور اس پر ایک ذمہ داری عائد ہوتی ہے جسے وہ سرانجام دیتا ہے۔

احسان کا بدلہ دینا اور اس پر شکریہ ادا کرنا:

مسلمان کے پسندیدہ اخلاق اور بلند اوصاف میں سے یہ بھی ہے کہ وہ احسان اور بھلائی کا بدلہ دیتا ہے۔ وہ احسان ناشناسی نہیں کرتا بلکہ احسان مانتا ہے۔ ممنون، شکر گزار

---

① ابو داؤد، کتاب الجنائز، باب الاستغفار عند القبور...... الخ: ٣٢٢١۔

② مسلم، کتاب الإیمان، باب کون الإسلام یھدم ما قبله وكذا الهجرة والحج: ١٢١۔

ہوتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد پر عمل کرتا ہے:

((مَنْ صَنَعَ اِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ)) ①

''جو شخص تمھارے ساتھ کوئی احسان یا بھلائی کرے پس تمھیں بھی اسے کا بدلہ دینا چاہیے۔''

دوسری حدیث میں ہے:

((مَنِ اسْتَعَاذَ بِاللّٰهِ فَأَعِيذُوهُ ...... وَ مَنْ أَتٰى اِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ)) ②

''جو اللہ تعالیٰ کے نام پر پناہ مانگے اسے پناہ دو اور جو تمھارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے تم بھی اسے اس کا بدلہ دو۔''

احسان پر شکر گزاری اور ممنونیت مسلمان کے کردار میں دین کی حیثیت رکھتی ہے، جس پر نبوی تعلیمات میں ابھارا گیا ہے۔ یہ معاشرتی چاپلوسی اور خوشامد نہیں جس میں مزاجوں اور خواہشات کی حکمرانی ہوتی ہے، جسے لوگ اپنے مصالح اور مفادات کو پیش نظر رکھ کر سرانجام دیتے ہیں اور جس قدر مصالح اور مفادات حاصل ہوتے ہیں اسی قدر ان کی زبانی بھی شکر سے تر ہوتی ہیں۔

احسان کرنے والا شکر کا مستحق ہے خواہ اس کے ہاتھ پر مصالح و منافع کا ظہور ہو یا نہ ہو۔ اس کے لیے یہی کافی ہے کہ اس نے احسان اور بھلائی کرنا چاہی اور اس لیے وہ دل کی گہرائیوں سے شکر کا مستحق ہے۔ دراصل اسلام مسلمانوں سے اسی چیز کا مطالبہ کرتا ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کے دلوں میں یہ کردار راسخ کرنے پر اس قدر زور دیا ہے کہ اس نے لوگوں کے احسان پر اس کا شکریہ ادا کرنے کو اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ جوڑ دیا ہے اور

---

① ابو داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب عطیۃ من سأل باللہ عزوجل: ۱۶۷۲۔ ترمذی، کتاب البر و الصلۃ، باب ما جاء فی الثناء بالمعروف: ۲۰۳۵۔

② نسائی، کتاب الزکاۃ، باب من سأل باللہ...... الخ: ۲۵۶۸۔ احمد: ۶۸/۲۔ ابو داوٗد، کتاب الزکاۃ، باب عطیۃ من سأل باللہ عزوجل: ۱۶۷۲۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار اس بندے کو قرار دیا ہے جو لوگوں کے احسان پر اس کا شکر گزار ہوتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

«إِنَّ أَشْكَرَ النَّاسِ لِلّٰهِ تَبَارَكَ وَ تَعَالٰى أَشْكَرُهُمْ لِلنَّاسِ»[1]

''لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا شکر کرنے والا شخص وہ ہے جو لوگوں کا سب سے زیادہ شکر گزار ہو۔''

یہی نہیں بلکہ اسلام نے بتلایا ہے کہ جب تک لوگوں کے احسانات اور ان کی بھلائیوں کا شکریہ ادا نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا شکر مکمل ہی نہیں ہو سکتا۔ جو شخص لوگوں کے احسان پر ان کا شکر ادا نہ کرتا ہو اللہ تعالیٰ بھی ان کا شکریہ قبول نہ کرے گا اور جو شخص اپنی زبان سے شکرانے کے طور پر ایک لفظ بھی ایسا نہ نکالتا ہو جس سے احسان کرنے والے کا دل ٹھنڈا ہو، اس کی مروت و شرافت کو تحریک ملے اور خوش خلقی میں اضافہ ہو وہ خواہ اپنی زبان سے کتنا ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے گا مگر وہ حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس نے بندوں کے احسان کا انکار کیا، احسان فراموشی کی اور دلوں میں خیر کے سر چشموں کو خشک کرنے کی کوشش ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر گزار نہیں ہو سکتا۔''[2]

اس لیے کہ احسان کرنے والے کا شکریہ ادا کرنے میں نیک کام کی اشاعت، اس پر حوصلہ افزائی اور ترغیب ہوتی ہے۔ ساتھ ہی بندہ انسانی نعمت کی حفاظت کرنے، حسن سلوک کی قدر کرنے اور احسان شناسی کا عادی ہو جاتا ہے۔ اس طرح معاشرہ کے افراد میں الفت و محبت کے رشتے مستحکم ہوتے ہیں اور ان کے دل نیک کام کرنے پر آمادہ اور چاق و چوبند رہتے ہیں۔ دراصل اسلام اپنے معاشرہ میں اسی چیز کو راسخ کرنا چاہتا ہے۔

---

1. طبرانی فی الکبیر: ١/٦٤٨۔ احمد: ٥/٢١٢۔
2. الأدب المفرد: ٢١٨، صحیح ۔ الصحیحة: ٤١٦۔

لوگوں سے گھل مل کر رہنا اور ان کی اذیتیں برداشت کرنا:

سچا اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے والا مسلمان لوگوں کے مابین گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتیں برداشت کرتا ہے، اس لیے کہ وہ ایک پیغام کا علمبردار اور ایک دعوت کا مبلغ ہے۔ جو شخص اس اہم ذمہ داری کا بار اپنے کندھوں پر اٹھا لے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس مقصد کے راستے میں اپنی جان تک قربان کر دے۔ اس پیغام کی تبلیغ میں پہنچنے والی تکالیف اور اذیتوں پر صبر کرنے اور دعوت کا بار اٹھانے پر ہمہ وقت تیار رہے مثلاً لوگوں کی تلخ و تند باتوں، برے اعمال، بدگمانیوں، یاوہ گوئیوں، تند خوئی، قبولیت حق میں سستی، باطل کی طرف میلان، مفاد کے گرد گردش اور لوگوں کی طرف سے ظاہر ہونے والی ان مہمل باتوں پر صبر کرے جن پر کہ عام طور پر دعوت کے میدان میں کام کرنے والے دل تنگ ہو جاتے ہیں۔ مایوس، رنجیدہ و کبیدہ خاطر اور عاجز ہو کر لوگوں سے الگ تھلگ گوشہ نشین ہو جاتے ہیں، اسی لیے نبوی تعلیمات میں اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے، ان کے دل مضبوط کیے گئے ہیں اور انھیں ثابت قدم رہنے کی تلقین کی گئی ہے۔

چنانچہ حدیث میں صراحت ہے کہ دعوت کے پرخار اور طویل راستے میں صبر و تحمل سے کام لینے والے لوگ ان لوگوں سے بہتر ہیں جو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں ارشاد ہے:

«اَلْمُؤْمِنُ الَّذِيْ يُخَالِطُ النَّاسَ وَ يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ خَيْرٌ مِنَ الَّذِيْ لَا يُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا يَصْبِرُ عَلٰى أَذَاهُمْ» [1]

”وہ مومن جو لوگوں کے درمیان گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی اذیتوں پر صبر کرتا ہے اس شخص سے بہتر ہے جو لوگوں سے الگ تھلگ رہے اور ان کی اذیتوں پر صبر نہ کر سکے۔“

---

[1] الأدب المفرد: ٣٨٨، صحيح ـ الصحيحة : ٩٣٩۔

رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ سے پیشتر انبیاء لوگوں کے اوچھے پن، یاوہ گوئی اور افترا پردازی برداشت کرتے رہے۔ آج دعوت کے میدان میں کام کرنے والوں کو کتنی سخت ضرورت ہے کہ جب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو، ان کے دل رنجیدہ اور ملول ہوں اور اذیتیں اور پریشانیاں انھیں تھکا کر چور کر دیں تو وہ ان کا اسوہ اختیار کریں اور ان کے نقش قدم پر چلیں۔

اس عظیم صبر کے نمونوں میں سے ایک وہ روایت ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ اور امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

"نبی ﷺ نے ایک مرتبہ مال غنیمت تقسیم کیا اور حسب سابق آپ ﷺ نے بعض لوگوں کو تقسیم میں ترجیح دی۔ ایک شخص نے کہا: "اللہ کی قسم! اس تقسیم سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہیں ہے۔" تو میں نبی ﷺ کے پاس آیا اور اس واقعہ کی آپ ﷺ کو خبر دی تو یہ بات آپ ﷺ پر بڑی شاق گزری۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ ہوگیا اور آپ ﷺ نے غصے کا اظہار کیا اور فرمایا: "اللہ تعالیٰ موسیٰ (علیہ السلام) پر رحم کرے ان کو اس سے بھی زیادہ تکلیف دی گئی مگر انھوں نے صبر کیا۔"[1]

انھی مختصر کلمات پر رسول کریم ﷺ کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، غیظ وغضب دور ہوگیا اور نیک، بردبار اور عفو و درگزر کرنے والا نفس خاموش اور پرسکون ہوگیا۔

یہی ہر زمانے میں اور ہر جگہ انبیاء اور سچے داعیوں کا کردار رہا ہے کہ وہ لوگوں کی اذیتوں، ان کی الزام تراشیوں اور خرافات پر صبر وتحمل سے کام لیتے ہیں۔ اس کے بغیر نہ دعوت جاری رہ سکتی ہے اور نہ داعی ثابت قدم رہ سکتے ہیں۔

---

[1] مسلم، کتاب الزکاۃ، باب اعطاء المولفۃ قلوبھم ...... الخ: ۱۰۶۲۔ بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ما کان النبی ﷺ یعطی ...... الخ: ۳۱۵۰۔

باشعور اور دینی تعلیمات کی آگہی رکھنے والا مسلمان لوگوں سے انسیت پیدا کرنے، ان کی خاطر داری اور دلجوئی کرنے اور اگر وہ بد زبان ہوں تو ان کے شر اور فحش گوئی سے بچنے میں مہارت سے کام لیتا ہے۔ مومن لوگوں کے ساتھ میل جول میں ہوشیاری اور عقلمندی سے کام لیتا ہے اور انھیں ذکاوت اور خوش اسلوبی سے مخاطب کرتا ہے کہ انھیں اس کی طرف سے نہ سختی و ترش روئی کا احساس ہوتا ہے اور نہ درشتی و بد خلقی کا۔ مندرجہ ذیل حدیث سے رسول کریم ﷺ کے اسی کردار پر روشنی پڑتی ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے:

"ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا:

"اسے آنے دو، یہ اپنی قوم میں بہت برا آدمی ہے۔" پھر جب وہ آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ ﷺ نے اس سے بہت نرم انداز میں گفتگو فرمائی (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ) میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ اپنی قوم میں بہت برا آدمی ہے" پھر آپ نے اس سے بہت ہی نرم انداز میں گفتگو فرمائی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَيْ عَائِشَةُ ! اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْزِلَةً عِنْدَ اللّٰهِ مَنْ تَرَكَهُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِهِ)) [1]

"عائشہ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی فحش گوئی کی وجہ سے لوگ اس سے نہ الجھیں۔"

سیدنا ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب المداراة مع الناس: ٦١٣١۔

''کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے سامنے تو ہم ہنس ہنس کر باتیں کرتے ہیں مگر ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔''[1]

ضروری نہیں کہ تمام لوگ ہمیشہ داعی کے مزاج، اس کے رجحانات اور خواہشات پر پورے اتریں بلکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا کردار داعی کی خواہش و رغبت کے برخلاف ہوتا ہے۔ ایسے موقعوں پر داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ لوگوں کے رویہ پر صبر سے کام لے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے اور انھیں حق کی طرف مائل کرنے میں پوری دانائی اور مہارت سے کام لے۔

لوگوں کو خوش رکھنا:

باشعور اور دینی تعلیمات سے روشنی حاصل کرنے والا مسلمان جہاں بھی جاتا ہے خوشی و مسرت عام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ وہاں موجود لوگوں میں انس و محبت اور خوشی و سرور پیدا کرنے کی سعی کرتا ہے۔ جواز کی حدود میں رہتے ہوئے لوگوں کو خوش کرنا اور ان کے دلوں میں خوشی و مسرت پیدا کرنا اسلام میں مطلوب و مستحسن ہے۔ شریعت نے اس پر اکسایا ہے اور ایسا کرنے کی ترغیب دی ہے تاکہ مسلمانوں کے معاشرے میں محبت و مودت عام ہو، خوشی و مسرت کی ٹھنڈی اور جانفزا ہوائیں چلیں اور انبساط و شادمانی کی فضا پیدا ہو، اسی لیے حدیث میں صراحت ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے دلوں میں خوشی و مسرت پیدا کرے گا وہ قیامت میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے اس سے بڑھ کر خوشی و مسرت سے سرفراز ہوگا، ارشاد نبوی ہے:

((مَنْ لَقِيَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ بِمَا يُحِبُّ اللّٰهُ لِيَسُرَّهُ بِذٰلِكَ سَرَّهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[2]

''جو شخص اپنے بھائی سے ملے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی باتیں کرے

---

1. بخاری، کتاب الأدب، باب المدارة الناس، قبل الحدیث: ٦١٣١، تعلیقًا۔
2. طبرانی فی الصغیر: ١١٨٠، قال الهیثمی اسناده حسن۔

کہ وہ خوش ہو جائے تو قیامت میں اللہ عزوجل بھی اسے خوش کر دے گا۔"

مسلمان بہت سے جائز کاموں سے اپنے بھائیوں کو خوش کر سکتا ہے مثلاً اچھی بات، محبت آمیز مسکراہٹ، خوش کن و دلفریب ہنسی، تسلی بخش غم خواری، پر خلوص ملاقات، بے لوث عطیہ اور دیگر بہت سے کاموں سے دلوں میں محبت پیدا کی جا سکتی ہے اور حقد و کینہ اور نفرت کی کدورتوں کو دور کیا جاسکتا ہے۔

اس لیے مسلمان کی تربیت اور نشو ونما ہی اس نہج پر ہوتی ہے کہ وہ نیک اعمال کے دائرے میں گردش کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے اور لوگوں کا بھی محبوب اور منظور نظر ہو جاتا ہے۔

خیر کی طرف رہنمائی کرنا:

ان نیک اعمال میں سے جن سے سچا اور متقی مسلمان پہچانا جاتا ہے، خیر کی طرف رہنمائی بھی ہے، چنانچہ وہ کسی سے خیر کو روک کر نہیں رکھتا اور نہ کوئی ایسی بات پوشیدہ رکھتا ہے جن میں لوگوں کی منفعت ہو، اس لیے کہ اس نے دینی تعلیمات سے یہ سیکھا ہے کہ جو شخص خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے اسے عمل کرنے کے بقدر اجر ملتا ہے:

«مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ»[1]

"جس نے خیر کی طرف رہنمائی کی اسے عمل کرنے والے کے مثل اجر ملے گا۔"

یہی وجہ ہے کہ مسلمان خیر کو محض اپنے نفس تک محدود نہیں رکھتا بلکہ اس کے نزدیک خیر پر خود عمل کرنا اور دوسروں کی اس طرف رہنمائی کرنا دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ دونوں حالتوں میں وہ اجر پاتا ہے۔ اس طرح معاشرہ میں خیر و بھلائی کا دور دورہ ہو جاتا ہے اور

---

[1] مسلم ، کتاب الإمارة ، باب فضل إعانة المغازی ...... الخ : ۱۸۹۳۔ ابوداؤد ، کتاب الأدب ، باب فی الدال علی الخیر: ۵۱۲۹۔ ترمذی ، کتاب العلم ، باب ما جاء أن الدال علی الخیر کفاعله: ۲۶۷۱۔

ہر شخص بغیر ایک دوسرے پر فخر و مباہات اور نمایاں ہونے کی خواہش کے بھلائی کے کام انجام دیتا ہے۔

لیکن محدود سوچ کی ہلاکت خیز نفسیاتی بیماریوں نے بارہا معاشروں کو خیر سے محروم رکھا ہے اس لیے کہ جو لوگ اس نفسیاتی مرض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ان بھلائی کے کاموں کو صرف وہ خود ہی انجام دیں لیکن ان کے اپنے حالات ان امور کی انجام دہی کی اجازت نہیں دیتے، چنانچہ وہ خیر پردۂ عدم میں رہتی ہے، لوگوں کے منافع معطل رہتے ہیں اور معاشرے اس خیر سے محروم رہتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ بعض لوگوں نے اسے چھپائے رکھا اور اس انتظار میں رہے کہ موقع ملنے پر وہ خود کر گزریں گے لیکن بعض اوقات انھیں موقع نصیب نہیں ہوتا اور پوری عمر گزر جاتی ہے۔ اس طرح وہ خیر تاریک ذہنوں میں مقید ہو کر رہ جاتی ہے۔ سچا مسلمان جو ہر وقت اپنے رب کی خوشنودی اور اجر و ثواب کا خواہش مند ہوتا ہے ان بیماریوں سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اسے جیسے ہی کسی خیر کا علم ہوتا ہے وہ دوسروں کی اس طرف رہنمائی کرتا ہے اور اپنے رب کی بارگاہ میں اس خیر کے کرنے والے کے مثل اجر سے سرفراز ہوتا ہے۔

نرمی سے پیش آنا، سختی سے اجتناب برتنا:

متقی اور باشعور مسلمان نرمی سے پیش آتا اور سختی و درشتی سے اجتناب کرتا ہے اس لیے کہ اہل ایمان کا کردار یہ ہے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اور آسانی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے یہی پسند کیا ہے، ارشاد ہے:

﴿ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرة: ١٨٥)

''اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی نہیں کرنا چاہتا۔''

تعلیمات نبوی میں بھی آسانی پیدا کرنے پر اکسایا گیا ہے اور سختی کرنے سے منع کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

«عَلِّمُوا وَ يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا وَ إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَسْكُتْ »①

''لوگوں کو تعلیم دو، آسانی پیدا کرو سختی نہ کرو اور جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے تو اسے چاہیے کہ وہ خاموش ہو جائے۔''

سختی کرنے اور معاملات کو پیچیدہ بنانے کا وہی شخص سہارا لیتا ہے جس کے اخلاق میں کجی، طبیعت میں تنگی اور تربیت میں نقص و خلل ہو۔ رہا وہ انسان جو سلیقہ اور اسلامی آداب سے آراستہ ہو، وہ نہ سختی کرتا ہے، نہ پیچیدگی چاہتا ہے، نہ معاملات میں رخنہ ڈالتا ہے اور نہ دوسروں کے مفادات معطل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ رسول کریم ﷺ کی اس سیرت سے رہنمائی حاصل کرتا ہے جس کے بارے میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے:

''رسول اللہ ﷺ کو جب دو کاموں میں اختیار دیا جاتا تو جو کام ان میں سے آسان ہوتا اور اس میں کوئی گناہ بھی نہ ہوتا تو آپ ﷺ اسے اختیار فرماتے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا لیکن جب اللہ تعالیٰ کی حرمتوں کی پامالی ہوتی تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے لیے انتقام لیتے تھے۔''②

رسول اللہ ﷺ نے اپنی عمیق نگاہ سے اندازہ لگا لیا تھا کہ لوگوں میں ضعف پایا جاتا ہے۔ عزیمت، بلندی اور صبر اختیار کرنے میں ان کی صلاحتیں جدا جدا ہیں اس لیے نرمی اور آسانی سے زیادہ کوئی شے ان کی طبیعتوں کے لیے مناسب نہیں اور سختی و درشتی سے زیادہ کوئی شے انھیں اذیت پہنچانے اور نفرت دلانے والی نہیں، اسی لیے آپ ﷺ نے حلال اور جائز کاموں کے دائرہ میں ہمیشہ نرمی اور آسانی اختیار فرمائی اور اسے مسلمانوں میں مسنون قرار دیا تاکہ ان کی زندگیاں سختی کی خشکی، شدت اور بوجھ سے آزاد رہیں۔

---

① الأدب المفرد: ٢٤٥، صحيح لغيره - الصحيحة: ١٣٧٥-

② بخاری، كتاب الأدب، باب قول النبي ﷺ يسّروا ولا تعسّروا: ٦١٢٦- مسلم: ٢٣٢٧-

فیصلہ میں انصاف سے کام لینا:

باشعور اور راست رو مسلمان جب فیصلہ کرتا ہے تو عدل و انصاف کو ملحوظ رکھتا ہے اور جادۂ حق سے انحراف نہیں کرتا، خواہ کیسا ہی موقع و محل ہو اور کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں کیونکہ ظلم سے اجتناب اور انصاف اس کے دین اور عقیدے کے بنیادی اجزا میں سے ہیں، قرآن کریم اور حدیث شریف کے قطعی نصوص میں اس کی صراحت آئی ہے اور اس کا صاف صاف حکم دیا گیا ہے جس میں کوئی رخصت یا اجتہاد کی گنجائش نہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلَى أَهْلِهَا وَ إِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ﴾ (النساء: ٥٨)

"اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔"

مسلم فرد اور اسلامی معاشرہ جس عدل سے واقف ہیں وہ خالص و بے لوث اور مفاد و منفعت سے پاک ہوتا ہے، دوستی یا دشمنی سے اس میں کوئی فرق نہیں آتا اور نہ قرابت نسب کے رشتے ہی اس پر اثر انداز ہوتے ہیں، ارشاد ربانی ہے:

﴿ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى أَلَّا تَعْدِلُوا اِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ اتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴾ (المائدة: ٨)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی تم کو اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ، اللہ سے ڈر کر کام کرتے رہو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔"

مزید فرمایا:

﴿ وَ إِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ﴾ (الأنعام : ١٥٢)

''اور جو بات کہو انصاف کی کہو، خواہ معاملہ اپنے رشتہ دار ہی کا کیوں نہ ہو۔''

رسول اللہ ﷺ نے اس وقت عدل کی ایک اعلیٰ مثال قائم کر دی جب آپ ﷺ کی خدمت میں سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ایک مخزومی عورت کی جس نے چوری کی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ کاٹنے کا عزم کر لیا تھا سفارش لے کر آئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أَتَشْفَعُ فِيْ حَدٍّ مِنْ حُدُوْدِ اللّٰهِ ؟ ...... وَ ايْمُ اللّٰهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا)) [1]

''(اے اسامہ!) کیا تم اللہ تعالیٰ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کر رہے ہو؟ ...... اللہ کی قسم! اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

یہ ہے وہ عام اور مطلق عدل جو بڑے چھوٹے، امیر فقیر، مسلم اور غیر مسلم ہر ایک پر نافذ ہوتا ہے، اس کی گرفت سے کوئی شخص آزاد نہیں۔ عدل کا یہی وہ مقام ہے جس سے اسلامی معاشرہ اور دیگر معاشروں کے راستے جدا ہو جاتے ہیں۔

تاریخ نے عدل کے جن زریں واقعات کو محفوظ رکھا ہے اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ دنیا کی عدالتوں نے بڑے احترام کے ساتھ ان کی طرف کان لگایا ہے، ان میں سے ایک امیر المومنین سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے:

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ قاضی شریح رحمہ اللہ کے سامنے اپنے حریف یہودی کے پہلو میں جس نے ان کی زرہ چوری کی تھی، کھڑے ہوتے ہیں۔ امیر المومنین کا احترام و

---

[1] بخاری ، کتاب الحدود، باب كراهية الشفاعة فى الحد ......الخ : ٦٧٨٨۔ مسلم، کتاب الحدود ، باب قطع السارق الشریف...... الخ :١٦٨٨۔

اکرام قاضی شریح رحمہ اللہ کو یہودی کے زرہ چوری کرنے پر گواہ طلب کرنے سے باز نہیں رکھتا اور جب امیر المومنین کوئی گواہ نہیں پاتے تو قاضی یہودی کے حق میں اور امیر المومنین کے خلاف فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔''

تاریخ اسلامی ایسی بے شمار مثالوں سے پُر ہے جو اسلامی معاشرہ میں حق و عدل کی حکمرانی پر دلالت کرتی ہے، اسی لیے سچا مسلمان اپنے اقوال و افعال میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہے کیونکہ حق اس کی میراث ہے، عدل اس کے معاشرہ میں جاگزیں و پیوست ہے اور انصاف کو اس کے عقیدہ میں تقدس حاصل ہے۔

کسی پر ظلم کرنے کی ممانعت:

سچا مسلمان جس طرح عدل و انصاف پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتا ہے اسی طرح ظلم سے بہت دور رہتا ہے اس لیے کہ ظلم کا نتیجہ گھٹا ٹوپ تاریکیاں ہیں جن میں ظالم بھٹکتے اور ٹامک ٹوئیاں مارتے رہیں گے جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَاِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ))[1]

''ظلم سے بچو کیونکہ ظلم کا نتیجہ قیامت میں گھٹا ٹوپ تاریکیاں ہیں۔''

مندرجہ ذیل حدیث قدسی میں کتنی خوبصورتی سے ظلم سے منع کیا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ظلم کو قطعی طور پر حرام قرار دیتا ہے کہ اس میں تاویل و اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں، حدیث قدسی ہے:

''اے میرے بندو! میں نے اپنے آپ پر ظلم کو حرام کر لیا ہے اور اسے تمھارے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے، اس لیے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔''[2]

اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ پر ظلم حرام کر لیا ہے جبکہ وہ خالق، شہنشاہ، قدوس، زبردست،

---

1. مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۸۔
2. مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الظلم: ۲۵۷۷۔

جبار، بڑائی اور پاکی والا ہے۔ اسی طرح اس نے اسے بندوں کے درمیان بھی حرام قرار دیا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی ممکن ہے کہ ظلم کا صدور کسی ایسے مسلمان سے ہو جو اس کے دین کی مضبوط رسی تھامے ہوئے ہو۔

سچے مسلمان سے کبھی ظلم کا ارتکاب نہیں ہوتا خواہ کیسے ہی اسباب و محرکات اور کیسے ہی حالات ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی سخت تاکید فرمائی ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔ جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری کرے گا۔ جو شخص مسلمان سے کوئی تکلیف دور کرے گا اللہ تعالیٰ روز قیامت کی تکلیفوں میں سے ایک تکلیف دور فرمائے گا جو کسی مسلمان کی ستر پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔"[1]

رسول اللہ ﷺ نے سچے مسلمان سے صرف ظلم کی نفی پر اکتفا نہیں فرمایا کہ اس کا تو اس سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے بھائی کو رسوا کرنے کی بھی نفی فرمائی ہے کیونکہ اس کی رسوائی میں بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورتیں پوری کرنے، اس کی تکلیفوں کا ازالہ کرنے اور اس کی ستر پوشی کرنے پر بھی زور دیا ہے۔ گویا کہ آپ ﷺ اشارہ فرما رہے ہیں کہ ان فضائل سے پہلو تہی اور اعراض، ظلم و تقصیر اور اس اخوت کی حق تلفی ہے جو مسلمانوں کے درمیان باہم پائی جاتی ہے۔

بلند مقاصد کو پیش نظر رکھنا:

سچا مسلمان اپنے معاشرتی تعلقات میں ہمیشہ بلند مقاصد پیش نظر رکھتا ہے اور ان

---

① بخاری، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه: ۲٤٤۲۔

تعلقات کو گھٹیا اغراض اور پست مفادات کی بنیاد پر استوار نہیں کرتا، اس لیے کہ اسے مہمل کاموں، پست مقاصد اور گھٹیا اغراض کے لیے فرصت نہیں اور چونکہ اس کی تربیت اور نشوونما کتاب اللہ اور سنت رسول کی تعلیمات پر ہوتی ہے اس لیے وہ سنجیدگی اور وقار پسند کرتا ہے، بے جا مذاق اور بے ہودگی کو ناپسند کرتا ہے۔ بلندی و ارتقا کی طرف مائل ہوتا ہے اور پستی و تنزلی سے نفرت کرتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کے لیے ایسا ہی اخلاق پسند فرمایا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں خبر دی ہے:

''اللہ عزوجل کریم ہے اور نیک لوگوں سے محبت کرتا ہے، عمدہ کاموں کو پسند جبکہ پست اور گھٹیا کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔''[1]

اسی لیے باشعور مسلمان مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے سے اجتناب کرتا ہے۔ وہ نمایاں ہونے کی خواہش میں لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہ تکلف گفتگو نہیں کرتا۔ مبالغہ آرائی اور یاوہ گوئی باعمل مسلمان کے اخلاق میں سے نہیں یہ تو اس بے کار اور بے حیثیت انسان کے کردار میں پائی جاتی ہے جس کا مقصد خود کو نمایاں کرنا، اپنی شخصیت کو ابھارنا اور لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا ہوتا ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے مبالغہ آرائی اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے والوں پر سخت نکیر فرمائی ہے اور آپ ﷺ کے بعد سیدنا ابوبکر اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما نے بھی ان پر سخت نکیر کی ہے یہاں تک کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! میں نے مبالغہ آرائی کرنے اور تکلف سے بنا بنا کر بولنے والوں پر رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سخت نکیر کرتے ہوئے کسی کو نہیں دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ ان پر

---

[1] طبرانی فی الکبیر: ۱۸۱/۶، رقم الحدیث: ۵۹۲۸۔

نکیر کرتے ہوئے کسی کو دیکھا۔"[1]

سچا مسلمان جو اسلامی روح اور اسلامی تعلیمات سے آسودہ اور سیراب ہوتا ہے اس کے دل میں کسی کی مصیبت پر خوشی کی کوئی جگہ نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہربانی اور شفقت سے پیش آتا ہے۔ اس کی تعزیت کرتا ہے اور اس کی مصیبت کو ہلکی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسروں کی مصیبت پر خوشی کا اظہار تو وہ بیمار لوگ کرتے ہیں جو اسلام کی روح اور اس کی تعلیمات سے کوسوں دور رہتے ہیں اور جن کی پرورش انتقام، مکروفریب، عیب جوئی، غیبت اور تکلیف دہی کے ماحول میں ہوتی ہے۔

مومن کا سخی اور فیاض ہونا:

حقیقی مسلمان جو اپنے دین کی تعلیمات سے روشنی حاصل کرتا ہے وہ پورے صدق و اخلاص سے ان پر عمل کرتا ہے اور انھیں اپنے نفس پر نافذ کرتا ہے وہ سخی اور فیاض ہوتا ہے، اس کے دونوں ہاتھ کشادہ ہوتے ہیں، وہ مختلف مناسبتوں اور مختلف مواقع پر اپنے ساتھیوں پر پوری دریا دلی اور فیاضی سے خرچ کرتا ہے۔ انفاق کرتے ہوئے اسے پورا یقین اور ایمان ہوتا ہے کہ اس کی عطا اور بخشش ضائع ورائیگاں نہیں جائے گی بلکہ ان کا اجر علیم و خبیر ذات کے پاس محفوظ ہوگا، ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَ مَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴾ (البقرة: ٢٧٣)

"جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔"

مال خرچ کرتے ہوئے وہ یہ ایمان رکھتا ہے کہ وہ جو کچھ خرچ کرتا ہے، اس سے اسے بہت زیادہ نفع اور خیر کثیر حاصل ہوگا اور اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس سے کئی گنا

---

[1] طبرانی فی الکبیر: ١٠/١٧٤، رقم الحدیث: ١٠٣٦٧۔ ابو یعلی: ٨/٤٦٧، رقم الحدیث: ٥٠٢٢۔

اجر عطا فرمائے گا:

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَ اللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ (البقرة: ٢٦١)

''جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتے ہیں، ان کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جس کے عمل کو چاہتا ہے بڑھوتری عطا فرماتا ہے، وہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی۔''

﴿ وَ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ﴾ (سبا: ٣٩)

''اور جو کچھ تم خرچ کر دیتے ہو اس کی جگہ وہ تم کو اور دیتا ہے۔''

فرمایا:

﴿ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَ مَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ (البقرة: ٢٧٢)

''راہ اللہ میں جو مال تم خرچ کرتے ہو تمھارے اپنے لیے بھلا ہے، تم اسی لیے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو تو جو مال تم راہ اللہ میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمھیں دیا جائے گا اور تمھاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔''

سچا مسلمان جب اپنا مال خرچ کرتا ہے تو اسے پورا یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے عوض مال میں برکت، اضافہ اور اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا اور اگر اس نے مال کے لالچ میں بخشش و انفاق سے ہاتھ روکے رکھا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں کمی اور گھاٹا کر کے اور اسے تلف کر کے آزمائے گا مندرجہ ذیل حدیث شریف میں اس بات کی بڑی واضح تصویر کشی کی گئی ہے:

((مَا مِنْ يَوْمٍ يُصْبِحُ الْعِبَادُ فِيهِ إِلَّا مَلَكَانِ يَنْزِلَانِ فَيَقُولُ أَحَدُهُمَا: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُنْفِقًا خَلَفًا وَ يَقُوْلُ الْآخَرُ: اَللّٰهُمَّ أَعْطِ مُمْسِكًا تَلَفًا))①

''روزانہ صبح کے وقت دو فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ان میں سے ایک کہتا ہے:
''اے اللہ! خرچ کرنے والے کو اس کا نعم البدل عطا فرما۔'' دوسرا کہتا ہے:
''اے اللہ! بچا بچا کر رکھنے والے کا مال تلف فرما۔''

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

((أَنْفِقْ يَا ابْنَ آدَمَ! أُنْفِقْ عَلَيْكَ))②

''اے ابن آدم! خرچ کر، تجھ پر میں بھی خرچ کروں گا۔''

اپنے رب پر ایمان و یقین رکھنے والے مسلمان کے دل میں کبھی یہ شک پیدا ہی نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے مال میں کمی ہوتی ہے کیونکہ صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا بلکہ مال کو بڑھاتا ہے، ارشاد نبوی ہے:

((مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِنْ مَالٍ))③

''صدقہ سے کبھی مال میں کمی نہیں آتی۔''

اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ خرچ کیا جاتا ہے اس کے ثواب کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اس پر کئی گنا زیادہ بلکہ بے حساب اجر سے نوازتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیے ہوئے مال ہی کو درحقیقت باقی رہنے والا مال قرار دیا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: ''لوگوں نے ایک بکری

---

❶ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب فی المنفق والممسك: ۱۰۱۰۔ بخاری، کتاب الزکاۃ، باب قول الله تعالی فأما من أعطی واتقی: ۱۴۴۲۔

❷ بخاری، کتاب النفقات، باب فضل النفقة...... الخ: ۵۳۵۲۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الحث علی النفقة ...... الخ: ۹۹۳۔

❸ مسلم، کتاب البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع: ۲۵۸۸۔

ذبح کی۔ نبی ﷺ نے دریافت کیا:

«مَا بَقِیَ مِنهَا ؟ قَالَتْ : مَا بَقِیَ اِلَّا کَتِفُهَا قَالَ : بَقِیَ کُلُّهَا غَیرَ کَتِفِهَا »[1]

''کچھ بچا ہے؟'' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: ''بازو کے علاوہ کچھ نہیں بچا۔'' فرمایا: ''بازو کے سوا سب کچھ بچ گیا ہے۔''

''بازو کے علاوہ سب کچھ بچ گیا ہے۔'' کا مطلب یہ ہے کہ بازو کے علاوہ سارا گوشت اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا گیا ہے اس لیے اس کا اجر آخرت میں محفوظ ہو گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ کرم و سخاوت کی فضیلت لوگوں کے دلوں میں راسخ ہو جائے اور اس کا شمار ان فضائل میں ہونے لگے جن سے آراستہ و پیراستہ ہونے اور باہم مقابلہ کرنے کے لیے لوگ سبقت کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کے اس ارشاد سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

«لَا حَسَدَ اِلَّا فِی اثْنَتَینِ : رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَسَلَّطَهُ عَلٰی هَلَکَتِهِ فِی الْحَقِّ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ حِکْمَةً فَهُوَ یَقْضِی بِهَا وَ یُعَلِّمُهَا »[2]

''قابل رشک تو دو ہی طرح کے آدمی ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹائے۔ دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ حکمت سے نوازے اور وہ اس کے مطابق فیصلہ کرے اور لوگوں کو اس کی تعلیم دے۔''

رسول کریم ﷺ نے حق کے راستے میں مال خرچ کرنے اور حکمت سے فیصلہ کرنے اور اس کی تعلیم دینے، دونوں کو برابر قرار دیا اور فرمایا کہ صرف انھی دو خصلتوں میں حسد یعنی رشک کیا جاسکتا ہے اس لیے کہ حق کے راستے میں خرچ کرنے کا مسلمانوں کی معاشرتی

---

1. ترمذی، کتاب صفة القیامة، باب قوله ﷺ فی الشاة: ٢٤٧٠۔
2. مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب فضل من یقوم بالقرآن ...... الخ: ٨١٦۔ بخاری، کتاب العلم، باب الاغتباط فی العلم والحکمة: ٧٣۔

زندگی میں گہرا اثر اور بیش بہا فائدہ ظاہر ہوتا ہے۔ مال زندگی کا حساس جزو ہے اور اسے حق کی راہ میں خرچ کرنا یقیناً بڑا عمل ہے جس کی عبقریت اور عظمت، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ حکمت اور اس سے لوگوں کی منفعت سے کسی طرح کم نہیں۔

اس لیے باشعور مسلمان اپنے مال کو بصیرت کے ساتھ ایسی جگہوں پر خرچ کرتا ہے، جس سے اسے خیر، ثواب اور اجر حاصل ہو۔ وہ نہ تو سارے کا سارا مال خرچ کر کے اپنے ورثاء کو اس سے محروم کر کے ان پر ظلم کرتا ہے اور نہ انھیں خیر کے کاموں میں خرچ کرنے سے روکے رکھتا ہے اور بچا بچا کر جمع کرتا رہتا ہے بلکہ وہ شریعت کی تعلیم اور اس کے تابندہ مقاصد کے مطابق دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی سے کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا ہوا مال اس کے نزدیک میراث میں چھوڑے ہوئے مال سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے کہ پہلی قسم کا مال ہی دراصل اس کے نامۂ اعمال میں باقی رہنے والا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے اس ارشاد میں اسی کی طرف اشارہ کیا ہے:

''آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دریافت فرمایا: ''تم میں سے کس کو اپنے مال سے زیادہ اپنے وارث کا مال پسند ہے؟'' صحابہ نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ہم میں سے ہر شخص کو صرف اپنا مال محبوب ہوتا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: آدمی کا اپنا مال وہ ہے جو اس نے آگے بھیج دیا اور وارث کا مال وہ ہے جو اس نے پیچھے چھوڑ دیا۔''[1]

جود و کرم اسلام کے افضل اخلاق اور مسلمانوں کے بہترین شمائل و اوصاف میں سے ہے، اسی لیے جب ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سوال کیا کہ اسلام میں کون سی چیز بہتر ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] بخاری، کتاب الرقاق، باب ما قدم من ماله فهو له: ٦٤٤٢۔

﴿تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَ تَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَ مَنْ لَّمْ تَعْرِفْ﴾ ①

"یہ کہ تم کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، خواہ مخاطب کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔"

لیکن جود وسخا کا یہ مطلب بھی نہیں کہ آدمی سارے کا سارا مال خرچ کر دے اور کچھ بھی بچا کر نہ رکھے یہ کہ اس کے ورثا اس سے یکسر محروم ہو جائیں۔ اسلام کے تمام کاموں میں توازن اور کمال پایا جاتا ہے۔ اس کے کسی پہلو میں زیادتی اور کسی میں کمی نہیں ہوتی۔ جس طرح خیر کے کاموں میں انفاق ایک اہم فریضہ ہے، ٹھیک اسی طرح اولاد کا خیال رکھنا انھیں حقارت اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچانے اور ان کی عزت و اکرام کو محفوظ رکھنا بھی فرض ہے۔ حجۃ الوداع کے سال سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اتنے سخت بیمار ہوئے کہ مرنے کے قریب پہنچ گئے، نبی ﷺ ان کی عیادت کو تشریف لائے تو سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

"اے اللہ کے رسول! میرے پاس بہت مال ہے اور میری وارث صرف ایک بیٹی ہے، کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کر دوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "نہیں۔" انھوں نے عرض کیا: "تو آدھا؟" فرمایا: "نہیں۔" انھوں نے عرض کیا: "ایک تہائی؟" کہا: "ہاں ایک تہائی صدقہ کرو، ایک تہائی بہت ہے۔" پھر فرمایا:

"تم اپنی اولاد کو مالدار چھوڑو، یہ بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اس کو محتاج چھوڑو کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ تم جو کچھ خرچ کرو گے اس پر اجر پاؤ گے، یہاں تک کہ اس لقمے پر بھی اجر کے مستحق ہو گے جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو گے۔" ②

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام ...... الخ: ۳۹۔ بخاری، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام: ۱۲۔

② بخاری، کتاب الوصایا، باب أن یترك ورثته اغنیاء ...... الخ: ۲۷۴۲۔ مسلم، کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث: ۱۶۲۸۔

رسول کریم ﷺ بے لوث اور پر خلوص سخاوت اور فیاضی کی زندہ مثال تھے۔ آپ ﷺ نے کبھی عطا و بخشش سے اپنا ہاتھ نہیں روکا اور نہ کبھی کسی سائل کو واپس کیا۔ صحابیِ رسول سیدنا جابر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی یہ صفت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

((مَا سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ: لَا)) ①

''رسول اللہ ﷺ سے جب بھی کسی نے کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے کبھی ''نہیں'' کا لفظ نہیں فرمایا۔''

آپ ﷺ کو پوری طرح احساس تھا کہ انسانوں کے دلوں میں مال کا کتنا اثر ہے چنانچہ آپ ﷺ اسے ان کی تالیف قلب اور انھیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لیے ایک ذریعہ کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ آپ ﷺ دعوت کی صف میں نئے لوگوں کا اضافہ کرنے کے راستے میں کثیر مال خرچ کرنے کو گراں نہیں سمجھتے تھے۔ آپ ﷺ کو بخوبی معلوم تھا کہ یہ شخص جو شروع شروع میں مال کے لالچ میں اسلام قبول کر رہا ہے، جلد ہی جب وہ اسلامی تعلیمات کی گہرائی میں جائے گا تو اسلام کو صدق دل سے قبول کر لے گا اور پختہ ایمان اور اچھے اسلام والا بن جائے گا۔ جلیل القدر صحابی سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

''اسلام لانے کے بعد جس کسی نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ مانگا آپ ﷺ نے اسے ضرور دیا۔ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے اسے بکریوں کا اتنا بڑا ریوڑ دے دیا جو دو پہاڑوں کے درمیان آئے۔ وہ اپنی قوم میں واپس آیا تو کہنے لگا: ''اے لوگو! اسلام لے آؤ، محمد (ﷺ) تو اس شخص کی طرح دیتے ہیں جسے فقر و فاقہ کا کچھ خوف نہیں۔ بعض لوگ محض دنیا کے لیے

① مسلم، كتاب الفضائل، باب في سخائه صلى الله عليه وسلم: ٢٣١١۔ بخاري، كتاب الأدب، باب حسن الخلق ...... : ٦٠٣٤۔

اسلام قبول کرتے تھے مگر جلد ہی اسلام ان کے نزدیک دنیا اور دنیا کی تمام چیزوں سے محبوب ہو جاتا تھا۔"①

رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں جو کچھ آتا آپ ﷺ اسے لوگوں میں تقسیم فرما دیتے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کچھ بچا کر نہ رکھتے۔ آپ ﷺ کے لیے یہی کافی تھا کہ مال اس کے مستحقین تک پہنچا دیں جس سے سخت دلوں کے بند دروازے کھل جائیں اور دلوں میں جود و سخا کی خصلت جاگزیں ہو جائے۔ آپ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنی سخاوت کی ایک بہترین اور اعلیٰ مثال بیان فرمائی، جسے روایت کرتے ہوئے سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"میں نبی ﷺ کے ساتھ غزوۂ حنین سے واپس آ رہا تھا، راستے میں کچھ اعراب آپ ﷺ سے لپٹ گئے اور آپ ﷺ سے مانگنے لگے، یہاں تک کہ آپ ﷺ مجبور ہو کر ایک ببول کے درخت کے سائے میں آ گئے۔ درخت میں آپ ﷺ کی چادر اٹک گئی، آپ ﷺ ٹھہر گئے اور فرمایا:

((أَعْطُونِيْ رِدَائِيْ لَوْ كَانَ لِيْ عَدَدُ هٰذِهِ الْعِضَاهِ نَعَمٌ لَقَسَمْتُهُ بَيْنَكُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْنِيْ بَخِيلًا وَلَا كَذُوبًا وَلَا جَبَانًا))

"مجھے میری چادر دے دو، اگر میرے پاس ان خار دار درختوں کے برابر بھی اونٹ ہوتے تو میں پھر بھی انھیں تمھارے درمیان تقسیم کر دیتا پھر تم مجھے بخیل، جھوٹا اور بزدل نہ پاتے۔"②

سخاوت کا یہ انداز جسے رسول اللہ ﷺ اپناتے تھے، بے لوث جود و سخا کا اعلیٰ نمونہ ہے، جو اغراض، خواہشات اور شبہات سے مبرا و منزہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے زندگی میں نافذ اور جاری و ساری کر کے ثابت کر دیا کہ یہ انسانیت کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جس تک

---

① مسلم، کتاب الفضائل، باب فی سخائه صلی الله علیه وسلم: ٢٣١٢۔

② بخاری، کتاب الجهاد والسیر، باب الشجاعة فی الحرب والجبن: ٢٨٢٠۔

پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر انسان کے دل میں ایمان کی عظمت اور حقیقت روشن ہو جائے تو وہ اس کی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے اور اس راہ کے بلند مقامات حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ انسان کو جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے قرب حاصل ہو گا اتنا ہی اس میں سخاوت و کرم کا جذبہ موجزن ہو گا اور جب جب اسے ان نعمتوں کا احساس ہو گا جنھیں اللہ تعالیٰ نے فیاضی و سخاوت، کشادہ دست اور اس کی راہ میں خرچ کرنے والے لوگوں کے لیے تیار کر رکھا ہے وہ مزید سخا و عطا اور بخشش و انفاق کرے گا اور جتنا اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق مضبوط ہو گا اتنا ہی وہ سخاوت کے ثمرات اور اجر کا احساس رکھے گا اور اتنی ہی فراخ دلی اور کشادہ دستی سے خرچ کرے گا۔ رمضان میں سیدنا جبریل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت رسول اللہ ﷺ کا یہی حال ہوتا تھا۔

ملاء اعلیٰ سے کثرت ملاقات کی وجہ سے اس مبارک مہینا میں رسول کریم ﷺ کی سخاوت و فیاضی میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سیدنا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان کے مہینے میں ہر رات ملتے، چنانچہ آپ ﷺ کے قلب مبارک میں خیر اور خرچ کرنے کے معانی جاگزیں ہو جاتے اور آپ ﷺ مزید فضل و احسان، فیاضی و دریا دلی اور جود و سخا کرنے لگتے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت فرماتے ہیں:

> ”رسول اللہ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی و فیاض تھے اور سیدنا جبریل علیہ السلام سے ملاقات کے وقت تو آپ ﷺ اور بھی سخاوت کرنے لگتے تھے۔ سیدنا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے رمضان کی ہر رات ملاقات کرتے اور رسول اللہ ﷺ ان سے قرآن کا دورہ کرتے۔ جب سیدنا جبریل علیہ السلام آپ ﷺ سے ملتے تو آپ ﷺ بارش لانے والی تیز ہوا سے بھی زیادہ سخاوت کرتے۔“ [1]

---

[1] بخاری، کتاب الصوم، باب أجود ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی رمضان: ۱۹۰۲۔ مسلم، کتاب الفضائل، باب جودہ ﷺ: ۲۳۰۸۔

اس لیے جب ہم دیکھتے ہیں کہ قرن اول کے مسلمان سخاوت کے اس بلند معیار سے قریب تر تھے تو ہمیں کوئی تعجب نہیں ہوتا۔ ان میں سے کوئی اپنا سارا مال راہِ اللہ میں لٹا دیتا جیسا کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کوئی اپنا نصف مال خرچ کر دیتا جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کوئی اپنے مال سے پورے پورے لشکر کو سامانِ جنگ فراہم کرتا جیسا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔ کوئی اپنی نفیس ترین اور بیش بہا چیزیں راہِ اللہ میں قربان کر دیتا جیسا کہ سیدنا ابو الدحداح رضی اللہ عنہ نے کیا کہ انھوں نے اپنا بہترین باغ اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ کر دیا اور جب ان کی بیوی کو یہ معلوم ہوا تو اس نے خندہ روئی اور ہنس مکھ چہرے سے کہا: ''نفع کا سودا ہے اے ابو الدحداح۔'' ان کے علاوہ بھی بہت سے فیاض لوگوں کے واقعات ملتے ہیں جنھوں نے دنیا کی زندگی پر حیات آخرت کو ترجیح دی اور اپنی گاڑھے پسینے کی کمائی اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دی۔

اس لیے کہ انھوں نے اللہ عزوجل کے ساتھ سچا عہد کیا تھا اور مضبوط اور ابدی تعلق قائم کیا تھا، چنانچہ وہ ان حقیقتوں پر ایمان لاتے تھے پھر انھیں اپنی زندگی میں عملاً نافذ کرتے تھے۔ وہ محض زبان سے جود و سخا کا تذکرہ کرنے، اس کی تحسین و تعریف کرنے اور اس کے تذکرہ سے متاثر ہونے پر اکتفا نہیں کرتے تھے جیسا کہ آج کے بیشتر اغنیا کا حال ہم دیکھتے ہیں۔

آج کے مال داروں میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو کروڑ پتی اور ارب پتی ہیں اگر وہ اپنے مال سے دریا دلی اور فیاضی سے نہ بھی خرچ کریں صرف اپنے مال کی زکوۃ ادا کر دیں تو معاشرہ سے غریبی کا یکسر خاتمہ ہو جائے لیکن یہ لوگ یہ جانتے ہوئے بھی کہ زکوۃ اسلام کا ایک اہم فریضہ اور رکن ہے، سخاوت و فیاضی تو درکنار زکوۃ ادا کرنے سے بھی باز رہتے ہیں۔ اگر کبھی دل میں بات آئے تو کسی عید یا تہوار کے موقع پر چند سکے غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں یا بعض اسلامی ممالک میں غریبوں میں روٹی اور کھانا تقسیم کرا دیتے ہیں۔ جب

سادہ لوح لوگ ان کے دروازے پر غریبوں اور فقر وفاقہ کے مارے ہوئے لوگوں کی بھیڑ دیکھتے ہیں جو ان چند "ٹکڑوں" کو حاصل کرنے کے لیے جمع ہو جاتے ہیں تو وہ ان کی سخاوت و فیاضی کے قصیدے پڑھتے ہیں، انھیں بہت بڑا سخی اور دریا دل سمجھتے ہیں حالانکہ ان سادہ لوح لوگوں کو معلوم نہیں کہ یہ کروڑ پتی لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں وہ اس مال کا بھی انتہائی قلیل حصہ ہوتا ہے جو ان پر زکوٰۃ میں فرض ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے چند سکے ان پراگندہ اور تباہ حال فقراء کی طرف پھینک دیتے ہیں اور اللہ کی اطاعت اور اس کی راہ میں خرچ کرنے کا دکھاوا کرتے ہیں، ان کا حال سارے جہاں کے رب پر جو اغنیاء و فقراء سب کا رب ہے، مخفی نہیں ہے۔ وہ اس کی پکڑ اور عتاب سے نہ بچ سکیں گے۔ ایسے لوگ اس ارشاد باری کے ذیل میں آتے ہیں:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ امَنُوا اِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَ لَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَ جُنُوْبُهُمْ وَ ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴾

(التوبة: ٣٤، ٣٥)

"دردناک سزا کی خوشخبری دو، ان کو جو سونے اور چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور انھیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ ایک دن آئے گا کہ اسی سونے چاندی پر جہنم کی آگ دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ خزانہ جو تم نے اپنے لیے جمع کیا تھا، لو اب اپنی سمیٹی ہوئی دولت کا مزہ چکھو۔"

مال داروں کا یہ گروہ جس نے غیر اسلامی اقتصادی نظام کے زیر سایہ دولت جمع کر لی

ہے، مسلمانوں کے ممالک میں بائیں بازو کے نظاموں اور اصولوں کے درآمد ہونے کا بنیادی سبب ہے جو حرص و لالچ، استحصال کے فلسفہ اور الٰہی تعلیمات سے دوری کی بنیاد پر مبنی ہے۔ اگر یہ گروہ اپنے مال میں اللہ تعالیٰ کا حق پہچانتا اور اس میں بغیر کمی کیے ہوئے پورا پورا ادا کرتا ہے تو مسلمانوں کے معاشرہ میں ان لوگوں کا سرے سے وجود ہی نہ ہوتا جو ''سرخ کمیونزم'' یا ''مزین اشتراکیت'' کی طرف دعوت دینے کی جرأت کرتے ہیں اور نہ ہی طبقاتی حقد و کینہ پیدا ہوتا کہ جس سے فائدہ اٹھا کر بائیں بازو کی پارٹیوں نے بعض ممالک میں اشتراکی نظام حکومت قائم کر دیا ہے۔ اس طرح ان سرمایہ داروں، ان کے کارخانوں اور کمپنیوں کا تختہ الٹ دیا ہے، ان کے تمام سرمایہ پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کے خزانے خالی کر دیے ہیں۔ کشادگی، عزت، فراخی اور خوش حالی کے زمانے میں ان کا حال یہ تھا کہ بعض اوقات غریب مزدور کی ہفتہ وار یا ماہانہ معمولی سی مزدوری میں نصف ''لیرا'' بھی اضافہ کرنے پر تیار نہیں ہوتے تھے اس خوف سے کہ کہیں ان کے منافع میں کمی نہ آجائے۔ یہی نہیں بلکہ معمولی سی زیادتی کے مطالبہ پر ہنگامہ کھڑا کر دیتے تھے۔ دوسری طرف ان ہزاروں روپے سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں جنھیں ان کے بیٹے تھیٹر، سینما اور رقص کی محفلوں میں فاحشہ عورتوں کے قدموں میں بے تحاشا خرچ کرتے تھے، یہاں تک کہ ان میں سے بعض پورے تھیٹر کو صرف اپنے لیے ریزرو کروا لیتے تھے تا کہ تن تنہا اس میں رقص کرنے والی حسین دوشیزاؤں سے متمتع اور لطف اندوز ہوں۔

اسلامی معاشرہ میں نہ مالدار غریب پر ظلم کرتا ہے اور نہ غریب، مالدار سے کینہ رکھتا ہے کیونکہ مالدار سخی و فیاض ہوتا ہے۔ وہ اپنے مال میں غریب کا حق جانتا ہے، چنانچہ اس کی حق تلفی نہیں کرتا اور نہ اس کی امداد و تعاون کرنے، اسے عطیہ دینے اور اس کے ساتھ انصاف کرنے سے پہلو تہی کرتا ہے، اسی طرح فقیر بھی مال دار کی طرف محض اس وجہ سے کہ وہ مالدار ہے، حقد و کینہ اور نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مالدار

اپنا مال حرام طریقوں سے جمع نہیں کرتا بلکہ محنت و مشقت، کد و کاوش، جانفشانی و جفاکشی، جدوجہد اور حلال و جائز کمائی کے راستے سے حاصل کرتا ہے۔ اسلامی معاشرے نے اپنے زیر سایہ لوگوں کو ''مواقع سے فائدہ اٹھانے'' کا جو اصول دیا ہے وہ غریب کے لیے محنت و جانفشانی کر کے مال دار بننے کا میدان وسیع رکھتا ہے۔ راستہ ہر ایک کے لیے کھلا ہے۔ ہر بلند پرواز، چاق و چوبند، اولوالعزم اور عالی ہمت شخص اسے اپنا سکتا ہے۔ اس لیے حقد و کینہ اور حسد و انتقام کی خواہش کا کوئی محرک نہیں ہو سکتا۔ اسلامی معاشرہ میں جو محبت و اخوت کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے، حقد و کینہ رکھنے والوں اور انتقام کے لیے موقع تلاش کرنے والوں کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خرچ کرنے کی تعلیم دیتے تھے، انھیں اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنے پر اکسایا کرتے اور ان کے دلوں سے مال کی محبت نکالنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ مال لوگوں کے درمیان منقسم رہے، ان کی زندگیوں میں خوشحالی و فارغ البالی چھائی رہے اور مال جمع کرنے والے کے لیے روز قیامت نحوست، عذاب اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا ذریعہ نہ بن جائے۔ اس سلسلہ میں رسول کریم ﷺ اسوۂ حسنہ اور اعلیٰ نمونہ تھے:

''ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ بقیع کی طرف جا رہے تھے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے جا ملے۔ چلتے ہوئے راستے میں آپ ﷺ نے ان سے فرمایا:

«إِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَنْ قَالَ هٰكَذَا وَ هٰكَذَا فِيْ حَقٍّ»

''یقیناً دنیا میں مال و دولت جمع کرنے والے قیامت کے دن تہی دست ہوں گے، سوائے ان لوگوں کے جو پوری فیاضی سے مناسب جگہوں پر خرچ کریں۔''

پھر احد پہاڑ دکھائی دیا تو نبی ﷺ نے فرمایا: ''ابو ذر!'' سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے جواب

دیا: ''اے اللہ کے رسول! لبیک و سعدیک، میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔'' (آپ کیا فرماتے ہیں؟) فرمایا:

((مَا يَسُرُّنِيْ أَنَّ أُحُدًا لِآلِ مُحَمَّدٍ ذَهَبًا فَيُمْسِيْ عِنْدَهُمْ دِيْنَارٌ أَوْ قَالَ مِثْقَالٌ)) ①

''مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ آل محمد کے پاس احد کے مثل سونا ہو اور شام ہوتے ہوتے ان کے پاس ایک دینار بھی بچ جائے (یا فرمایا ایک مثقال بچ جائے......''

اس سے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس موقف کی وضاحت ہوتی ہے جو آپ ﷺ نے قریش کے اغنیاء کے بارے میں اپنایا تھا کہ انھیں جب فتوحات کی مصروفیتوں سے فرصت ملی اور وہ تجارت کی طرف متوجہ ہو کر اپنے مال و دولت میں اضافہ کرنے لگے اور خوب مالدار ہو گئے تو اس سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو خدشہ لاحق ہونے لگا، انھوں نے فرمایا:

''جان لو! قریش چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا مال وہ اپنے تک محدود کر لیں مگر جب تک خطاب کا بیٹا زندہ ہے وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ جان لو کہ میں مدینہ کی سنگلاخ زمین میں کھڑا ہوں گا اور ان کی کمر پکڑ پکڑ کر انھیں جہنم کی آگ میں گرنے سے بچاؤں گا۔'' ②

اسلام صرف چند لوگوں کے درمیان مال کے جمع ہو جانے کا انکار کرتا ہے، اس لیے کہ مال کے چند لوگوں میں محدود ہو جانے کا مطلب یہ ہے کہ معاشرہ کے بہت سے لوگ اس سے محروم ہو جائیں، ایسی صورت میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے، طبقاتی کشمکش شروع ہوتی ہے،

---

① بخاری، کتاب الاستئذان، باب من اجاب لبیك و سعدیك : ٦٢٦٨۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب الترغیب فی الصدقة : ٩٤۔ مسند احمد : ٢/٥٢٥۔

② اخبار عمر للطنطاویین: ٢٦٥۔

استحصال اور ظلم ہوتا ہے اور یہ سب اسلامی معاشرہ میں حرام ہے۔

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ وہ مدینہ کی سنگلاخ زمین میں کھڑے ہوں گے اور ان کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر انھیں ذخیرہ اندوزی اور دولت جمع کرنے سے روکیں گے، ایسا وہ انھیں جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے کریں گے نہ کہ ان کی دولت سے حسد کرنے اور ان سے انتقام لینے کی وجہ سے، جس طرح کہ دیگر مادی نظام غرباء کے دلوں میں اغنیاء کے بارے میں کینہ وبغض اور ان سے انتقام کا جذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ اسلام میں معاشرتی عدل ومساوات غنی اور فقیر دونوں کی بھلائی کے لیے مقصود ہے اور اسلام اس پر شروع ہی میں توجہ دیتا ہے قبل اس کے کہ پانی سر سے اونچا ہو جائے۔ قدریں بگڑ جائیں اور دل کینہ و حسد سے بھر جائیں۔ یہ اس لیے بھی مقصود ہے کہ اس میں غنی وفقیر دونوں کی، دنیا کی بھلائی بھی مضمر ہے اور آخرت کی بھلائی بھی۔ اقتصادیات کی دنیا میں، دنیا اور آخرت کے درمیان یہ محکم ربط صرف اسلام کے اقتصادی نظام ہی میں ملتا ہے۔

حقیقی مسلمان سخی ہوتا ہے خواہ کتنا ہی غریب ہو اور اس کے پاس کتنا ہی کم مال ہو۔ اسلامی تعلیمات کی بنا پر اس کے دل میں اپنے سے زیادہ غریب لوگوں پر رحم کا جذبہ پایا جاتا ہے اور وہ دوسروں کی تکلیف اور محرومی کا احساس رکھتا ہے۔ اسی لیے نصوص میں فقراء کو حسب استطاعت معمولی انفاق کی ترغیب دی گئی ہے تاکہ اس کے دل اپنے بھائیوں سے وجدانی اور شعوری مشارکت کی طراوت سے سیراب رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تنگی اور ناداری کے باوجود خرچ کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ان کے صدقے میں اضافہ کرے گا اور انھیں پروان چڑھائے گا، یہاں تک کہ وہ بلند ٹیلے جتنے ہو جائیں گے بشرطیکہ وہ حلال کمائی سے ہوں، ارشاد نبوی ہے:

”جو شخص اچھی کمائی سے ایک کھجور جتنا بھی صدقہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ صرف اچھی کمائی ہی کا صدقہ قبول کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول

کرے گا، پھر اسے اس کے مالک کے لیے پروان چڑھائے گا جس طرح ایک شخص گھوڑے کے بچے کو پالتا اور پروان چڑھاتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ جتنا ہو جائے گا۔" ①

اس مقصد سے کہ دلوں کے دروازے بند نہ ہو جائیں، معاشرہ میں شعوری و وجدانی مشارکت مفقود نہ ہو جائے، رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خرچ کرنے کی دعوت دی خواہ وہ کتنے ہی مفلس اور نادار ہوں نیز انھیں سلبیت، تنگی اور بخل سے ڈرایا کیونکہ اس میں ہلاکت، تباہی اور عذاب ہے، فرمایا:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ» ②

"جہنم کی آگ سے بچو خواہ کھجور کا ایک ٹکڑا صدقہ کر کے ہی سہی۔"

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ مسلم معاشرہ میں تعمیر، منفعت اور خیر و بھلائی کا عنصر ہو، اس کا ہر فرد ہمیشہ لوگوں میں خیر و بھلائی عام کرے اور انھیں اپنے فضل و احسان سے نوازے، خواہ وہ غنی ہو یا فقیر۔ اسی لیے نبوی تعلیمات میں مسلمان کو قدرت و طاقت اور وسائل و امکانات کے بقدر نیک عمل کرنے پر اکسایا گیا ہے اور ان کے ہر نیک عمل کو صدقہ قرار دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"ہر مسلمان پر صدقہ لازم ہے۔" صحابہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے نبی! جس شخص کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہ ہو وہ کیا کرے؟" فرمایا: "اپنے ہاتھ سے کمائے، خود بھی فائدہ اٹھائے اور صدقہ بھی کرے۔" صحابہ نے عرض کیا: "اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو؟ فرمایا: "حاجت مند اور مصیبت زدہ کی مدد کرے۔"

---

① بخاری ، کتاب الزکاۃ ، باب الصدقة من کسب ...... الخ : ۱٤۱۰۔ مسلم ، کتاب الزکاۃ، باب قبول الصدقة من الکسب الطیب و تربیتها : ۱۰۱٤۔

② بخاری ، کتاب الزکاۃ ، باب اتقوا النار...... الخ : ۱٤۱۷۔ مسلم ، کتاب الزکاۃ ، باب الحث علی الصدقة...... الخ : ۱۰۱٦۔

صحابہ نے عرض کیا: ''اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو؟'' فرمایا: ''نیکی کرے اور برائی سے رکا رہے، یہ بھی صدقہ ہے۔''①

اسلام نے نیک اعمال کے دائرے کو بہت وسیع کر دیا ہے تاکہ ہر مسلمان ان کے عمل پر قادر ہو سکے اور مفلس و نادار کو یہ احساس نہ ہو کہ وہ مال سے تہی دست ہونے کی وجہ سے معاشرہ میں نیک کاموں میں مشارکت سے محروم ہے۔ اسلام نے اس کے لیے اس مشارکت کے دروازے کھول دیے اور ہر نفع پہنچانے والے عمل کو صدقہ قرار دیا جس پر اسے اسی طرح ثواب ملے گا جس طرح مالدار کو خرچ کرنے پر ثواب ملے گا، نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ))②

''ہر نیکی صدقہ ہے۔''

اس طرح اسلام نے معاشرہ کی تعمیر، خدمت اور ارتقا میں تمام افراد کی مشارکت کی ضمانت دی اور اس مشارکت کے ذریعے جس سے انسان کی حیثیت متعین ہوتی ہے، عزت و توقیر کی حفاظت ہوتی ہے، اجر و ثواب ملتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں راحت، سرور اور خوشی پیدا ہوتی ہے۔

اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ حقیقت پسندی اور رحم و ہمدردی کا معاملہ کیا کہ انھیں ایسی بات کا مکلف نہیں بنایا جو ان کے بس میں نہ ہو۔ ان سے صرف ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کا مطالبہ کیا اور بقدر رزق و روزی روک لینے والوں پر ملامت نہیں کی بلکہ ان کے لیے یہ چیز بہتر قرار دی کہ وہ اپنی ضرورتیں بذات خود پوری کریں کیونکہ اسلام میں اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے البتہ جو ضرورت سے زائد ہو اس کے خرچ کرنے کا

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب کل معروف صدقة: ٦٠٢٢۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب کل معروف صدقة: ٦٠٢١۔

شمار جود وسخا میں مقابلہ اور مسابقت کے ضمن میں آتا ہے۔ سچا مسلمان خیر کے کاموں میں مال خرچ کرنے سے نہیں رکتا کیونکہ دین کی تعلیمات سے اس نے یہ جانا ہے کہ مال خرچ کرنا بہتر ہے اور اسے روک کر رکھنا برا ہے، ارشاد نبوی ہے:

((يَابْنَ آدَمَ ! إِنَّكَ أَنْ تَبْذُلَ الْفَضْلَ خَيْرٌ لَكَ وَ أَنْ تُمْسِكَهُ شَرٌّ لَكَ وَ لَا تُلَامُ عَلَى كَفَافٍ وَ ابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى)) ①

''اے ابن آدم! اگر تو اپنا زائد مال خرچ کرے گا تو یہ تیرے حق میں بہتر ہے، اگر تو اسے بچا بچا کر رکھے گا تو یہ تیرے لیے برا ہے۔ بقدر ضرورت روکنے میں کوئی ملامت نہیں، خرچ کی ابتدا اس سے کرو جس کی کفالت کرتے ہو، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔''

باشعور، ذکی اور فہیم مسلمان کے ہاتھ میں جب اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضرورت سے زائد کوئی شے آتی ہے تو وہ اسے بچا بچا کر نہیں رکھتا۔ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اور صدقہ کر کے اطمینان محسوس کرتا ہے لیکن اب لوگ احتیاطاً مستقبل میں فقر سے بچنے کے لیے یا مالداری میں ترقی کی منازل طے کرنے کے لیے بینک بیلنس جمع کرتے رہتے ہیں جبکہ ایک باشعور مسلمان دینی تعلیمات کی روشنی میں یہ سمجھتا ہے کہ ایسے موقع پر اس کا صدقہ، صدقات میں سب سے افضل ہے، جیسا کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

''ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: '' اے اللہ کے رسول! کون سا صدقہ اجر کے لحاظ سے افضل ہے؟'' فرمایا: ''وہ صدقہ جسے تم

---

① مسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا ...... الخ: ١٠٣٦۔

ایسی حالت میں دو کہ تندرست ہو، مال کی حرص رکھتے ہو، فقر سے ڈرتے ہو اور دولت کی امید رکھتے ہو پھر ڈھیل نہ دو یہاں تک کہ روح حلق میں پہنچ جائے تو کہنے لگو کہ فلاں کے لیے اتنا ہے، حالانکہ وہ تو فلاں (یعنی تمھارے ورثا کے لیے) ہو چکا ہے۔"①

سچا اور سخی مسلمان عطا، بخشش اور سخاوت ان لوگوں پر کرتا ہے جو تعاون، مدد اور اعانت کے مستحق ہوتے ہیں۔ وہ ان نادار اور محتاج مسکینوں کو تلاش کرتا ہے جو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے اور ان سے باصرار مانگنے سے گریز کرتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ انھیں مالدار سمجھتے ہیں، سو وہ ایسے لوگوں کے پاس جاتا ہے، ان کے دروازے کھٹکھٹاتا ہے اور انھی ان کا حق پہنچاتا ہے جس سے ان کی ضروریات پوری ہوتی ہیں اور ان کی عزت وشرافت کی حفاظت ہوتی ہے۔

اس لیے کہ یہی دست سوال دراز کرنے سے احتراز کرنے والے مساکین بخشش وعطا کے زیادہ مستحق ہیں۔ انھیں کے بارے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

"مسکین وہ نہیں جسے ایک کھجور یا دو کھجوروں یا ایک لقمہ یا دو لقمے پلٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جو مانگنے سے احتراز کرے۔"②

صحیحین کی ایک روایت میں ہے:

"مسکین وہ نہیں جو لوگوں میں گھومتا پھرے اور ایک لقمہ یا دو لقمے اور ایک کھجور یا دو کھجوریں اس کو پلٹا دیں بلکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ اس کی ضرورتیں پوری ہو سکیں، نہ اس کے فقر و محتاجی کا پتا چلے کہ اسے لوگ صدقہ دیں

---

❶ بخاری، کتاب الزکاة، باب صدقة الشحيح والصحيح: ١٤١٩۔ مسلم، کتاب الزکاة، باب بيان أن أفضل الصدقة صدقة و الصحيح الشحيح: ١٠٣٢۔

❷ بخاری، کتاب التفسير، باب لا يسألون الناس الحافا: ٤٥٣٩۔

اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ ہی پھیلائے۔"①

اس طرح فراخ دل اور فیاض مسلمان یتیم پر بھی صدقہ کرتا ہے اور اگر ممکن ہو تو اس کی کفالت کرتا ہے۔ اس کا خرچ برداشت کرتا ہے، اس کے معاملات میں دلچسپی لیتا ہے اور اپنے اس عمل سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اجر و ثواب کی امید رکھتا ہے، جس نے یتیم کی کفالت کرنے والے کے لیے بلند مقام تیار رکھا ہے، جس کی بلندی کا اندازہ لگانا مشکل ہے اور جس کے سامنے تمام خوش کن تمنائیں ہیچ ہیں۔ اس نے اسے جنت میں رسول کریم ﷺ کے جوار کا شرف عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«أَنَا وَ كَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا وَ أَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطَى وَ فَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا»②

"میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔" یہ فرماتے ہوئے آپ ﷺ نے کلمہ شہادت کی اور بیچ کی انگلی کا اشارہ کیا اور ان میں کچھ کشادگی دکھائی۔"

اسی طرح متقی، فضل و احسان کرنے والا اور سخی مسلمان دین کی محکم تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے، رب کی خوشنودی اور رضا چاہتے ہوئے بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرتا ہے اور اس عظیم ثواب کی امید رکھتا ہے جو اللہ تعالیٰ بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والے کو عطا کرے گا، حتیٰ کہ اس کا ثواب روزہ رکھنے والے، نمازیں پڑھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کے اجر سے بھی بڑھ جاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے

---

① بخاری، کتاب الزکاۃ، باب لا یسألون الناس الحافا ...... الخ : ۱۴۷۹۔ مسلم، کتاب الزکاۃ، باب المسکین الذی لا یجد غنی ...... الخ : ۱۰۳۹۔

② بخاری، کتاب الطلاق، باب اللعان...... الخ : ۵۳۰۴۔

خبر دی ہے:

"بیوہ اور مسکین کی خبر گیری کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے۔" (راوی سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) میرا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: "اور مسلسل نمازیں پڑھنے والے اور مسلسل روزے رکھنے والے کی طرح ہے۔"①

یہ ہیں نیکی کے وہ راستے جنھیں سخی اور خرچ کرنے والا مسلمان اختیار کرتا ہے اور ان کے ذریعے اپنے رب کی خوشنودی اور ثواب کی آرزو رکھتا ہے۔ یہ ہیں وہ نیک اعمال جن سے بندے کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے نہ کہ ان دعوتوں سے جو مال داروں اور ذی وجاہت لوگوں کو دی جاتی ہیں جن میں بے تحاشا دولت خرچ کی جاتی ہے، جس کا مقصد محض شہرت، وجاہت اور وقتی فائدہ ہوتا ہے۔ ایسی دعوتوں کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت کی ہے کیونکہ ان سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود نہیں ہوتی، فرمایا:

«شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيمَةِ يُدْعٰى إِلَيْهَا الْأَغْنِيَاءُ وَ يُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ»②

"بدترین کھانا اس ولیمہ کا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے اور غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔"

بیوہ و مسکین کی خبر گیری کرنے، یتیم کی کفالت کرنے اور اس کے ساتھ فضل و احسان کا برتاؤ کرنے کی عظیم ثواب حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ، خرچ کرنے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے، اس کی انسانیت پروان چڑھتی ہے، دل میں رقت طاری ہوتی ہے، وہ بخشش و عطا کی حلاوت محسوس کرنے لگتا ہے، شفقت و محبت کے احساس سے لذت حاصل کرتا ہے

---

① مسلم ، كتاب الزهد ، باب فضل الإحسان...... الخ: ٢٩٨٢۔ بخاری ، كتاب النفقات ، باب فضل النفقة...... الخ : ٥٣٥٣۔

② بخاری ، كتاب النكاح ، باب من ترك الدعوة ...... الخ : ٥١٧٧۔ مسلم ، كتاب النكاح ، باب الأمر ما جاء باجاجة الداعی إلى دعوة : ١٤٣٢۔

اور نیک کام کے ذریعے سعادت حاصل کرنے پر آمادہ رہتا ہے تاکہ اس میں رقت آئے اور ہمدردی و مہربانی، نرمی و طراوت اور محبت و شفقت کی آمیزش ہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی سنگدلی کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِمْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيمِ وَ أَطْعِمِ الْمِسْكِينَ)) ①

"یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلاؤ۔"

خرچ کر کے احسان نہیں جتانا:

متقی اور باشعور مسلمان کو جب اللہ تعالیٰ اپنے راستے میں صدقہ و خیرات کی توفیق عطا فرماتا ہے تو وہ لوگوں پر احسان نہیں جتاتا اور اس کی آرزو ہوتی ہے کہ اس کا شمار ان لوگوں میں ہو جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّ لَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾

(البقرة: ٢٦٢)

"جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے اور نہ دکھ دیتے ہیں، ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان کے لیے کسی رنج و خوف کا اندیشہ نہیں۔"

اس پر یہ بات مخفی نہیں ہوتی کہ احسان جتانے اور تکلیف پہنچانے سے بڑھ کر عمل کو باطل کرنے اور صدقہ کا ثواب ضائع کرنے والی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو احسان جتانے سے منع کیا اور ڈرایا ہے کہ اس سے صدقات بے کار اور نیکیاں بے حیثیت ہو جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان اسے پوری طرح آگاہ کر دیتا ہے اور اس کے وجود کو جھنجھوڑ

① احمد: ٣٨٧/٢۔

دیتا ہے، اس لیے وہ احسان جتلانے یا اذیت پہنچانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ ﴾

(البقرة: ٢٦٤)

"اے ایمان والو! احسان جتا کر اپنے صدقات اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملا دو۔"

غریب انسان پر جسے ضرورت نے صدقہ قبول کرنے پر مجبور کر دیا ہو احسان جتلانا اس کی انسانیت کی توہین، اس کی عزت کی ہتک اور اس کی قدر و منزلت کی رسوائی ہے اور اسلامی شریعت میں یہ سب حرام ہے کیونکہ اس کی نظر میں صدقہ دینے والا اور صدقہ قبول کرنے والا دونوں بھائی ہیں، ان کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں۔ اگر کوئی امتیاز و فضیلت ہو سکتی ہے تو تقویٰ اور عمل صالح کی بنیاد پر، لہٰذا ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی پر احسان نہیں جتلاتا، نہ اذیت پہنچاتا ہے اور نہ اس کی عزت و تکریم کو داغ دار کرتا ہے۔ اس لیے اس حدیث میں جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، احسان جتلانے والے کے لیے سخت وعید آئی ہے۔ ایسے شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بد بخت لوگوں کے زمرہ میں شمار کیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کلام نہیں فرمائے گا، ان کی طرف نظر نہیں اٹھائے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور انھیں دردناک عذاب دیا جائے گا، فرمایا:

"تین اشخاص ایسے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہ کرے گا، نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تین مرتبہ فرمایا) سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یہ لوگ تو برباد و ناکام ہو گئے، وہ کون لوگ ہیں اے اللہ کے رسول؟" فرمایا:

۱۔ کپڑے لٹکانے والا (یعنی اپنا پائجامہ، تہبند اور کپڑا تکبر سے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا) ۲۔ احسان جتلانے والا اور ۳۔ جھوٹی قسمیں کھا کر سودا بیچنے

والا۔“①

مہمان نوازی:

یہ چیز بدیہی اور عیاں ہے کہ سچا مسلمان جس کی روح جود و سخا کی حقیقتوں سے سیراب ہوتی ہے، مہمان نواز ہوتا ہے۔ وہ مہمان کے آنے سے خوش ہوتا ہے۔ اس کے اکرام و اعزاز کی طرف لپکتا ہے اور اپنے دل میں پائے جانے والے اس پاکیزہ اسلامی اخلاق پر لبیک کہتا ہے، جس کا سرچشمہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»②

”جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“

گویا مہمان کی عزت کرنے والا اپنے عمل سے ثابت کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسی لیے اس عزت و اکرام کو حدیث میں انعام سے تعبیر کیا گیا ہے جو مہمان کو دیا جاتا ہے گویا یہ مہمان کا شکریہ ہے کہ اس نے میزبان کو نیک عمل کا موقع دیا، جس سے اس کے ایمان کا تحقق ہوتا ہے اور اس کا رب خوش ہوتا ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

”جو اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی عزت کرے اور اس کا انعام دے۔“ صحابہ کرام نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! اس کا انعام کیا ہے؟“ فرمایا: ”ایک رات پرتکلف مہمانی کرے، مہمان نوازی تین دن تک ہے، اس سے زائد صدقہ ہے۔“③

---

① مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم إسبال الإزار...... الخ: ١٠٦۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب من کان یؤمن باللہ...... الخ: ٦٠١٨۔ مسلم، کتاب الإیمان، باب الحث علی إکرام الجار...... الخ: ٤٧۔

③ بخاری، کتاب الأدب، باب من کان یؤمن باللہ ......الخ: ٦٠١٩۔ مسلم، کتاب اللقطة، باب الضیافة و نحوها، قبل الحدیث: ١٧٦٧۔

اسلام میں مہمان نوازی سچے مسلمان کا پسندیدہ اور محبوب عمل ہے جس پر اسے ثواب ملتا ہے۔ اسلام نے مہمان نوازی کے کچھ آداب بتلائے ہیں اور اس کی کچھ حدود متعین کی ہیں۔ مہمان کا انعام ایک دن ایک رات ہے اس کے بعد ضیافت کا فریضہ آتا ہے جس کی مدت تین دن ہے اور اگر اس سے زائد ہو تو وہ صدقہ ہے جو سخی اور مہمان نواز شخص کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔

اسلام میں مہمان نوازی کوئی اختیاری فعل نہیں ہے جو لوگوں کے مزاج، نفسیات اور شخصی اجتہادات کے تابع ہو بلکہ یہ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس پر لازم ہے کہ اگر کوئی رات اس کا دروازہ کھٹکھٹائے یا اس کے گھر آئے تو وہ اس کی مہمان نوازی اور خاطر و مدارات کرے، ارشاد نبوی ہے:

«لَيْلَةُ الضَّيْفِ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فَمَنْ أَصْبَحَ بِفِنَائِهِ فَهُوَ دَيْنٌ عَلَيْهِ فَإِنْ شَاءَ اقْتَضَاهُ وَ إِنْ شَاءَ تَرَكَهُ» ①

"رات آنے والے شخص کی مہمان نوازی ہر مسلمان پر واجب ہے، البتہ اگر کوئی صبح آئے تو اس کی مہمان نوازی اس پر قرض ہے، اب اگر چاہے تو ادا کرے چاہے تو چھوڑ دے۔"

رہے وہ لوگ جو مہمان کے آنے پر تنگ دل ہو جاتے ہیں اور اس پر اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں تو ان میں کوئی خیر نہیں جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا خَيْرَ فِيمَنْ لَا يُضِيفُ» ②

"جو شخص مہمان نوازی نہ کرے اس میں کوئی خیر نہیں۔"

---

① الأدب المفرد: ٧٤٤، صحيح ـ الصحيحة: ٢٢٠٤ـ

② احمد: ١٥٥/٤ـ

اسلام نے مہمان نوازی کو ہر مسلمان پر واجب قرار دیا ہے اور اسے مہمان کا ایسا حق شمار کیا ہے جس کی ادائیگی میزبان پر فرض ہے اور جس میں کوتاہی مسلمان کے لیے مناسب اور شایان شان نہیں۔ اگر لوگوں کے دلوں میں لالچ گھر کر لے یہاں تک کہ وہ مہمان کا حق ادا کرنے سے گریز کریں تو اسلام نے مہمان کو اجازت دی ہے کہ ان سے اپنا حق وصول کر لے۔ امام بخاری و امام مسلم اور دیگر محدثین نے سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

''میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں بھیجتے ہیں تو راستے میں ایسے لوگوں کے یہاں ٹھہرنا پڑتا ہے جو ہماری مہمان نوازی نہیں کرتے ایسے موقع پر آپ ہمیں کیا کرنے کا حکم دیتے ہیں؟'' فرمایا:

«إِنْ نَزَلْتُمْ بِقَوْمٍ فَأَمَرُوا لَكُمْ بِمَا يَنْبَغِي لِلضَّيْفِ فَاقْبَلُوا فَإِنْ لَمْ يَفْعَلُوا فَخُذُوا مِنْهُمْ حَقَّ الضَّيْفِ الَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ» ①

''اگر تم ایسے لوگوں کے یہاں ٹھہرو اور وہ تمھارے ساتھ ویسا ہی معاملہ کریں جیسا مہمان کے ساتھ کیا جاتا ہے تو ان کی میزبانی قبول کرلو اور اگر وہ ایسا نہ کریں تو تم خود ان سے مہمانی کا حق وصول کرلو جو ان پر عائد ہوتا ہے۔''

مہمان نوازی اسلام کے عمدہ اخلاق میں سے ہے اس لیے کوئی مسلمان جس کا اسلام بہتر ہو، مہمان نوازی میں بخل نہیں کرسکتا، خواہ اس کی اقتصادی حالت جیسی بھی ہو اس لیے کہ اسلام نے تعلیم دی ہے کہ دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے، اسی لیے اگر اچانک کوئی مہمان آپہنچے تب بھی کوئی پریشانی نہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

---

① بخاری ، كتاب الأدب ، باب إكرام الضيف ...... الخ : ٦١٣٧۔ مسلم ، كتاب اللقطة ، باب الضيافة و نحوها : ١٧٢٧۔

«طَعَامُ الْاِثْنَيْنِ كَافِي الثَّلَاثَةِ وَ طَعَامُ الثَّلَاثَةِ كَافِي الْأَرْبَعَةِ» ①

''دو آدمیوں کا کھانا تین آدمیوں کے لیے کافی ہے اور تین آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے۔''

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

''ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار آدمیوں کے لیے کافی ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہے۔'' ②

سچا مسلمان کھانے پر زیادہ لوگوں کے جمع ہونے سے نہیں ڈرتا، جس طرح کہ مغرب کا انسان ڈرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اچانک آ پہنچے جس کے لیے پہلے سے کھانا تیار نہ کیا گیا ہو تو اسے کھانے میں شریک نہیں کرتا، اس کے برعکس مسلمان اچانک آ جانے والے مہمان کا استقبال کرتا ہے، اسے اپنے کھانے میں شریک کرتا ہے اور اس طرح اگر اس کے پیٹ کے حصے سے چند لقمے کم ہو جائیں تو اس کو گراں نہیں سمجھتا، اس لیے کہ بھوکا رہ جانا سچے مسلمان کے نزدیک مہمان سے اعراض کرنے اور منہ موڑنے سے بہتر ہے جس کی عزت کرنے کا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ ایسے موقع پر اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے کھانے میں برکت عطا فرماتا ہے کہ وہ دو آدمیوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اسی طرح مزید...... یہاں اس قابل نفرت خشکی اور بے رخی کا کوئی محرک نہیں ہوتا جس میں مادی تمدن کا پروردہ مغربی انسان مبتلا ہے خواہ وہ مشرق کا رہنے والا ہو یا مغرب کا۔

ہمارے سلف صالحین نے مہمان نوازی کی ایک اعلیٰ مثال قائم کی ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کو بھی مہمان نوازی کے سلسلہ میں ان کا عمل پسند آیا۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی

---

① بخاری، كتاب الأطعمة، باب طعام الواحد يكفي الاثنين: ٥٣٩٢۔ مسلم، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة...... الخ: ٢٠٥٨۔

② مسلم، كتاب الأشربة، باب فضيلة المواساة...... الخ: ٢٠٥٩۔

حدیث میں ہے:

''ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے پاس کہلا بھیجا (کہ جو کچھ کھانا ہو بھیج دو) سب نے جواب دیا کہ ہمارے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں۔ تب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: ''اس شخص کی کون مہمان نوازی کرسکتا ہے؟'' ایک انصاری نے عرض کیا: ''میں'' پھر وہ اسے اپنے گھر لے گئے اور اپنی بیوی سے کہا: ''رسول اللہ ﷺ کے مہمان کی خاطر تواضع کرو۔'' بیوی نے کہا: ''میرے پاس بچوں کے کھانے کے علاوہ کچھ نہیں۔'' انھوں نے کہا: ''بچوں کو سلا دینا۔'' بیوی نے ایسا ہی کیا، کھانا تیار کرلیا اور بچوں کو سلا دیا۔ پھر کھڑی ہوئی اور چراغ درست کرنے کے بہانے اسے گل کر دیا اور دونوں نے مہمان کے ساتھ بیٹھ کر یہ ظاہر کیا کہ اس کے ساتھ وہ بھی کھا رہے ہیں۔ اس طرح انھوں نے (مہمان کو کھانا کھلا دیا اور خود) فاقے سے رات گزار دی، جب صبح ہوئی اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

«لَقَدْ عَجِبَ اللّٰهُ مِنْ صَنِيعِكُمَا بِضَيْفِكُمَا اللَّيْلَةَ»

''تم دونوں (میاں بیوی) نے رات اپنے مہمان کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند آیا۔''

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحشر: ۹)

''وہ اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچائے گئے وہی فلاح پانے والے

ہیں۔“①

حقیقی مسلمان سمجھ دار اور ذہین ہوتا ہے، وہ جب اپنے بھائی کے یہاں مہمان بن کر جاتا ہے تو اس کے حالات کا خیال رکھتا ہے اور زیادہ دن اس کے گھر پڑا نہیں رہتا کہ اس کے رہنے سے میزبان کو دشواری، پریشانی اور حرج لاحق ہو، یہاں تک کہ بعض اوقات معاملہ تنگی، دل برداشتگی اور نفرت وکراہیت تک پہنچ جاتا ہے بلکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات سے یہ جانتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایسا کرنے کو حرام قرار دیا ہے اور اسے اسلام کی روح کے منافی بتلایا ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

”مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اسے گنہگار کردے۔“ صحابہ نے عرض کیا: ”اے اللہ کے رسول! وہ اسے گنہگار کیسے کر دے گا؟ فرمایا: ”اس کے یہاں ٹھہرے گا اور اس کی ضیافت کے لیے میزبان کے پاس کچھ نہیں رہے گا۔“②

بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

《وَلَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتَّى يُحْرِجَهُ》③

”اس کے لیے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے یہاں اتنا ٹھہرے کہ اسے تنگی میں ڈال دے۔“

بہر حال چاہے گناہ کا اندیشہ ہو یا تنگی کا، حقیقی مسلمان اپنے میزبان کو بے جا تکلیف میں مبتلا نہیں کرتا۔ مسلمان مہمان، با ادب اور سلیقہ مند ہوتا ہے، اسلام نے اسے ضیافت

---

① مسلم کتاب الأشربة، باب إكرام الضيف و فضل إيثاره: ٢٠٥٤ـ بخاری، کتاب مناقب الأنصار، باب قول الله عزوجل ...... الخ: ٣٧٩٨ـ

② مسلم، کتاب اللقطة، باب الضيافة ونحوها، قبل الحديث: ١٧٢٧ـ

③ بخاری، کتاب الأدب، باب إكرام الضيف ...... الخ: ٦١٣٥ـ

کے جو آداب و اخلاق سکھلائے ہیں ان پر پوری دقت و باریکی کے ساتھ عمل پیرا ہوتا ہے، وہ اپنے میزبانوں کے ساتھ خوش طبع و خوش مزاج ہوتا ہے اور وہ لوگ جو کچھ چاہتے ہیں یا جن باتوں یا جن خواہشات کا اظہار کرتے ہیں انھیں خوش اخلاقی کے ساتھ بجا لاتا ہے۔

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ نے ایک ادب یہ بھی بتلایا ہے:

> ''جو شخص کہیں مہمان بنے تو گھر والوں کی اجازت کے بغیر روزہ نہ رکھے اور جب گھر میں داخل ہو تو جہاں وہ لوگ کہیں وہیں بیٹھے کیونکہ گھر والے اپنے گھر کی قابل پردہ جگہوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں۔''①

دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینا:

حقیقی مسلمان جس کا دل اسلام کے سرچشموں سے سیراب ہوتا ہے، ایثار کرتا ہے خواہ غریب ہو، فقر میں مبتلا ہو، اس لیے کہ اسلام نے اپنی تعلیمات کے ذریعے اسے ایثار کا عادی بنا دیا ہے۔ یہاں تک کہ ایثار کا شمار حقیقی مسلمان کے بنیادی اخلاق میں ہوتا ہے اور اسی صفت کے ذریعے اسے دوسروں کے مقابلے میں پہچانا اور ممتاز کیا جاتا ہے۔

انصار رضی اللہ عنہم رسول کریم ﷺ کے بعد ایثار کے علمبردار تھے یہاں تک کہ ان کے بارے میں قرآن نازل ہوا جس میں ان کے بے مثل ایثار کی تحسین و تعریف کی گئی۔ ان کے ایثار نے انھیں آئندہ نسلوں کے لیے زندہ و جاوید اور مینارۂ نور بنا دیا۔ جنھیں دیکھ کر معلوم کیا جاتا ہے کہ سخاوت کیسے کی جاتی ہے اور ایثار کسے کہتے ہیں؟ ان کے ایثار کی عظمت کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب ان کے مہاجر بھائی تہی دست و تہی دامن ان کے یہاں آئے تو انھوں نے خندہ روئی کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنی ہر چیز میں انھیں شریک کیا۔ قرآن وضاحت فرماتا ہے:

﴿ وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ إِلَيْهِمْ

---

① طبرانی فی الأوسط: ٦٥٥١/٧ ـ طبرانی فی الصغیر: ٩٦٦ ـ

وَ لَا يَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا اُوْتُوْا وَ يُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَ لَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَّ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (الحشر: ۹)

''اور وہ لوگ جو مہاجرین کی آمد سے پہلے ہی ایمان لا کر دارالہجرت میں مقیم تھے، ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جو ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں اور جو کچھ بھی ان کو دے دیا جائے اس کی کوئی حاجت اپنے دلوں میں محسوس نہیں کرتے اور اپنی ذات پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں خواہ اپنی جگہ خود محتاج ہوں، حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اپنے دل کی تنگی سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔''

نبی ﷺ کی حیات طیبہ ایثار سے پر تھی۔ آپ ﷺ نے خود عمل کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نفوس میں ایثار راسخ کیا اور ان کی طبیعتوں اور عادتوں میں پیوست کیا۔ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک بُنی ہوئی چادر لے کر آئی اور عرض کیا میں نے اسے اپنے ہاتھ سے بُنا ہے تاکہ آپ کو پہناؤں۔ نبی ﷺ نے اس کی ضرورت محسوس کرتے ہوئے اسے لے لیا۔ پھر آپ ﷺ اس کو تہہ بند بنا کر باہر ہمارے مجمع میں تشریف لائے تو ایک شخص نے کہا: ''کتنی اچھی ہے، یہ مجھے دے دیجیے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ٹھیک ہے (لے لو)۔'' آپ وہیں بیٹھے رہے پھر تھوڑی دیر کے بعد تشریف لے گئے اور چادر لپیٹ کر اسے بھیج دی۔ لوگ اس شخص سے کہنے لگے: ''تم نے اچھا نہیں کیا۔ نبی ﷺ اسے پہنے ہوئے تھے، آپ ﷺ کو اس کی ضرورت بھی تھی، اس کے باوجود تم نے مانگ لی، حالانکہ تم جانتے ہو کہ آپ ﷺ کسی سائل کو واپس نہیں کرتے۔'' اس نے

کہا: ''اللہ کی قسم! میں نے اسے اس لیے نہیں مانگا ہے کہ اسے پہنوں بلکہ صرف اس لیے مانگا ہے کہ یہ میرا کفن بنے۔'' سیدنا سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ چادر اس کے کفن ہی میں کام آئی۔''①

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر خوشی ہوتی تھی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھتے تھے کہ آپ نے مسلمانوں کی زندگیوں میں ایثار کا جو پودا لگایا تھا وہ بار آور ہو رہا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خوشی کا اظہار یوں فرماتے:

''قبیلہ اشعر والوں کی عادت ہے کہ جب کسی غزوہ میں ان کا زادِ راہ ختم ہونے کے قریب ہوتا ہے یا مدینہ میں ان کے اہل وعیال کی خوراک کم پڑ جاتی ہے تو سب کے پاس جو کچھ ہوتا ہے اسے ایک کپڑے میں جمع کرتے ہیں پھر ایک برتن سے سب کو برابر تقسیم کر دیتے ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔''②

تنگدست قرض دار کو مہلت دینا:

حقیقی مسلمان فراخ دل، روادار، خوش اطوار اور خلیق ہوتا ہے، چنانچہ وہ ارشاد باری تعالیٰ:

﴿ وَ اِنۡ کَانَ ذُوۡ عُسۡرَۃٍ فَنَظِرَۃٌ اِلٰی مَیۡسَرَۃٍ ﴾ (البقرۃ: ۲۸۰)

''اگر (قرض دار) تنگ دست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دو۔''

پر عمل کرتے ہوئے تنگ دست قرض دار کو مہلت دینے کی طرف سبقت کرتا ہے کیونکہ اسلام مسلمان سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ صاحب حق ہونے سے پہلے انسان ہو، چنانچہ جب

---

① بخاری، کتاب اللباس، باب البرود والحِبر والشملة: ۵۸۱۰۔

② بخاری، کتاب الشرکة، باب الشرکة فی الطعام ...... الخ: ۲۴۸۶۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل الاشعریین رضی اللہ عنہم: ۲۵۰۰۔

اپنے قرض دار بھائی کو تنگی و پریشانی میں دیکھے تو اسے معذور سمجھے، جب تنگی میں مبتلا ہو اس کا لحاظ کرتے ہوئے اسے مہلت دے دے یا قرض کا کچھ حصہ معاف کر دے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اپنے رب کے حکم کی تعمیل کرے گا اور آخرت کی زندگی کے لیے نیک عمل انجام دے گا جس کی بدولت اللہ تعالیٰ روز قیامت کی تکلیفوں سے اسے نجات دے گا اور اپنے عرش عظیم کے سایہ میں جگہ دے گا جس دن کہ اس کے سایہ کے علاوہ کوئی سایہ نہ ہو گا۔

سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُنْجِيَهُ اللّٰهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ)) ①

''جس کی خواہش ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے روز قیامت کی تکلیفوں سے نجات دے اسے چاہیے کہ محتاج و تنگ دست قرض دار کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے۔''

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ)) ②

''جو شخص تنگدست قرض دار کو مہلت دے یا اس کا قرض معاف کر دے اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ دے گا جبکہ اس کے سائے کے علاوہ کہیں سایہ نہ ہو گا۔''

اس موضوع سے متعلق بہت سی نصوص مروی ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اگر قرض کا مطالبہ کرنے والا قرض دار کو مہلت دے یا قرض معاف کر دے تو اس کا یہ عمل

① مسلم، كتاب المساقاة، باب فضل إنظار المعسر...... الخ: ١٥٦٣۔

② ترمذی، كتاب البيوع، باب ما جاء في إنظار المعسر والرفق به: ١٣٠٦۔

اللہ تعالیٰ کے یہاں رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ وہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور اس کے اپنے بھائی کو درگزر کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت میں اس سے بھی درگزر فرمائے گا اور اس نیک عمل کی بدولت اس وقت جب لوگ رب العالمین کے روبرو کھڑے ہوں گے، اس کی کوتاہیوں کی تلافی ہوگی، لغزشیں معاف ہوں گی اور ہولناکی سے نجات ملے گی۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے ملازم سے کہتا تھا کہ جب تنگ دست مقروض سے مطالبہ کرو تو اس سے درگزر کرنا، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے بھی درگزر فرمائے گا، جب وہ شخص اپنے پروردگار سے ملا تو اس نے اس سے بھی درگزر فرمایا۔''①

سیدنا ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''تم سے پہلے لوگوں میں سے ایک شخص کا حساب لیا گیا تو اس کی کوئی نیکی نہ ملی، سوائے اس کے کہ وہ لوگوں سے خرید وفروخت کا معاملہ کرتا تھا، وہ مالدار تھا اور اس نے اپنے غلاموں سے کہہ رکھا تھا کہ تنگدست مقروض سے درگزر کیا کریں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

«نَحْنُ أَحَقُّ بِذٰلِكَ مِنْهُ تَجَاوَزُوْا عَنْهُ»

''ہم اس سے زیادہ درگزر کرنے والے ہیں (اور فرشتوں کو حکم دیا کہ) اس سے درگزر کرو۔''②

---

① بخاری، کتاب البیوع، باب من أنظر معسرًا: ۲۰۷۸۔ مسلم، کتاب المساقاة، باب فضل إنظار المعسر ...... الخ: ۱۵۶۲۔

② مسلم، کتاب المساقاة، باب فضل إنظار المعسر...... الخ: ۱۵۶۱۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''اللہ تعالیٰ کے ایک بندے کو اس کی بارگاہ میں حاضر کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا: ''تو نے دنیا میں کیا کیا؟'' پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ﴿ وَلَا يَكْتُمُونَ اللّٰهَ حَدِيثًا ﴾ ''یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔'' وہ عرض کرے گا: ''اے رب! تو نے مجھے مال دیا میں لوگوں سے خرید و فروخت کرتا تھا، خرید و فروخت کرنے میں نرمی میری عادت تھی، میں مالدار سے آسانی کا برتاؤ کرتا تھا اور نادار و تنگدست کو مہلت دیتا تھا۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تجھ سے زیادہ درگزر کا حق رکھتا ہوں (پھر فرشتوں کو حکم دیا) میرے بندے سے درگزر کرو۔''

سیدنا عقبہ بن عامر اور سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

''ہم نے ایسا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے سنا ہے۔''①

دست سوال دراز کرنے سے بچنا:

حقیقی مسلمان محتاط اور بے نیاز ہوتا ہے، کسی کے سامنے دست سوال نہیں پھیلاتا، جب اس پر تنگی آپڑتی ہے اور وہ پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو صبر کا دامن تھام لیتا ہے، مزید محنت و مشقت اور کد و کاوش کرنے لگتا ہے۔ اس کی شدید خواہش ہوتی ہے کہ وہ گدائی نہ کرے، نہ کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے اور نہ صدقہ و خیرات کرنے والوں کی طرف امید بھی نظروں سے دیکھے۔ اس لیے کہ اس دین کی تعلیمات مسلمان کو ایسا کرنے سے باز رکھتی ہیں۔ اسے عفت و پاکدامنی، استغنا و بے نیازی اور صبر پر اکساتی ہیں اور تسلی دیتی ہیں کہ عنقریب اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا اور اسے مال داری، صبر اور پاکدامنی بخشے گا۔

---

① مسلم، كتاب المساقاة، باب فضل إنظار المعسر...... الخ: ١٥٦٠۔

«مَنْ يَسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَصْبِرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ مِنْ عَطَاءٍ خَيْرٌ وَأَوْسَعُ مِنَ الصَّبْرِ»①

''جو خود دار رہنا چاہے گا، اللہ اسے خود دار رکھے گا، جو غنی رہنا چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے غنی رکھے گا، جو صبر اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اللہ تعالیٰ اسے صبر عطا فرمائے گا، البتہ اگر کسی کو بے مانگے کچھ مل جائے تو اس کا لینا صبر کرنے سے بہتر ہے۔''

اسلام جس نے اغنیا کے اموال میں فقراء کا حق متعین کیا ہے، اس نے ایک طرف اغنیاء کو حکم دیا ہے کہ بغیر احسان جتلائے یا ایذا پہنچائے یا تنگ دل ہوئے یہ حق ادا کریں، دوسری طرف اس نے غریبوں کو بھی حکم دیا ہے کہ اس حق سے استغنا برتیں۔ اس نے اعلان کیا کہ اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے اور حقیقی مسلمان کو ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کا ہاتھ نیچے نہ ہونے پائے۔ یہیں اس کے مناسب، شایان شان اور لائق ہے، اسی طرح اس نے تنگدست اور غریبوں کو رغبت دلائی کہ دگنی محنت کریں اور صدقہ وعطا پر بھروسا نہ کرلیں۔ اس طرح ان کی عزت وکرامت کی حفاظت ہوتی ہے اور اسے ٹھیس نہیں لگتی۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ نے منبر پر سے صدقہ اور دست سوال دراز کرنے سے احتراز کا تذکرہ کرتے ہوئے اعلان فرمایا:

«اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى فَالْيَدُ الْعُلْيَا هِيَ الْمُنْفِقَةُ وَالسُّفْلٰى هِيَ السَّائِلَةُ»②

---

① مسلم، كتاب الزكاة، باب فضل التعفف ...... الخ: ١٠٥٣۔ بخاری، كتاب الزكاة باب الاستعفاف عن المسألة: ١٤٦٩۔

② بخاری، كتاب الزكاة باب لا صدقة إلا على ظهر غنى: ١٤٢٩۔ مسلم، كتاب الزكاة، باب بيان أن اليد العليا خير......الخ: ١٠٣٣۔

''اوپر والا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ صدقہ کرنے والے کا ہے اور نچلا ہاتھ مانگنے والے کا۔''

مومن کی لوگوں سے محبت اور لوگوں کی اس سے محبت:

باشعور اور دینی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان خوش اخلاق لوگوں سے محبت کرنے والا اور لوگوں کا محبوب ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے، ان میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان سے دوستی رکھتا ہے۔ اسی طرح لوگ بھی اس سے محبت کرتے ہیں، اس سے دوستی رکھتے ہیں۔ یہ ایک بلند معاشرتی خصلت ہے، جس سے تہذیب یافتہ مسلمان متصف ہوتا ہے کیونکہ وہ دین کے پیغام کا شعور رکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ معاشرہ میں لوگوں سے میل جول رکھنا اور ان کا اعتماد حاصل کرنا مسلمان کی اہم ذمہ داری ہے اور یہی چیز انھیں کلمہ حق سنانے اور جن اقدار و روایات کا وہ حامل ہے ان سے واقف کرانے کا مؤثر اور کامیاب ذریعہ ہے اس لیے کہ لوگ اس کی بات سنتے ہیں جس سے محبت کرتے اور جس پر اعتماد رکھتے ہیں صرف انھی لوگوں کی بات پر یقین رکھتے ہیں۔ جن کے بارے میں ان کے دل میں اعتماد، محبت اور بھروسا ہو، اسی لیے نصوص میں اس قسم کے لوگوں کی عظیم شان بتلائی گئی ہے جو لوگوں سے محبت کرتے اور جن سے لوگ محبت کرتے ہیں۔ ان کا شمار اس گروہ میں کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ کے نزدیک سب سے محبوب ہے اور جو قیامت کے روز سب سے زیادہ آپ ﷺ سے قریب ہوگا، ارشاد نبوی ہے:

''کیا میں تمھیں ان لوگوں کے بارے میں نہ بتلاؤں جو میرے نزدیک سب سے محبوب اور قیامت کے دن مجھ سے سب سے زیادہ قریب ہوں گے۔''
آپ ﷺ نے دو یا تین مرتبہ ایسا ہی فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! ضرور بتلائیے۔'' فرمایا: ''جن کے اخلاق اچھے ہیں۔''[1]

---

[1] احمد: ۲۱۸/۲۔

بعض روایات میں یہ اضافہ ہے:

"جو نرم خو ہوں، لوگوں سے محبت کرنے والے اور ان کے محبوب ہوں۔"

مومن کی صفات میں سے ہے کہ وہ محبت کرنے والا اور محبوب ہوتا ہے۔ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور لوگ اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور لوگ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو وہ پیغام کی تبلیغ نہیں کرسکتا۔ نہ اس سے کوئی امید کی جاسکتی ہے اور نہ وہ کوئی ذمہ داری ہی سرانجام دے سکتا ہے۔ سو جو شخص ایسا ہو اس میں کوئی خیر نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"مومن محبت کرنے والا اور محبت کیا جانے والا ہوتا ہے، اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ دوسرے سے محبت کرے اور نہ دوسرے اس سے محبت کریں۔" [1]

رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے اور ان کے دل موہ لینے کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔ قول و عمل اور کردار میں اپنا اسوہ اختیار کرنے کی دعوت دی ہے اور لوگوں کے دلوں میں گھر کرنے اور ان کی محبت و مودت اور پسندیدگی حاصل کرنے کا معتدل راستہ بتلایا ہے۔ آپ ﷺ ہر وقت خندہ رو، نرم خو اور خوش خلق رہتے ہیں۔ اگر کسی مجلس میں جاتے تو آخر میں بیٹھتے اور دوسروں کو بھی اسی کا حکم دیتے۔ اپنی مجلس میں بیٹھنے والے تمام لوگوں کو ان کا حق دیتے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز ہے۔ جس نے کبھی آپ ﷺ سے کچھ مانگا آپ ﷺ نے اسے خالی واپس نہیں کیا اور اگر مجبوری ہوئی تو نرم بات کہہ کر معذرت کرلی۔ آپ ﷺ کی خوش طبعی و خوش خلقی تمام لوگوں کے لیے عام تھی۔ آپ ﷺ ان کے باپ کی طرح تھے اور وہ لوگ حق کے معاملہ میں آپ ﷺ کے نزدیک برابر تھے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں تمام لوگ برابر تھے، کسی کو کسی پر کوئی ترجیح اور امتیاز نہ تھا

---

[1] مسند احمد: ۲/۴۰۰۔

اگر تھا تو صرف تقویٰ کی بنیاد پر۔ سب لوگ تواضع اختیار کرتے تھے، بڑوں کی عزت وتکریم کرتے، چھوٹوں پر رحم، شفقت اور مہربانی سے پیش آتے، ضرورت مند کو ترجیح دیتے اور اجنبی و پردیسی کا خیال رکھتے۔

آپ ﷺ سے امید اور آس رکھنے والا مایوس اور ناکام و نامراد نہ لوٹتا تھا۔ آپ ﷺ تین چیزوں سے دور رہتے تھے۔ لڑائی جھگڑا، ڈینگیں مارنا اور لایعنی چیزوں میں پڑنا۔ آپ ﷺ لوگوں کے بارے میں تین چیزوں سے اجتناب کرتے تھے۔ کسی کی برائی نہ کرتے، کسی کو عار نہ دلاتے اور نہ کسی کے عیوب کے پیچھے پڑتے۔ آپ ﷺ صرف وہی کہتے جس میں ثواب کی امید ہوتی۔ جب آپ ﷺ گفتگو فرماتے تو مجلس میں خاموشی چھا جاتی اور ایسا سناٹا چھا جاتا گویا سروں پر پرندے بیٹھے ہوں اور جب آپ ﷺ خاموش ہو جاتے تب دوسرے لوگ بولتے۔ آپ ﷺ کی مجلس میں لوگ لڑائی جھگڑا نہ کرتے۔ جن باتوں پر لوگ ہنستے اُن پر آپ ﷺ بھی ہنستے اور جن باتوں پر لوگ تعجب کرتے ان پر آپ ﷺ بھی تعجب کا اظہار فرماتے۔ اگر کوئی اجنبی آپ ﷺ سے گفتگو کرنے یا کچھ مانگنے میں درشت کلامی کرتا تو آپ برداشت کر لیتے یہاں تک کہ آپ کے اصحاب اس کی اس گستاخی پر اسے سرزنش کرتے۔ آپ ﷺ صحابہ سے فرماتے: ”جب کسی ضرورت مند کو دیکھو تو اس کی مدد کرو۔“ آپ ﷺ کسی سے تعریف سننا پسند نہیں فرماتے تھے اور نہ کسی کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا یا مجلس سے چلا جاتا۔“[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ برے لوگوں سے بچتے تھے اور ان کے ساتھ نرم گفتگو اور اچھا برتاؤ کر کے انھیں اپنی طرف مائل کر لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] ترمذی فی الشمائل: ۳۵۰۔ حیاۃ الصحابۃ ۲۳،۲۲/۱۔

"آنے دو، یہ اپنی قوم کا سب سے برا آدمی ہے۔" پھر جب وہ شخص آیا تو آپ ﷺ نے اس سے بہت نرمی سے گفتگو فرمائی۔ اس کے جانے کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! آپ نے پہلے تو اس شخص کے بارے میں فرمایا(کہ وہ اپنی قوم کا سب سے برا آدمی ہے) پھر اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اے عائشہ! لوگوں میں سب سے برا آدمی وہ ہے جس کی سخت گوئی سے بچنے کے لیے لوگ اس سے نہ الجھیں۔"①

بے شک حقیقی مسلمان لوگوں سے معاملہ کرنے میں رسول امین ﷺ کے نقش قدم پر چلتا ہے خواہ وہ نیک ہوں یا برے۔ اس طرح وہ تمام لوگوں کے نزدیک محبوب، پیارا، منظور نظر اور مقبول ہو جاتا ہے۔

اپنی عادات کو اسلامی سانچے میں ڈھالنا:

حقیقی اور باشعور مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ اپنی ہر پسندیدہ عادت کو اسلام کے سانچے میں ڈھالتا ہے۔ اس کی تمام معاشرتی قدریں اسلام کے تصور، اس کے مفاہیم اور اس کے امتیازی و بنیادی اصولوں سے مستفاد و مستند ہوتی ہیں۔

چنانچہ وہ سونے کی انگوٹھی نہیں پہنتا اس لیے کہ سونے کی انگوٹھی استعمال کرنا اسلام میں مردوں کے لیے حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو فرمایا:

((يَعْمِدُ أَحَدُكُمْ إِلَى جَمْرَةٍ مِنْ نَارٍ فَيَجْعَلُهَا فِي يَدِهِ))②

"تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اپنے ہاتھ میں جہنم کا ایک انگارہ رکھے؟"

---

① مسلم، كتاب البر والصلة، باب مدارة من يتقى فحشه: ٢٥٩١ـ بخاری، كتاب الأدب، باب لم يكن النبی صلى الله عليه وسلم فاحشا ولا متفاحشا: ٦٠٣٢ـ

② مسلم، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم خاتم الذهب ......الخ: ٢٠٩٠ـ

پھر آپ ﷺ نے اس شخص کی انگلی سے انگوٹھی نکالی اور زمین پر پھینک دی۔ اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس آدمی کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت و اتباع اور تابعداری کا کیا جذبہ موجود تھا کہ جب اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا: ''اپنی انگوٹھی اٹھا لو اور اسے بیچ کر اس کی قیمت سے فائدہ اٹھاؤ۔'' تو اس نے کہا: ''اللہ کی قسم! میں ایسا نہیں کروں گا، جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہو اسے میں نہیں اٹھا سکتا۔''

اسی طرح سچا مسلمان سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا نہیں کھاتا اور نہ ریشم و حریر کے کپڑے پہنتا ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے بہت سی احادیث میں اس سے منع فرمایا ہے مثلاً سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''نبی ﷺ نے ہمیں ریشم و دیبا کے استعمال کرنے اور سونے چاندی کے برتنوں میں پینے سے منع کیا اور فرمایا: ''یہ دوسرے لوگوں کے لیے دنیا ہی میں ہیں اور تمھارے لیے آخرت میں۔'' ①

سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص چاندی کے برتن میں پانی پیتا ہے دراصل وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ ڈالتا ہے۔'' ②

مسلم کی ایک روایت میں مزید ہے:

''وہ شخص جو سونے اور چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے۔''

اس کی دوسری روایت میں ہے:

''جو شخص سونے چاندی کے برتن میں پانی پیے یا کھانا کھائے وہ دراصل اپنے

---

① بخاری، كتاب الأشربة، باب الشرب فی آنية الذهب: ٥٦٣٢۔ مسلم، كتاب اللباس، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة: ٢٠٦٧۔

② بخاری، كتاب الأشربة، باب الشرب فی انية الذهب: ٥٦٣٤۔ مسلم، كتاب اللباس و الزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب...... الخ: ٢٠٦٥۔

پیٹ میں جہنم کی آگ ڈالتا ہے۔" ①

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"دنیا میں ریشم تو وہ شخص پہنتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔" ②

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنے داہنے ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا:

((اِنَّ هٰذَیْنِ حَرَامٌ عَلٰی ذُکُوْرِ اُمَّتِیْ)) ③

"یہ دونوں چیزیں میری امت پر حرام ہیں۔"

سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ریشم کا لباس اور سونے کے (زیورات) میری امت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کے لیے حلال ہیں۔" ④

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"نبی ﷺ نے ہمیں سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانے پینے، ریشم و دیبا کے کپڑے پہننے اور ان پر بیٹھنے سے منع کیا ہے۔" ⑤

حقیقی مسلمان رسول کریم ﷺ کے حکم کی تعمیل میں ان چیزوں کو اپنے آپ حرام سمجھتا ہے بغیر اس کے کہ خود اس پر تحریم کی علت واضح ہو...... اس لیے کہ کسی چیز کو حلال قرار

---

❶ مسلم ، کتاب اللباس و الزینة ، باب تحریم استعمال أو انی الذهب ...... الخ : ۲۰٦٥۔

❷ بخاری ، کتاب اللباس ، باب لبس الحریر للرجال...... الخ: ٥٨٣٥۔

❸ ابوداؤد ، کتاب اللباس، باب فی الحریر للنساء : ٤٠٥٧۔

❹ ترمذی، کتاب اللباس ، باب ما جاء فی الحریر و الذهب للرجال: ١٧٢٠۔

❺ بخاری، کتاب اللباس ، باب افتراش الحریر : ٥٨٣٧۔

دینے یا حرام کرنے کا قانون اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے:

﴿ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا ﴾ (الحشر: ۷)

''جو کچھ رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے تمھیں روک دے اس سے رک جاؤ۔''

وہ منگنی اور شادی کی ان رسموں کے پیچھے نہیں پڑتا جنھیں لوگوں نے مغرب سے اندھوں اور طوطوں کی طرح بغیر سوچے سمجھے اور بغیر دانش وبینش کے قبول کرلیا ہے جیسے کہ داہنے ہاتھ میں منگنی کی انگوٹھی پہننا، پھر شب زفاف میں اسے بائیں ہاتھ میں منتقل کرنا۔ اسی طرح وہ کسی نامحرم فوٹو گرافر کو آنے کی اجازت نہیں دیتا کہ جو شب زفاف میں اس کے اور اس کی بیوی کے یادگاری فوٹو لے۔ اسی طرح وہ دیگر ان چیزوں سے بھی احتراز کرتا ہے جن کے لوگ ان معاشروں میں عادی ہوگئے ہیں جن پر مغربی تہذیب نے فکری اور نفسیاتی حملہ کیا ہے جس سے اس کی حقیقی شکل وصورت بگڑ گئی ہے لیکن اس کے باوجود وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام سے ان کا گہرا تعلق ہے۔

ان عادات میں سے جنھیں باشعور مسلمان اپنی معاشرتی زندگی سے ساقط کر دیتا ہے، گھروں میں تصویر لٹکانے، مجسمے نصب کرنے اور نگرانی کے سوا محض فیشن کے لیے کتے پالنے کی عادت ہے۔ اسلام نے یہ عادتیں اختیار کرنے سے شدت سے منع کیا ہے اور قطعی نصوص میں انھیں تمام مسلمانوں کے لیے سخت حرام قرار دیا ہے جس میں ادنیٰ سی بھی رخصت اور ڈھیل کی گنجائش نہیں۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِنَّ الَّذِيْنَ يَصْنَعُوْنَ هٰذِهِ الصُّوَرَ يُعَذَّبُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ـ يُقَالُ لَهُمْ: أَحْيُوْا مَا خَلَقْتُمْ» [1]

---

[1] بخاری، کتاب اللباس، باب عذاب المصورین یوم القیامة: ۵۹۵۱۔ مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر صورة الحیوان: ۲۱۰۸۔

"جو لوگ یہ تصویریں بناتے ہیں انھیں قیامت میں عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا جو کچھ تم نے بنایا ان میں جان ڈالو۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے تشریف لائے۔ میں نے ایک کھڑکی پر ایک پردہ لٹکا رکھا تھا جس میں کچھ تصویریں تھیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس پر پڑی تو آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے عائشہ! قیامت میں سب سے سخت عذاب ان لوگوں پر ہو گا جو اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کی نقل اتارتے ہیں۔" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "ہم نے اس کے ٹکڑے کر کے ایک یا دو تکیے بنا لیے۔" ①

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص سے جو تصویریں بناتا تھا، کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

((كُلُّ مُصَوِّرٍ فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُورَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسٌ فَيُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ))

"تصویر بنانے والے کو جہنم میں ڈالا جائے گا اور جتنی تصویریں اس نے بنائی ہوں گی ان میں اللہ تعالیٰ جان ڈال دے گا اور وہ اس پر عذاب کریں گی۔"

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

"اگر تصویریں بنانا ہی ہیں تو درخت اور بے جان چیزوں کی تصویریں بناؤ۔" ②

---

❶ بخاری، کتاب اللباس، باب ما وُطی من التصاویر: ٥٩٥٤۔ مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم التصویر...... الخ: ٢١٠٧۔

❷ مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم تصویر ...... الخ: ٢١١٠۔ بخاری: ٢٢٢٥۔

سیدنا ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيهِ كَلْبٌ وَ لَا صُورَةٌ))①

''جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس میں فرشتے نہیں آتے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

''سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا کہ میں فلاں وقت آؤں گا۔ وہ وقت ہو گیا مگر سیدنا جبرئیل نہیں آئے (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پھینک دیا اور فرمایا: ''اللہ اور اس کا رسول وعدہ خلافی نہیں کرتا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر چارپائی کے نیچے پڑی تو کتے کا پلا نظر آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یہ کتا کب آ گیا؟'' میں نے عرض کیا: ''مجھے تو معلوم نہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نکال دینے کا حکم دیا، پھر سیدنا جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا، میں آپ کے انتظار میں بیٹھا رہا مگر آپ وقت پر نہ آئے۔'' سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''مجھے اس کتے نے روکے رکھا جو آپ کے گھر میں تھا، ہم اس گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔''②

اس سلسلہ میں بے شمار نصوص مروی ہیں جو تصاویر عام کرنے اور مجسمے نصب کرنے کو حرام قرار دیتی ہیں۔ زمانے نے اس تحریم کی حکمت بھی بتلا دی ہے خاص طور پر اس زمانے میں جب کہ منافقین، چاپلوسی پسند، با اقتدار لوگوں کے حوالی موالی اور ان سے امیدیں وابستہ رکھنے والے لوگوں نے ان کی چاپلوسی کر کے انھیں مزید سرکشی میں مبتلا کر دیا ہے۔

---

① مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ...... الخ: ٢١٠٦۔ بخاری، کتاب اللباس، باب التصاویر: ٥٩٤٩۔

② مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب تحريم تصوير صورة الحيوان ...... الخ: ٢١٠٤۔

ان کی زندگی میں یا ان کے مرنے کے بعد ان کے مجسمے بطور یادگار قائم کر کے انھیں ''معبود'' کے مقام یا اس کے قریب تک پہنچا دیا ہے۔ وہ سریر عظمت پر جلوہ گر ہوتے ہیں اور کمزور لوگوں پر کوڑے برساتے ہیں۔

اسلام جو عقیدۂ توحید لے کر آیا ہے اور جس نے پندرہ صدیاں قبل شرک و جاہلیت کے بتوں کو چکنا چور کر دیا، ان بتوں کو دوبارہ مسلمانوں کی زندگی میں آنے کا انکار کرتا ہے، فلاں لیڈر کی یادگار کے نام پر، فلاں آرٹسٹ کی عزت افزائی اور تکریم کے طور پر یا فلاں عالم، شاعر یا ادیب کی تعظیم کے نام پر جو لوگ ان بتوں کو دوبارہ نصب کرنا چاہتے ہیں، ان کی مخالفت کرتا ہے۔ اسلامی معاشرہ توحید پر عمل پیرا ہوتا ہے، وہ ان جعلی خداؤں کی تعظیم و تقدیس نہیں کرتا اور نہ کسی کی پاکی بیان کرتا ہے۔ مسلمانوں میں ان بتوں اور مجسموں کی کوئی جگہ اور کوئی قدر نہیں ہوتی۔

رہا کتا پالنا تو اگر اس کی غرض شکار، مویشی یا کھیت کی نگرانی ہے تو کوئی حرج نہیں، جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث سے معلوم ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

> ''شکار کے لیے یا مویشیوں کی نگرانی کے لیے کتا پالنا جائز ہے، اس کے علاوہ کسی اور غرض سے اگر کوئی کتا پالے گا تو ہر روز اس کے اجر سے دو قیراط نیکیاں کم ہوتی رہیں گی۔''①

چنانچہ مغربی طرز پر گھروں میں کتا پالنا، ان کی دیکھ بھال کرنا، ان کے ساتھ اٹکھیلیاں کرنا، ان کے لیے کھانے اور صابن خاص کرنا، مخصوص غسل خانے تعمیر کرانا اور ان کے لیے ان دیگر چیزوں کا استعمال کرنا جن پر مغرب اور اقوام متحدہ ہر سال اربوں ڈالر خرچ

① بخاری ، کتاب الذبائح والصید ، باب من اقتنی کلبًا ...... الخ :٥٤٨١۔ مسلم، کتاب المساقاۃ ، باب الأمر بقتل الکلاب ...... الخ : ١٥٧٤۔

کرتی ہے ان سب کاموں کا اسلام اور اس کی فراخ عادتوں سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ اگر مغرب میں لوگوں کے نفسیاتی احوال اور ان کی خشک مادی زندگی نے ان میں اس حد تک انحراف پیدا کر دیا ہے کہ جس کے ذریعہ وہ انسانی محبت کے جذبے کا بدل تلاش کرتے ہیں جو ان کی معاشرتی زندگی میں مفقود ہے تو اسلام کو اس انحراف کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اسلام میں معاشرتی زندگی انسانی جذبے سے پوری طرح سیراب ہے۔

کھانے پینے میں اسلامی آداب کا خیال رکھنا:

حقیقی مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ کھانے پینے میں اسلامی آداب کا خیال رکھتا ہے۔ اسے کسی بھی معاشرے میں اگر دستر خوان پر دیکھ لیا جائے تو اس کے کھانے پینے کے آداب دیکھ کر جن کا نبی ﷺ کی اعلیٰ تعلیمات میں حکم دیا گیا ہے اور ان سے آراستہ ہونے کی ترغیب دی ہے، ہر کوئی اسے پہچان سکتا ہے۔

وہ بسم اللہ کہے بغیر کھانا شروع نہیں کرتا، داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا غُلَامُ! سَمِّ اللّٰهَ وَكُلْ بِيَمِينِكَ وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ» (1)

"اے لڑکے! اللہ کا نام لو، داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔"

اور اگر کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اور بعد میں یاد آجائے تو بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ کہہ لیتا ہے، جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں ہے، فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جب تم میں سے کوئی شخص کھانے کا ارادہ کرے تو بسم اللہ کہہ لے۔ اگر شروع میں بسم اللہ کہنا بھول جائے اور بعد میں یاد آئے تو کہے "بِسْمِ اللّٰهِ أَوَّلَهُ

(1) بخاری، كتاب الأطعمة، باب التسمية ...... الخ: ٥٣٧٦۔ مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام ...... الخ: ٢٠٢٢۔

وَآخِرَهُ"①

رسول اللہ ﷺ کھانے کے شروع میں بسم اللہ کہنے کا خود بھی بہت اہتمام کرتے تھے اور صحابہ کو بھی اس پر ترغیب دیتے رہتے تھے، اس لیے کہ اللہ کا نام لینے میں کھانے والوں کے لیے بڑی بھلائی ہے اور اس طرح کھانا اور کھانے والے دونوں شیطان کے شر اور اذیت سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"ہمیں جب کبھی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانے کا اتفاق ہوتا تو ہم آپ ﷺ کے کھانا شروع کرنے سے پہلے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالتے۔ ایک بار ہم آپ ﷺ کے ساتھ کھانے میں شریک تھے کہ ایک لڑکی اس طرح دوڑتی ہوئی آئی جیسے کوئی دوڑا ہو، پھر وہ کھانے میں ہاتھ ڈالنے کے لیے لپکی، رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر ایک اعرابی دوڑتا ہوا آیا، گویا اسے کوئی دوڑا رہا ہو، آپ ﷺ نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا: "شیطان اس کھانے کو اپنے لیے حلال سمجھتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا جاتا۔" چنانچہ وہ لڑکی کو لے کر آیا تا کہ اس کے ذریعہ کھانا اپنے لیے حلال کر لے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر وہ اس اعرابی کو لے آیا تا کہ اس کے ذریعہ کھانا حلال کر لے، میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! ان دونوں کے ہاتھوں کے ساتھ شیطان کا ہاتھ بھی میرے ہاتھ میں ہے۔ پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کہا اور کھانے لگے۔"②

---

① ابوداؤد، کتاب الأطعمة، باب تسمية على الطعام: ۳۷۶۷۔ ترمذی، کتاب الأطعمة، باب ما جاء في التسمية...... الخ: ۱۸۵۸۔

② مسلم، کتاب الأشربة، باب آداب الطعام و الشراب: ۲۰۱۷۔

دوسرا ادب داہنے ہاتھ سے کھانا ہے۔ اسلامی آداب سے آراستہ ہونے والا مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتا ہے۔ کبھی غلطی سے بھی بائیں ہاتھ سے نہیں کھاتا۔ بے شمار احادیث میں داہنے ہاتھ سے کھانے اور بائیں ہاتھ سے نہ کھانے کا واضح اور صریح حکم ہے مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَأْكُلْ بِيَمِينِهِ وَ إِذَا شَرِبَ فَلْيَشْرَبْ بِيَمِينِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَأْكُلُ بِشِمَالِهِ وَ يَشْرَبُ بِشِمَالِهِ))①

''جب تم میں سے کوئی کھانے کا ارادہ کرے تو داہنے ہاتھ سے کھائے اور جب پانی پینے کا ارادہ کرے تب بھی داہنے ہاتھ سے پیے، اس لیے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا اور پیتا ہے۔''

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص بائیں ہاتھ سے نہ کھائے اور نہ کبھی بائیں ہاتھ سے پیے، اس لیے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور پیتا ہے۔''

سیدنا نافع اس میں مزید اضافہ کرتے تھے:

''اور نہ بائیں ہاتھ سے کوئی چیز لے اور نہ کوئی چیز دے۔''②

رسول کریم ﷺ جب کسی کو بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھتے تو اسے منع کرتے، سمجھاتے اور ادب سکھلاتے اور اگر وہ اپنے اس فعل پر اصرار کرتا اور تکبر کا اظہار کرتا تو آپ ﷺ اسے سخت سست کہتے۔

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے بائیں ہاتھ سے کھانا کھا رہا تھا،

---

① مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب: ٢٠٢٠۔

② مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب: ٢٠٢٠۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

((كُلُ بِيَمِينِكَ قَالَ : لَا أَسْتَطِيعُ قَالَ : لَا اسْتَطَعْتَ ! مَا مَنَعَهُ إِلَّا الْكِبْرُ قَالَ فَمَا رَفَعَهَا إِلَى فِيهِ))

''داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' وہ بولا میں سیدھے ہاتھ سے نہیں کھا سکتا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہ ہی کھا سکو۔'' اس شخص نے یہ بات تکبر سے کہی تھی، چنانچہ وہ پھر کبھی اپنے منہ تک ہاتھ نہ اٹھا سکا۔''①

رسول کریم ﷺ ہر چیز میں داہنے ہاتھ کا استعمال پسند فرماتے اور اسی پر دوسرے لوگوں کو بھی راغب کرتے تھے، اس سلسلہ میں امام بخاری، امام مسلم اور امام مالک رحمہم اللہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی ہے:

''رسول اللہ ﷺ کے پاس دودھ لایا گیا جس میں کنویں کا پانی ملایا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی داہنی طرف ایک اعرابی تھا اور بائیں طرف سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے آپ ﷺ نے پیا پھر اعرابی کو دیا اور پھر فرمایا: ''پہلے دائیں طرف کا آدمی پھر اس کے بعد کا۔''②

ایک حدیث سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

''رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک مشروب لایا گیا۔ آپ ﷺ نے اس میں سے پیا۔ آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک لڑکا تھا اور بائیں جانب بوڑھے لوگ تھے، آپ ﷺ نے لڑکے سے فرمایا: ''کیا تم اجازت دیتے ہو کہ میں ان لوگوں کو دے دوں؟'' اس نے عرض کیا: ''نہیں اللہ کی قسم! میں آپ کے جھوٹے پر کسی

---

① مسلم، کتاب الأشربة، باب آداب الطعام والشراب: ٢٠٢١۔

② بخاری، کتاب الأشربة، باب الأيمن فالأيمن فی الشرب: ٥٦١٩۔ مسلم، کتاب الأشربة، باب استحباب إدارة الماء ...... الخ: ٢٠٢٩۔

کو ترجیح نہ دوں گا۔'' یہ سن کر آپ ﷺ نے پیالہ اس لڑکے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔''①

اور یہ اسی طرح کی دیگر نصوص وشواہد اور اس بات پر قطعی دلالت کرتے ہیں کہ اسلامی آداب میں داہنے ہاتھ کے استعمال کی بہت اہمیت ہے اور حقیقی مسلمان بغیر کسی تساہل، سستی اور تاخیر کے اپنے آپ کو اس کا پابند بناتا ہے اور اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا۔ امیر المومنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما داہنے ہاتھ کے استعمال کو بہت اہمیت دیتے تھے اور جو اس میں تساہل برتتا اس سے چشم پوشی نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ اپنی رعایا میں گشت کر رہے تھے اور ان کے حالات کا جائزہ لے رہے تھے کہ ایک شخص کو بائیں ہاتھ سے کھاتے ہوئے دیکھا تو اس سے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' پھر دوبارہ بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو ایک درہ لگایا اور فرمایا: ''اللہ کے بندے داہنے ہاتھ سے کھاؤ۔'' پھر اسے تیسری مرتبہ بھی بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو ایک درہ مارا اور ڈانٹتے ہوئے فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! داہنے ہاتھ سے کھایا کرو۔'' اس شخص نے جواب دیا: ''اے امیر المومنین! وہ مشغول ہے۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا: ''کس چیز میں مشغول ہے؟'' اس شخص نے جواب دیا غزوہ موتہ نے اسے مشغول کر لیا ہے۔'' (یعنی غزوۂ موتہ میں کٹ گیا ہے) یہ سن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ بہت ہی معذرت، غمخواری اور مواسات کرتے ہوئے اس شخص کی طرف متوجہ ہوئے اور انتہائی دردمندی اور سوز سے کہنے لگے: ''تمھیں وضو کون کراتا ہوگا؟ تمھاری ضروریات کون پوری کرتا ہوگا؟ تمھارا کاموں میں ہاتھ کون بٹاتا ہوگا؟ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ انصاف کرنے اور اس کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا۔

---

① بخاری، کتاب المساقاة، باب من رأى صدقة الماء ...... الخ: ۲۳۵۱۔ مسلم، کتاب الأطعمة، باب الاستحباب إدارة الماء...... الخ: ۲۰۳۰۔

امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی رعیت کے لیے ایک آدمی کے کردار میں ایک معمولی معاملہ کا اس قدر اہتمام کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی کتنی اہمیت ہے اور یہ کہ مسلمان کی شخصیت کی نمایاں پہچان اور امتیازی وصف ہے۔ اس لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے مسلمانوں کی زندگی میں نافذ کرنے کی شدید خواہش رکھتے تھے۔ اس خصلت کی اس قدر اہمیت کا اندازہ ہو جانے کے بعد اس میں تساہل برتنا یا اس سے اعراض کرنا کسی طرح جائز نہیں۔

یہ بات میں ان مسلمانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں جنھوں نے مغرب کے دستر خوان کے نظام کو بعینہ قبول کر لیا ہے جس میں کھانے والا کانٹا بائیں ہاتھ میں لیتا ہے اور چھری دائیں ہاتھ میں۔ داہنے ہاتھ سے کاٹتا ہے اور بائیں ہاتھ سے لقمہ اٹھاتا ہے، چنانچہ ان مسلمانوں نے بھی یہی طریقہ بعینہ قبول کر لیا اور بائیں ہاتھ سے کھانا گوارا کر لیا اور کچھ پروا نہیں کی کہ اس میں ان کی دینی تعلیمات کی مخالفت ہوتی ہے۔ ان اندھی تقلید میں مبتلا ہونے والوں نے اتنی بھی زحمت گوارا نہیں کی کہ کانٹا داہنے ہاتھ میں لے لیں اور چھری بائیں ہاتھ میں تاکہ داہنے ہاتھ سے کھا سکیں۔ محض اس خدشہ سے کہ اگر ایسا کریں گے تو اس سے مغربی تہذیب مجروح ہوگی، دراصل یہ ذہنی مرعوبیت اور نفسیاتی ہزیمت کی ایک مثال ہے جس میں ہماری ملت مبتلا ہوگئی ہے کہ جو بھی نئی چیز درآمد ہوتی ہے اس میں بغیر کسی ترمیم و تعدیل کیے ہوئے اور بغیر اسے اپنی شخصیت، اپنے دین اور اپنی بنیادی قدروں کے موافق بناتے ہوئے اپنا لیتی ہے۔ حقیقی مسلمان طوطوں کی طرح اس ادنیٰ اور رذیل تہذیب کی اندھی تقلید نہیں کرتا بلکہ اس سے دور رہتا ہے۔

باشعور، صاحب بصیرت اور دین کی محکم تعلیمات اور بلند آداب پر فخر کرنے والا مسلمان داہنے ہاتھ سے کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس پر آمادہ کرتا ہے۔ اسے ان محفلوں اور معاشروں میں بھی جو مغرب کی طرف سے آئی ہوئی ہر چیز کو حرف بحرف قبول کر لیتے ہیں، علی الاعلان ایسا کرنے میں شرمندگی دامن گیر نہیں ہوتی۔ وہ سب کے سامنے کھلے عام

ایسا کرتا ہے تا کہ غافل، لاپروا اور بے توجہی برتنے والے لوگ متنبہ ہو جائیں اور کھانے پینے میں داہنے ہاتھ کا استعمال کرنے کی سنت نبوی کی تعلیم پر عمل کریں۔

کھانے کا تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنے سامنے سے کھایا جائے، بے شمار احادیث میں پوری وضاحت اور صراحت سے نبی ﷺ نے بسم اللہ کہہ کے اور داہنے ہاتھ سے کھانے کے ساتھ ساتھ اپنے سامنے سے کھانے کا بھی حکم دیا ہے، مثلاً سیدنا عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے کہ انھوں نے فرمایا:

''میں بچہ تھا اور رسول اللہ ﷺ کے زیر تربیت تھا۔ کھانے میں میرا ہاتھ پلیٹ میں ادھر ادھر جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((يَا غُلَامُ ! سَمِّ اللّٰهِ وَ كُلْ بِيَمِينِكَ وَ كُلْ مِمَّا يَلِيْكَ)) ①

''اے لڑکے! اللہ کا نام لو، داہنے ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھاؤ۔''

مسلمان جب ہاتھ سے کھانا کھاتا ہے تو نرمی، شائستگی اور تہذیب سے کھاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا۔ آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے اور پورا ہاتھ کھانے میں نہیں ڈالتے تھے جس سے دیکھنے والوں کو ناگواری اور گھن آئے۔ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے کھانے کی کیفیت یوں بیان کرتے ہیں:

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمایا اور جب فارغ ہوئے تو انگلیاں چاٹ لیں۔'' ②

آپ انگلیاں چاٹنے اور برتن صاف کر لینے کا حکم دیتے تھے جیسا کہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

---

① بخاری، کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام ...... الخ: ٥٣٧٦۔ مسلم، كتاب الأشربة، باب آداب الطعام...... الخ: ٢٠٢٢۔

② مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع...... الخ: ٢٠٣٢۔

"رسول اللہ ﷺ نے انگلیاں چاٹنے اور برتن صاف کر لینے کا حکم دیا اور فرمایا:

《إِنَّكُمْ لَا تَدْرُونَ فِي أَيِّ طَعَامِكُمُ الْبَرَكَةُ》①

تم نہیں جانتے کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔"

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

"رسول اللہ ﷺ جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیاں چاٹ لیا کرتے اور فرماتے: "جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر جائے تو اسے چاہیے کہ اٹھا لے اور اگر اس میں کچھ لگ جائے تو اسے صاف کر کے کھا لے اور اسے شیطان کے لیے نہ چھوڑے۔"②

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیں برتن صاف کر لینے کا حکم دیا اور فرمایا:

"تمھیں نہیں معلوم کہ کھانے کے کس حصہ میں برکت ہے۔"③

نبی ﷺ کی اس تعلیم میں برکت تلاش کرنے کے ساتھ ساتھ ہاتھ اور برتن صاف کرنے کی بھی ترغیب ہے۔ کھانے کے بعد ہاتھ اور برتن کو صاف کر لینا تہذیب یافتہ اور نظافت پسند انسان کے شایان شان ہے اور اس سے اس کی نظافت، تربیت اور عمدہ ذوق پر دلالت ہوتی ہے۔ آج مغرب نے اس اچھی عادت کو قبول کر لیا ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے پندرہ صدی قبل بتلایا تھا چنانچہ آج یورپی لوگ برتن صاف کر لیتے ہیں اور اس میں کچھ نہیں چھوڑتے۔

یہ چیز بدیہی ہے کہ ذکی الحس اور اسلامی آداب اختیار کرنے والا مسلمان کھانے میں

---

❶ مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع...... الخ: ٢٠٣٣۔
❷ مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الاصابع...... الخ: ٢٠٣٤۔
❸ مسلم، كتاب الأشربة، باب استحباب لعق الأصابع...... الخ: ٢٠٣٤۔

منہ یا حلق سے آواز نہیں نکالتا اور نہ لقمہ منہ میں چباتے وقت کریہہ اور متنفر کرنے والی ناپسندیدہ آوازیں نکالتا ہے۔ نہ وہ بڑے بڑے لقمے اٹھاتا ہے کہ اس کا منہ پھول جائے اور صورت بگڑ جائے۔ یہاں تک کہ جب کھانے سے فارغ ہو جاتا ہے تو وہ ان بہترین کلمات سے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتا ہے جو رسول کریم ﷺ نے سکھلائے ہیں اور اللہ کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اس سے حمد و شکر کرنے والوں کے اجر و ثواب کی آرزو رکھتا ہے۔

سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے اور دستر خوان اٹھاتے تو فرماتے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مَكْفِيٍّ وَلَا مُوَدَّعٍ وَ لَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا» ①

"تمام عمدہ اور بابرکت تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اے ہمارے پروردگار! اس سے کفایت ہے نہ بے نیازی۔"

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، جو درج ذیل دعا پڑھے:

«اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَطْعَمَنِيْ هٰذَا الطَّعَامَ وَ رَزَقَنِيْهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّيْ وَ لَا قُوَّةٍ»

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ کھانا کھلایا اور رزق عطا کیا حالانکہ میری اس میں کوئی طاقت و قوت نہیں۔"

تو اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔" ②

---

① بخاری، کتاب الأطعمة، باب ما يقول إذا فرغ من طعامه: ٥٤٥٨۔

② ابو داؤد، کتاب اللباس، باب مايقول إذا لبس ثوبًا جديداً: ٤٠٢٣۔ ترمذی، کتاب، الدعوات، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام: ٣٤٥٨۔

اسلامی آداب اختیار کرنے والا مسلمان نبوی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کا اسوہ اختیار کرتے ہوئے کھانے میں عیب تلاش نہیں کرتا خواہ کھانا کیسا ہی ہو۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«مَا عَابَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا قَطُّ اِنِ اشْتَهَاهُ أَكَلَهُ وَ اِنْ كَرِهَهُ تَرَكَهُ» ①

”رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کھانے میں عیب نہیں لگایا، اگر پسند آیا تو کھا لیا نہ پسند ہوا تو چھوڑ دیا۔“

مسلمان کے پینے کے آداب بھی اسلامی آداب سے مستفاد اور مستند ہیں چنانچہ وہ بسم اللہ کر کے دو یا تین سانس میں پانی پیتا ہے۔ برتن میں سانس نہیں لیتا حتیٰ الامکان مشک میں منہ لگا کر پینے سے احتیاط برتتا ہے۔ مشروب میں پھونک نہیں مارتا اور جہاں تک ممکن ہو بیٹھ کر پیتا ہے۔ دو یا تین سانس میں پینا خود رسول کریم ﷺ کا معمول تھا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَنَفَّسُ فِي الشَّرَابِ ثَلَاثًا» ②

”رسول اللہ ﷺ پیتے وقت تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے۔“

رسول کریم ﷺ نے ایک سانس میں پینے سے منع کیا ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اونٹ کی طرح ایک سانس میں نہ پیا کرو بلکہ دو یا تین سانس میں پیا کرو، پینے سے پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لو اور پی چکنے کے بعد اس کی حمد کرو۔“ ③

---

① بخاری ، کتاب الأطعمة ، باب ما عاب النبی طعامًا : ٥٤٠٩۔ مسلم ، کتاب الأطعمة ، باب لا یعیب الطعام: ٢٠٦٤۔

② مسند احمد : ٢١١/٣۔ بخاری ، کتاب الأشربة ، باب الشرب بنفسين أو ثلاثا : ٥٦٣١۔

③ ترمذی ، کتاب الأشربة ، باب ما جاء فی التنفس فی الإناء: ١٨٨٥۔

آپ ﷺ نے پانی میں پھونک مارنے یا سانس لینے سے منع فرمایا۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

"نبی ﷺ نے پانی میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ ایک آدمی نے عرض کیا: "اگر اس میں کوئی تنکا دکھائی دے تو کیا کروں؟" فرمایا: "اسے گرا دو۔" اس نے پھر عرض کیا: "میں ایک سانس میں سیراب نہیں ہوتا ہوں۔" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "پیالے کو منہ سے دور کر کے سانس لے لیا کرو۔"" ①

پینے کے آداب کے سلسلہ میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر اور اچھا طریقہ یہ ہے کہ تہذیب یافتہ مسلمان حتیٰ الامکان مشک میں منہ لگا کر نہ پیے اور جہاں تک ہو سکے بیٹھ کر پیے، یہی بہتر اور افضل طریقہ ہے جیسا کہ اس موضوع کی احادیث دلالت کرتی ہیں، اگرچہ مشک میں منہ لگا کر اور کھڑے ہو کر بھی پینا جائز ہے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ان حالتوں میں بھی پیا ہے۔

سلام کو رواج دینا:

مسلمان کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ وہ سلام کو عام کرتا ہے۔ اسلام میں سلام کا رواج محض معاشرتی رسم کے طور پر نہیں ہے جسے انسانوں نے مختلف زمانوں میں ایجاد کیا ہے اور اسے رواج دیا ہے کہ وہ معاشرتی ماحول اور اس زمانے کے مطابق تغیر و تبدل کا شکار ہوتا ہے جس میں وضع کیا گیا ہے بلکہ یہ دراصل ایسا متعین و مقرر بنیادی ادب ہے جس کا اللہ رب العزت نے اپنی محکم کتاب میں حکم دیا ہے اور رسول کریم ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث میں اس کے اصول و قواعد بتلائے ہیں۔ اس باب میں احادیث کی کثرت کا اندازہ محض اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ محدثین نے اپنی کتابوں میں "کتاب السلام" یا

---

① مؤطا امام مالك، كتاب صفة النبی ﷺ، باب النهی عن الشراب فی آنية الفضة: ١٢۔ ترمذی، كتاب الأشربة، باب ما جاء فی كراهية النفخ فی الشراب: ١٨٨٧۔

''باب السلام'' کے نام سے مستقل ایک باب منعقد کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں اہل ایمان کو سلام کرنے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ﴾ (النور : ۲۷)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا مندی نہ حاصل کر لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔''

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلام کا ویسا ہی یا اس سے اچھا جواب دینے کا حکم دیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ جو بھی سلام سنے اس کا جواب دے اور اس میں تجاہل یا تساہل نہ برتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَ اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ﴾ (النساء : ۸۶)

''جب تمھیں کوئی سلام کہے تو اس سے بہتر طریقے سے جواب دو یا کم از کم اسی طرح۔''

اسی طرح بے شمار احادیث میں سلام عام کرنے اور ہر ایک کو سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے خواہ وہ شخص جان پہچان کا ہو یا نہ ہو اور پوری حرارت و گرمجوشی سے اس پر زور دیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اسلام میں کون سا عمل سب سے بہتر ہے؟ فرمایا:

''کھانا کھلاؤ اور سلام کرو، خواہ کسی کو پہچانتے ہو یا نہ پہچانتے ہو۔'' ①

---

① بخاری ، کتاب الإستئذان، باب السلام للمعرفة ...... الخ : ٦٢٣٦۔ مسلم ، کتاب الإیمان ، باب بیان تفاضل الإسلام : ٣٩۔

سلام رسول اللہ ﷺ کی ان سات وصیتوں میں سے ہے جن کا آپ ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا تھا کہ ان کا اپنی معاشرتی زندگی میں التزام کریں اور ان کے بعد امت مسلمہ بھی انھیں لازم پکڑے، سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سات چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ مریض کی عیادت کرنا ۲۔ جنازوں کے پیچھے چلنا ۳۔ چھینکنے والے کا جواب دینا۔ ۴۔ کمزور کی مدد کرنا ۵۔ مظلوم سے تعاون کرنا ۶۔ سلام کو عام کرنا اور ۷۔ قسم کھانے والے کی قسم پوری کرنا۔“ ①

رسول کریم ﷺ نے اپنی بے شمار احادیث میں سلام پر بہت زور دیا ہے اور اسے عام کرنے کی ترغیب دی ہے، اس لیے کہ آپ ﷺ بخوبی جانتے تھے کہ دلوں میں محبت کے چشمے جاری کرنے، دلوں کے تعلقات مستحکم کرنے اور افراد و جماعتوں کے درمیان محبت و مودت اور قربت و اخلاص کے رشتے قائم کرنے میں سلام کا بہت بڑا کردار ہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے سلام کو محبت کا ذریعہ قرار دیا ہے جس سے ایمان نصیب ہوتا ہے اور جنت حاصل ہوتی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

”اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم لوگ اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتے جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ اور اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ باہم محبت نہ کرنے لگو، کیا میں تمھیں ایسی بات نہ بتلاؤں جس پر عمل کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہو جائے؟ آپس میں سلام عام کرو۔“ ②

---

① بخاری، کتاب النکاح، باب حق إجابة الولیمة...... الخ: ۵۱۷۵۔ مسلم، کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال إناء الذهب: ۲۰۶۶۔

② مسلم، کتاب الإیمان، باب بیان أنه لا یدخل الجنة إلا المؤمنون...... الخ: ۵۴۔

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے قربت اور اس کی خوشنودی، نعمتوں اور انعامات کا مستحق اس شخص کو قرار دیا ہے جو سلام میں پہل کرے، آپ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِاللّٰهِ تَعَالَى مَنْ بَدَأَهُمْ بِالسَّلَامِ» ①

"لوگوں میں اللہ تعالیٰ سے قریب وہ شخص ہے جو سلام میں پہل کرے۔"

اسی لیے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بازار تشریف لے جاتے اور جس کے پاس سے بھی گزرتے اسے سلام کرتے۔ ایک دن کسی نے بازار میں آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "آپ بازار میں آخر کیا کرتے ہیں؟ کیونکہ آپ نہ تو خرید و فروخت کرتے ہیں، نہ سودے کے بارے میں کچھ پوچھتے ہیں، نہ مول تول کرتے ہیں اور نہ بازار کی مجلسوں میں بیٹھتے ہیں۔" فرمایا:

"ہم تو صرف اس لیے بازار جاتے ہیں کہ جو بھی ملے اسے سلام کریں۔" ②

اسلامی معاشرہ میں سلام کا صرف ایک صیغہ ہے جس کا حقیقی دینی آداب کا شعور رکھنے والا اور ان پر عمل کرنے والا مسلمان التزام کرتا ہے، السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ یہ سلام میں پہل کرنے والا شخص کہتا ہے خواہ مخاطب ایک ہی شخص ہو اور جواب دینے والا کہتا ہے "وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔"

ان کلمات کو چھوڑ کر اور ان سے بے نیاز ہو کر وہ دوسرے قدیم کلمے جیسے "عم صباحا" یا جدید کلمے جیسے "صباح الخیر" (صبح بخیر) جو انگریزی کے "Good morning" اور فرانسیسی کے Bonsoir کا لفظی ترجمہ ہے یا دیگر ایسے کلمات کو اختیار نہیں کرتا جو دین کی محکم تعلیمات سے پیچھے رہ جانے والے مسلم معاشروں میں عام ہو گئے ہیں۔

اسلام کا یہی وہ سلام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت

---

① ابو داؤد، کتاب الأدب، باب فی فضل من بدأ بالسلام: ۵۱۹۷۔ ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی فضل الذی یبدأ بالسلام: ۲۶۹۴۔

② الأدب المفرد: ۱۰۰۶، صحیح۔ ہدایۃ الرواۃ: ۴۵۸۷۔

سے ہمیشہ کے لیے اپنی مخلوق کے لیے خاص کر دیا ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو بھی اسی کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ اس کے ذریعہ آپ فرشتوں کو سلام کریں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر جگہ آدم علیہ السلام کی ذریت اسی کو اپنائے، اس لیے کہ اس میں ''سلامتی'' کے معانی پائے جاتے ہیں، جو ہر زمان و مکاں میں انسان کو سب سے زیادہ محبوب رہا ہے۔ اس ربانی سلام کو صرف ملت حنیفیہ پر قائم رہنے والی امت مسلمہ نے ہی اپنائے رکھا ہے، نہ کچھ تغیر و تبدل کیا ہے نہ اس سے سر مو انحراف کیا ہے اور نہ اس کے اختیار کرنے میں سستی وتن آسانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرمایا: ''جاؤ! ان لوگوں کو سلام کر آؤ (یعنی فرشتوں کی جماعت کو جو بیٹھی ہوئی تھی) اور سنو کہ وہ لوگ جواب میں کیا کہتے ہیں کیونکہ وہی تمھارا اور تمھاری ذریت کا سلام ہوگا۔'' سیدنا آدم علیہ السلام نے ان کے پاس جا کر کہا: ''السلام علیکم'' فرشتوں نے جواب دیا: وعلیکم السلام و رحمۃ اللہ'' فرشتوں نے جواب میں رحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔''①

کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اسے اپنا سلام بنائیں اور اس کو چھوڑ کر کوئی دوسرا طریقہ نہ اختیار کریں:

﴿ فَإِذَا دَخَلْتُم بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً ﴾ (النور: ٦١)

''تو جب گھروں میں داخل ہوا کرو تو اپنے لوگوں کو سلام کیا کرو، دعائے خیر، اللہ کی طرف سے مقرر فرمائی ہوئی، بڑی بابرکت، بڑی پاکیزہ۔''

---

① بخاری، کتاب الاستئذان، باب بدأ السلام: ٦٢٢٧۔ مسلم، کتاب الجنة، باب یدخل الجنة أقوام...... الخ: ٢٨٤١۔

اور اسی لیے سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے بھی اسی صیغہ کا التزام کیا، جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو سلام کیا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی جواب میں یہی صیغہ اختیار کیا جیسا کہ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''یہ جبرئیل ہیں تمھیں سلام کہہ رہے ہیں۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، میں نے عرض کیا:

«وَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهُ» ①

اسلام میں سلام کے کچھ قواعد و ضوابط ہیں جنھیں حقیقی مسلمان ذہن نشین کرنے اور معاشرتی زندگی میں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ قواعد اس حدیث میں مختصراً آ گئے ہیں جسے امام بخاری اور دیگر محدثین نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

''سوار پیدل کو سلام کرے، پیدل بیٹھنے والے کو سلام کرے اور تھوڑے زیادہ کو سلام کریں۔'' ②

بخاری کی ایک روایت میں ہے:

''چھوٹا بڑے کو سلام کرے۔'' ③

سلام مردوں کی طرح عورتوں کو بھی کیا جائے گا، اس کی تائید سیدہ اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث سے ہوتی ہے، فرماتی ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن مسجد میں سے گزرے، وہاں عورتوں کی ایک جماعت

---

① بخاری، کتاب فضائل أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب فضل عائشة رضی اللہ عنها : ٣٧٦٨۔ مسلم، کتاب فضائل الصحابة : باب فی فضائل عائشة رضی اللہ عنها : ٢٤٤٧۔

② بخاری، کتاب الاستئذان، باب یسلم الراکب علی الماشی : ٦٢٣٢۔ مسلم، کتاب السلام، باب یسلم الراکب علی الماشی : ٢١٦٠۔

③ بخاری، کتاب الاستئذان، باب تسلیم القلیل علی الکثیر : ٦٢٣١۔

بیٹھی ہوئی تھی، آپ ﷺ نے انھیں ہاتھ کے اشارے سے سلام کیا۔"①

اسی طرح سلام بچوں کو بھی کیا جائے گا تاکہ وہ بھی سلام کے آداب کے عادی ہو جائیں۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ کچھ بچوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کیا اور فرمایا:

"اسی طرح رسول اللہ ﷺ بھی کیا کرتے تھے۔"②

اسلام میں سلام کے قواعد و آداب میں یہ بات بھی داخل ہے کہ سلام نرمی، آہستگی اور پست آواز سے کیا جائے کہ جاگنے والے سن لیں اور سونے والوں کی نیند میں خلل نہ ہو۔ رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت شریفہ تھی جیسا کہ سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث میں مروی ہے:

"ہم نبی ﷺ کے لیے دودھ کا حصہ رکھ دیا کرتے تھے، آپ ﷺ رات میں تشریف لاتے تو ایسی آواز میں سلام کرتے کہ سونے والے بیدار نہ ہوتے اور جاگنے والے سن لیتے۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور اسی طرح سلام کیا۔"③

کسی مجلس میں پہنچتے اور وہاں سے اٹھتے وقت دونوں مرتبہ سلام کرنا چاہیے، اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"جب تم میں سے کوئی کسی مجلس میں پہنچے تو سلام کرے، پھر جب وہاں سے اٹھنے کا ارادہ کرے تو دوبارہ سلام کرے کیونکہ پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ بہتر نہیں ہے۔"④

---

① ترمذی، کتاب الاستئذان، باب ما جاء فی التسلیم علی النساء: ۲۶۹۷۔

② بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم علی الصبیان: ۶۲۴۷۔

③ مسلم، کتاب الأشربة، باب إکرام الضیف و فضل إیثارہ: ۲۰۵۵۔

④ ابوداوُد، کتاب الأدب، باب فی السلام إذا قام من المجلس: ۵۲۰۸۔ ترمذی، کتاب الإستئذان، باب ما جاء فی التسلیم...... الخ: ۲۷۰۶۔

کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخلے کی ممانعت:

دینی آداب کا شعور رکھنے والا مسلمان اپنے گھر کے علاوہ دوسروں کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہیں ہوتا، اجازت لینا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جس میں تساہل یا اعراض جائز نہیں:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَا ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴾

(النور: ۲۷،۲۸)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، جب تک کہ گھر والوں کی رضامندی نہ حاصل کرلو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو۔ یہ طریقہ تمھارے لیے بہتر ہے، توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے، پھر اگر وہاں کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو، جب تک کہ تم کو اجازت دے دی جائے، اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، یہ تمھارے لیے پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔“

ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴾ (النور: ۵۹)

”اور جب تمھارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہیے کہ اسی طرح اجازت لے کر آیا کریں جس طرح ان کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں۔“

بغیر اجازت کسی کے گھر میں جانا شکوک وشبہات سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اجازت کی قید سے جاسوسی کرنے، غفلت سے فائدہ اٹھانے، چپکے سے گھسنے اور بغیر اجازت داخل

ہونے کی گنجائش باقی نہیں رہتی اور وہ شکوک وشبہات ہی پیدا نہیں ہوتے جو بغیر اجازت داخل ہونے سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ ملاقاتی اور گھر والے دونوں کی عزت وشہرت کے لیے زیادہ بہتر اور پاکیزہ ہے، اللہ تعالیٰ کے اپنے مومن بندوں کے لیے اجازت مشروع کرنے کا یہی مقصد ہے۔

اجازت طلبی کے کچھ آداب ہیں جنھیں اسلام نے مسلمان کے لیے لازم کیا ہے اور اسے کسی سے ملاقات کے لیے جاتے وقت ان سے آراستہ ہونے کا حکم دیا ہے۔

* پہلا ادب یہ ہے کہ بندہ دروازے کے سامنے نہ کھڑا ہو بلکہ دروازے سے ہٹ کر دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو، رسول اللہ ﷺ کی یہی عادت شریفہ تھی۔ سیدنا عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

"نبی ﷺ جب کسی کے گھر جاتے اور اجازت لینا چاہتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے، اگر اجازت مل جاتی (تو داخل ہوجاتے) ورنہ واپس لوٹ جاتے۔"[1]

کیونکہ اجازت لینے کی مشروعیت اس لیے ہے تاکہ ناگاہ کسی نامحرم پر نگاہ نہ پڑ جائے، جیسا کہ سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اجازت لینا صرف اس لیے مشروع ہوا ہے کہ کسی نامحرم پر نظر نہ پڑ جائے۔"[2]

اس لیے اجازت لینے والے شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ دروازے کے سامنے کھڑا ہو اس طور پر کہ دروازہ کھلنے پر اس کی نظر اندر پہنچ جائے۔

* دوسرا ادب یہ ہے کہ پہلے سلام کرے پھر اجازت چاہے، سلام کرنے سے پہلے

---

1. الأدب المفرد: ۱۰۷۸، حسن صحیح ۔ هداية الرواة: ٤٥٩٧ ۔
2. بخاری، کتاب الاستئذان، باب فی الاستئذان من أجل البصر: ٦٢٤١ ۔ مسلم، کتاب الآداب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ: ۲۱۵٦ ۔

اجازت طلب کرنا صحیح نہیں، سیدنا ربعی بن حراش رضی اللہ عنہما سے مروی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس چیز کی تعلیم دی ہے:

''سیدنا ربعی فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو عامر کے ایک شخص نے ہم سے بیان کیا کہ نبی ﷺ گھر میں تھے، اس نے آپ ﷺ سے آنے کی اجازت طلب کرتے ہوئے کہا: ''کیا میں اندر آجاؤں؟'' رسول اللہ ﷺ نے اپنے خادم سے فرمایا: ''جاؤ اس کو اجازت مانگنے کا طریقہ بتلاؤ، اس سے کہو کہ یوں اجازت مانگے: ''السلام علیکم! کیا میں اندر آسکتا ہوں؟'' نبی ﷺ نے اجازت دے دی اور وہ اندر آگیا۔''①

❁ تیسرا ادب یہ ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کون ہے؟ تو اپنا نام یا کنیت جس سے وہ جانا جاتا ہو، وہ بتلائے اور کوئی مبہم کلمہ جیسے ''میں ہوں'' وغیرہ نہ کہے، نبی ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا ''میں'' یا کوئی ایسا کلمہ کہے جس سے اس کی شخصیت نہ پہچانی جا سکے، آپ ﷺ نے حکم دیا کہ پوچھنے پر اپنا صریح نام بتلائے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون؟'' میں نے عرض کیا ''میں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں، میں کیا؟'' گویا آپ ﷺ کو میرا ''میں'' کہنا ناپسند لگا۔''②

اس طرح رسول کریم ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ اجازت طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ صریح نام بتلایا جائے، اسی پر آپ ﷺ خود اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عمل کرتے تھے۔ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

---

① الأدب المفرد: ۱۰۷۳، صحیح الاسناد۔

② بخاری، کتاب الاستئذان، باب إذا قال من ذا؟ قال: أنا: ۶۲۵۰۔

''میں ایک رات باہر نکلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ تنہا چل رہے ہیں، میں بھی چاند کی روشنی میں چلنے لگا، آپ ﷺ متوجہ ہوئے اور میری طرف دیکھ کر فرمایا: ''کون؟'' میں نے عرض کیا: ''ابوذر۔'' ①

سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ ﷺ غسل فرما رہے تھے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ پر آڑ کیے ہوئے تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: ''کون ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''میں ام ہانی ہوں۔'' ②

* چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر گھر میں داخل ہونے کی اجازت نہ دی جائے، واپس ہونے کو کہا جائے تو بغیر دل میں کوئی بات لائے، واپس لوٹ جائے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں یہی حکم دیا ہے:

﴿ وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا هُوَ أَزْكَى لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴾ (النور: ٢٨)

''اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ، تمھارے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔''

اس سلسلہ میں نبی ﷺ کا ارشاد عالی بھی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ اجازت تین بار لینی چاہیے، اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جائے ورنہ واپس ہو جائے، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

① بخاری، کتاب الرقاق، باب المکثرون هم المقلون: ٦٤٤٣۔ مسلم، کتاب الزکاة، باب الترغیب فی الصدقة، قبل الحدیث: ٩٩٢۔

② بخاری، کتاب الغسل، باب التستر فی الغسل عندالناس: ٢٨٠۔ مسلم، کتاب صلاة المسافرین، باب استحباب صلاة الضحی ...... الخ، قبل الحدیث: ٧٢٠۔

''اجازت تین مرتبہ لینی چاہیے، اگر تمھیں اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس ہو جاؤ۔''①

ایک مرتبہ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی لیکن اجازت نہیں ملی تو وہ واپس لوٹ گئے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں بلا بھیجا اور ان دونوں کے درمیان اجازت لینے اور واپس ہونے کے سلسلہ میں گفتگو ہوئی جسے یہاں نقل کرنا مفید ہوگا تاکہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کرنے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کتنی دقت و باریکی سے کوشش کرتے تھے۔ سیدنا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے تین مرتبہ اجازت چاہی مگر کوئی جواب نہ آیا تو میں واپس لوٹ گیا۔ انھوں نے مجھے بلا بھیجا، میں گیا تو فرمایا: ''اے اللہ کے بندے! تمھیں میرے دروازے پر رکنا شاق گزرا، تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اسی طرح لوگوں کو بھی تمھارے دروازے پر رکنا شاق گزرتا ہے۔'' میں نے کہا: ''میں نے تین مرتبہ اجازت چاہی مگر کوئی جواب نہ ملا تو واپس چلا گیا، ہمیں ایسا ہی کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔'' انھوں نے فرمایا: ''تم نے کس سے سنا ہے؟'' میں نے کہا: ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔'' انھوں نے کہا: ''کیا تم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی بات سنی جو میں نے نہیں سنی؟ اگر تم نے اس پر کوئی دلیل پیش نہ کی تو میں تمھیں سخت سزا دوں گا۔'' میں باہر نکلا، یہاں تک کہ انصار کی ایک جماعت کے پاس آیا جو مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا، ان لوگوں نے کہا: ''کیا اس میں بھی کوئی شک کر سکتا ہے؟'' میں نے عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنائی تو ان لوگوں نے

---

① بخاری، کتاب الاستئذان، باب التسلیم والاستئذان ثلاثا: ٦٢٤٥۔ مسلم، کتاب الأدب، باب الاستئذان: ٢١٥٣۔

کہا: ''تمھارے ساتھ ہم میں سے وہ جائے گا جو سب سے چھوٹا ہو۔'' چنانچہ میرے ساتھ ابوسعید (یا ابومسعود) خدری رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے یہ حدیث بیان کی کہ ''ہم لوگ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کیا مگر کوئی جواب نہ ملا، دوسری مرتبہ، پھر تیسری مرتبہ سلام کیا مگر خاموشی رہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمارا جو فرض تھا وہ ہم نے پورا کر دیا۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہو گئے کہ سیدنا سعد رضی اللہ عنہ جا پہنچے اور عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا میں نے ہر مرتبہ سلام سنا اور اس کا جواب بھی دیا لیکن زور سے اس لیے نہیں کہا کیونکہ مجھے خواہش ہوئی کہ آپ مجھے اور میرے گھر والوں کو زیادہ سے زیادہ سلام کریں۔'' (یعنی سلامتی کی دعا دیں) سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا امین ہوں۔'' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن میں نے چاہا کہ ثبوت مل جائے۔''

اور اسی روایت میں ہے کہ جب حدیث ثابت ہو گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے کہا:

''کیا مجھ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث مخفی رہ گئی؟ مجھے بازاروں میں خرید و فروخت (تجارت کی مشغولیت) نے غافل کر دیا ہے۔''[1]

آداب مجلس کا خیال رکھنا:

حقیقی، باشعور اور دینی تعلیمات سے رہنمائی حاصل کرنے والا مسلمان مجلس کے آداب کا بھی خیال رکھتا ہے اور جس مجلس میں بھی جاتا ہے وہاں امتیازی اور اعلیٰ ادب کا مظاہرہ

---

[1] بخاری، کتاب البیوع، باب الخروج فی التجارة: ٢٠٦٢۔ مسلم، کتاب الأدب، باب الاستئذان: ٢١٥٣۔

کرتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی قولی اور عملی تعلیمات سے مستفید ہوتا ہے، ان آداب سے آراستہ ہونے کی وجہ سے وہ معاشرتی بلندی اور خوش اخلاقی کی نشانی ہوتا ہے۔

اس بلند تعلیم سے مسلمان جو پہلی چیز سیکھتا ہے وہ یہ ہے کہ مجلس کے آخر میں بیٹھنا چاہیے چنانچہ وہ گردنیں نہیں پھلانگتا اور لوگوں میں مزاحم نہیں ہوتا کہ لوگ اسے مجلس کے بیچ میں جگہ دے دیں۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی سنت پر عمل کرتا ہے، جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دی تھی۔ سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"جب ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جہاں مجلس ختم ہو رہی ہوتی وہیں بیٹھ جاتے۔"①

نبوی ادب سے آراستہ ہونے والا مسلمان دو آدمیوں کے درمیان نہیں کود پڑتا اور اگر دونوں کے بیچ میں بیٹھنے کی شدید ضرورت ہو تو دونوں سے اجازت لے لیتا ہے، اس لیے کہ بغیر اجازت دو آدمیوں کو الگ کر دینے سے رسول کریم ﷺ نے منع کیا ہے اور اس سے ڈراتے ہوئے فرمایا ہے:

"کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ دو آدمیوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے حائل ہو جائے۔"②

اس لیے کہ دو آدمیوں کے درمیان حائل ہو جانا (خواہ مجلس میں یا کہیں اور) ان ناپسندیدہ اور قابل مذمت کاموں میں سے ہے جن سے اسلام نے شدت سے منع کیا ہے اور ان سے احتراز کرنے کی تنبیہ کی ہے، اس سلسلہ میں بہت سی احادیث اور آثار وارد ہیں،

---

① ابوداوٗد، کتاب الأدب، باب فی التحلق: ٤٨٢٥۔ ترمذی، کتاب الاستئذان، باب فی الثلاثۃ الذین...... الخ: ٢٧٢٥۔

② ابوداوٗد، کتاب الأدب، باب فی الرجل یجلس بین الرجلین بغیر إذنہما: ٤٨٤٥۔ ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی کراھیۃ الجلوس...... الخ: ٢٧٥٢۔

مثلاً سیدنا سعید مقبری فرماتے ہیں:

''میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس سے گزرا، ان کے ساتھ ایک آدمی تھا جس سے وہ گفتگو کر رہے تھے، میں ان دونوں کے پاس کھڑا ہوگیا تو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے میرے سینے پر ایک گھونسا مارا اور کہا: ''جب دو آدمیوں کو بات کرتے ہوئے دیکھو تو بغیر ان کی اجازت کے نہ ان کے ساتھ کھڑے ہو نہ ان کے ساتھ بیٹھو۔'' میں نے عرض کیا: ''اے ابو عبدالرحمٰن! میں صرف اس لیے کھڑا ہوگیا کہ مجھے امید تھی کہ آپ دونوں سے اچھی بات سنوں گا۔'' ①

اور اگر کوئی مجلس سے اٹھ کر اسے اپنی جگہ بٹھانا چاہے تو وہاں نہ بیٹھے یہی بہتر، افضل اور مثالی طریقہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا کہ کوئی شخص مجلس سے کسی شخص کو اٹھا کر اس کی جگہ بیٹھے البتہ مجلسوں میں وسعت اور کشادگی پیدا کرو۔'' چنانچہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا معمول تھا کہ اگر کوئی شخص ان کے لیے اپنی جگہ خالی کر دیتا تو وہاں نہیں بیٹھتے تھے۔ ②

پھر جب وہ مجلس میں بیٹھ جاتا ہے تو اپنی گفتگو اور اپنی حرکات وسکنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی آداب کا لحاظ رکھتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کا حال یہ تھا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں بیٹھنے والے ہر شخص کو اس کا حق دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھنے والا ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ آپ کے نزدیک اس سے زیادہ کوئی باعزت اور عزیز نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی کی مذمت کرتے نہ کسی کو عار دلاتے نہ

---

❶ الادب المفرد: ١١٦٦، صحيح ـ

❷ بخاری ، كتاب الاستئذان ، باب إذا قيل لكم ...... الخ: ٦٢٦٩ـ مسلم ، كتاب السلام ، باب تحريم إقامة الإنسان...... الخ : ٢١٧٧ـ

کسی کے عیوب کے پیچھے پڑتے نہ ایسی گفتگو کرتے جس میں کوئی خیر و ثواب نہ ہو، نہ کسی کی گفتگو میں دخل اندازی کرتے یہاں تک کہ وہ اپنی بات ختم کر لیتا یا مجلس سے چلا جاتا۔ ①

مجلس میں جمائی لینے سے حتیٰ الامکان احتراز کرنا:

مہذب اور مجلس کے آداب کا شعور رکھنے والا مسلمان حتیٰ الامکان جمائی لینے سے احتراز کرتا ہے اور اگر جمائی آجائے تو جہاں تک ممکن ہو اس کو دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے، رسول کریم ﷺ نے یہی طریقہ بتلایا ہے، فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ہو سکے روکے۔'' ②

اور اگر جمائی اتنی زور سے آئے کہ روک نہ سکے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے کیونکہ رسول کریم ﷺ نے ایسا کرنے کی تعلیم دی ہے:

''جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو اپنا ہاتھ منہ پر رکھ لے، اس لیے کہ ہاتھ نہ رکھنے سے شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے۔'' ③

مجلسوں میں جمائی لینا بری اور متنفر کرنے والی عادت ہے جو ایک مہذب انسان کے شایان شان نہیں، اس لیے جس شخص کو جمائی آئے اسے کھلے ہوئے منہ پر ہاتھ رکھ کر اور دوسرے لوگوں سے اس منظر کو چھپا کر اسے دفع کرنا چاہیے۔ نبی کریم ﷺ نے یہی تعلیم دی ہے کہ مسلمان اپنے عمل سے مجلس میں بیٹھنے والوں کو متنفر نہ کرے اور انھیں یہ احساس نہ دلائے کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھنے سے اکتا گیا ہے اور ان کے پاس سے جانا چاہتا ہے یا ان

---

① ترمذی فی الشمائل: ۳۵۰۔

② بخاری، کتاب الأدب، باب إذا تثاءب فلیضع یده علی فیه: ٦٢٢٦۔ مسلم، کتاب الزهد، باب تشمیت العاطس...... الخ: ٢٩٩٤۔

③ مسلم، کتاب الزهد، باب تشمیت العاطس...... الخ: ٢٩٩٥۔

لوگوں کو اپنے پاس سے بھگانا چاہتا ہے۔

چھینکتے وقت کے اسلامی آداب:

جس طرح اسلام نے مجلس میں جمائی لینے کا ادب سکھلایا ہے اسی طرح چھینکنے کا بھی ادب بتلایا ہے چنانچہ اس نے مسلمان کو تعلیم دی ہے کہ اسے جب چھینک آئے تو کیا کرے اور کیا کہے یا چھینکنے والے شخص کو کیا جواب دے اور اس کے لیے کیا دعا کرے؟

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے لہٰذا جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو ہر مسلمان پر جو اسے سنے لازم ہے کہ يَرْحَمُكَ اللّٰهُ (اللہ تم پر رحم کرے) کہے، رہی جمائی تو وہ شیطان کی طرف سے ہے، لہٰذا جب کسی کو جمائی آئے تو جہاں تک ممکن ہو اسے دفع کرنے کی کوشش کرے، اس لیے کہ جب کوئی شخص جمائی لیتا ہے تو شیطان اس کو دیکھ کر ہنستا ہے۔''①

یہ معمولی واقعہ مسلمان کی زندگی میں یوں نہیں گزر جاتا کہ اس کے کوئی اصول وضوابط اور آداب نہ ہوں، مسلمان اپنے دل کی گہرائیوں سے یہ احساس رکھتا ہے کہ یہ دین اس کے تمام معاملات کی بہتری کے لیے آتا ہے، اس نے زندگی کی چھوٹی بڑی تمام چیزوں کو منظم کیا ہے اور اس کے لیے ایسے کلمے مخصوص کیے ہیں جن سے انسان کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ ہمیشہ استوار رہے لہٰذا جب اسے چھینک آئے تو اس پر لازم ہے کہ الحمد للہ کہے اور سننے والے پر ضروری ہے کہ یرحمک اللہ کہے، پھر چھینکنے والے پر ضروری ہے کہ چھینک کا جواب دینے کے لیے دعا کرے:

« يَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ »

''اللہ تمھیں ہدایت دے اور تمھاری حالت درست فرما دے۔''

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب إذا تثاءب فلیضع یده علی فیه: ٦٢٢٦۔

بخاری کی روایت کردہ حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسی چیز کی طرف رہنمائی کی ہے:

"جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے چاہیے کہ کہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اور اس کے بھائی کو کہنا چاہیے یَرْحَمُكَ اللّٰهُ جب وہ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے تو چھینکنے والے کو کہنا چاہیے: "یَهْدِيكُمُ اللّٰهُ وَ يُصْلِحُ بَالَكُمْ۔" ①

دعا کے اس صیغہ یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کو تشمیت کہتے ہیں یہ کہنا مستحب ہے یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب چھینکنے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے، اگر وہ یہ کلمہ نہ کہے تو اس کے جواب میں یَرْحَمُكَ اللّٰهُ نہیں کہا جائے گا۔ حدیث میں ہے:

"جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہے تو اس کا جواب دو اور اگر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نہ کہے تو اس کا جواب مت دو۔" ②

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"دو آدمیوں کو نبی ﷺ کے سامنے چھینک آئی، آپ ﷺ نے ایک کی چھینک کا جواب دیا مگر دوسرے کی چھینک کا جواب نہیں دیا، جس شخص کی چھینک کا جواب نہیں دیا تھا اس نے عرض کیا: "فلاں شخص کو چھینک آئی تو آپ ﷺ نے اس کا جواب دیا اور مجھے چھینک آئی تو آپ ﷺ نے جواب نہیں دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا تھا اور تم نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نہیں کہا۔" ③

ان تمام کلمات کا جنھیں چھینک آنے پر کہنے کی نبی ﷺ نے ترغیب دی ہے تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی حمد اور مسلمانوں کے مابین اخوت و بھائی چارہ، محبت و مودت اور اخلاص کے رشتوں کا استحکام ہے۔ چھینکنے والا

---

① بخاری، کتاب الأدب، باب إذا عطس كيف يُشمتُ: ٦٢٢٤۔

② مسلم، کتاب الزهد، باب تشميت العاطس ...... الخ: ٢٩٩٢۔

③ بخاری، کتاب الأدب، باب لا يشمت العاطس ...... الخ: ٦٢٢٥۔ مسلم، کتاب الزهد، باب تشميت العاطس ...... الخ: ٢٩٩١۔

اپنے سر سے اشتعال، ہیجان اور اضطراب دور ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس کی حمد بیان کرتا ہے اور دوسرا شخص جب اسے اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کے لیے رحمت کی دعا کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے والا اس کی رحمت کا مستحق ہے پھر چھینکنے والا چھینک کا جواب دینے والے کے لیے اس سے لمبی اور جامع دعا کرتا ہے جو خیر و بھلائی، محبت و مودت اور انس و پیار سے لبریز ہوتی ہے۔

اس طرح اسلام مسلمانوں کی زندگی میں خود بخود پیش آنے والے واقعات کی توجیہ کرتا ہے اور ایسے مواقع پیدا کرتا ہے کہ مسلمان اپنے رب کو یاد کریں، ان کی زبانوں پر اس کی حمد جاری ہو جائے اور ان کے دلوں میں اخوت، محبت اور باہم رحم و کرم کے رشتے مضبوط ہو جائیں۔

چھینکنے کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ چھینکنے والا اپنے سر پر ہاتھ رکھ لے اور جہاں تک ہو سکے اپنی آواز پست رکھنے کی کوشش کرے، رسول کریم ﷺ کی چھینکنے کے وقت یہی عادت مبارکہ تھی۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کو جب چھینک آتی تو اپنا دست مبارک یا کپڑا منہ پر رکھ لیتے اور آواز پست کر لیتے۔"①

کسی کے گھر میں جھانکنے سے احتراز:

مجلس کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے ہم نشیں کے گھر میں تاک جھانک نہ کرے اور نہ کسی کی پردہ کی جگہوں کی ٹوہ میں رہے، اس لیے کہ یہ صاحب شرم و حیا اور باادب مسلمان کا اخلاق نہیں۔ رسول کریم ﷺ نے ایسے لوگوں کے بارے میں وعید سنائی ہے جو مجالس میں تاک جھانک کیا کرتے ہیں اور لوگوں کی لغزشوں، عیوب اور پردہ کی

---

① ابوداوٗد، کتاب الأدب، باب فی العطاس: ۵۰۲۹۔ ترمذی، کتاب الأدب، باب ما جاء فی خفض الصوت...... الخ: ۲۷۴۵۔

جگہوں کی ٹوہ میں لگے رہتے ہیں، آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

''جو شخص کسی کے گھر میں بغیر اس کی اجازت کے جھانکے تو گھر والوں کو اجازت ہے کہ وہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں۔''①

عورتوں کی مشابہت سے احتراز:

اسلامی معاشرہ میں نہ مسلمان مرد عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور نہ عورت مرد کی، اس لیے کہ اسلامی شریعت میں ہر صنف کا دوسری صنف سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ اسلامی معاشرہ میں مرد مرد ہے اور عورت عورت۔ مرد کی دوسری صفات، خصوصیات اور سرانجام دیے جانے والے دوسرے اعمال ہیں اور عورت کی دوسری صفات، خصوصیات اور ذمہ داریاں۔ اس لیے مناسب نہیں کہ دونوں صنفوں کے درمیان ظاہری اور باطنی فرق ختم ہو جائیں۔ اسی لیے اسلام نے عورتوں سے مشابہت اختیار کرنے والے مردوں اور مردوں سے مشابہت اختیار کرنے والی عورتوں دونوں کو سخت وعید سنائی ہے۔سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

''رسول اللہ ﷺ نے ان مردوں پر جو عورتوں کے حرکات کرتے ہیں اور ان عورتوں پر جو مردوں جیسی حرکات کرتی ہیں، لعنت فرمائی ہے۔''②

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے اس مرد پر لعنت فرمائی ہے جو عورتوں کا لباس پہنتا ہے اور اس عورت پر لعنت فرمائی ہے جو مردوں کا لباس پہنتی ہے۔''③

آج ہم بعض اسلامی معاشروں میں ایسے نوجوانوں کو دیکھتے ہیں جو اپنے لمبے بالوں کی

---

① مسلم، کتاب الأدب، باب تحریم النظر فی بیت غیرہ: ۲۱۵۸۔
② بخاری، کتاب اللباس، باب المتشبھین بالنساء ...... الخ: ۵۸۸۵۔
③ ابوداؤد، کتاب اللباس، باب فی لباس النساء: ۴۰۹۸۔

وجہ سے لڑکیوں کی طرح لگتے ہیں حتیٰ کہ بعض اوقات ان میں تمیز کرنا مشکل ہو جاتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب وہ اپنے گلے میں سنہری زنجیر ڈال لیتے ہیں جو ان کے کھلے ہوئے سینے پر لٹکتی رہتی ہے، اسی طرح ایسی ایسی دوشیزائیں دیکھتے ہیں جو ایسی تنگ پینٹ اور شرٹ پہنتی ہیں جو مردوں کا لباس ہے۔ ان کے سر اور بازو کھلے ہوتے ہیں جس سے بالکل نوجوان لڑکوں کی طرح لگتی ہیں۔ یہ مناظر اسلامی معاشروں میں درآمد شدہ ہیں جو ''فاجر مغرب'' اور ''کافر مشرق'' سے آگئے ہیں جن کی بنا پر ہپی ازم، وجودیت، عبثیت اور عدمیت کی موجیں امنڈ آئی ہیں اور ایسی گمراہیاں عام ہوگئی ہیں جن سے انسانیت بھٹک گئی ہے اور فطرت انسانی کی راہ سے منحرف ہوگئی ہے، جس کا بھیانک اور ہولناک انجام اور تلخ نتیجہ اس آوارگی اور گمراہی کی شکل میں ظاہر ہوا جس میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھٹک رہے ہیں۔ ان تحریکوں نے انحراف اور گمراہی کے اس زمانہ میں اسلامی معاشرہ کے ان نوجوان، لڑکوں اور لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے یہاں تک کہ ان کا وجود امت مسلمہ میں اجنبی سا ہوگیا ہے، جن کا اسلام کے پاکیزہ اور مثالی معاشرہ سے دور کا بھی تعلق معلوم نہیں ہوتا۔

آخری بات

مندرجہ بالا ابواب میں مسلمان کی شخصیت کو نمایاں کیا گیا ہے اور روشن آیات اور صحیح احادیث کی قطعی نصوص میں اس کی حسین تصویر کشی کی گئی ہے، جس سے مسلمان کے اپنے رب سے تعلق اور اس کے نفس میں جسم، عقل اور روح کے درمیان پر حکمت توازن اور دوسرے لوگوں جیسے والدین، بیوی، بچے، رشتے دار، پڑوسی، بھائی، دوست احباب اور معاشرہ کے مختلف گروہ وطبقات اور مختلف طرز رہائش اختیار کرنے والے لوگوں سے اس کے معاشرتی تعلقات کی وضاحت ہوتی ہے۔

ان ابواب میں مذکورہ تفصیلات سے یہ بات پوری طرح عیاں ہوگئی ہے کہ وہ مسلمان جسے اسلام پیش کرتا ہے اپنے انفرادی اخلاق و اوصاف اور معاشرتی تعلقات دونوں میں بے مثل اور یگانہ روزگار انسان ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوگیا ہے کہ انسان اپنی طویل تاریخ میں کبھی باکمال اور ہمہ گیر شخصیت وجود میں لانے والی ان چیزوں سے ہمکنار اور بہرہ یاب نہ ہو سکا ہے جس سے مسلمان فیض یاب ہوتا ہے، کیونکہ اس نے قرآن کریم اور سنت مطہرہ کی نصوص کے ذریعہ وحی اور ربانی ہدایت کی روشنی حاصل کی ہے۔ اسلام نے انسان کی عقل کو نہ تو فلسفیانہ علوم و معارف سے بھرا جیسا کہ یونان نے کیا، نہ اسے مبالغہ آمیز اور خرافاتی روحانیات کی آماجگاہ بنا دیا جیسا کہ ہندوؤں نے کیا۔ اس نے نہ تو صرف جسم کی ورزشی تربیت پر زور دیا جیسا کہ اہل رومانے کیا اور نہ اسے نفع پرست مادی فلسفہ کا اسیر بنایا جیسا کہ آج مشرق و مغرب میں مادہ پرست دنیا نے اپنا رکھا ہے...... بلکہ اس نے

انسان کی تربیت کے لیے ایک متوازن اور کامل نظام پیش کیا ہے اور اس میں انسان کے جسم، عقل اور روح تینوں کو پیش نظر رکھا ہے کیونکہ اس کے نزدیک انسان محض گوشت پوست کا ایک ڈھانچہ نہیں بلکہ جسم، عقل اور روح سے مرکب ایک مخلوق ہے۔

اسی لیے اسلام کے زیر تربیت مسلمان کی شخصیت میں توازن، یکسانیت اور ہمہ گیریت ظاہر ہوتی ہے۔ اس میں کسی پہلو میں افراط اور کسی پہلو میں تفریط نہیں ہوتی جیسا کہ ان معاشروں میں بکثرت ہوتا ہے جن میں انسان کی تربیت وہ خود ساختہ ناقص نظام کرتے ہیں جن پر خواہشات نفس، بدعات و خرافات، منحرف قدروں اور گمراہیوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔

مسلمان کی شخصیت جیسا کہ اس مطالعہ سے واضح ہوا، اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرماں بردار، اس کی تعلیمات کا اتباع کرنے والی، اس کی پناہ میں آنے والی، اس کی قضا وقدر پر راضی برضا اور ہمیشہ اس کی خوشنودی و رضا جوئی چاہنے والی ہوتی ہے۔

مسلمان کی شخصیت میں انتہائی درجے کا توازن پایا جاتا ہے، وہ اپنے جسم پر پوری توجہ دیتا ہے اور ظاہری شکل وصورت کی مناسب دیکھ بھال رکھتا ہے مگر ساتھ ہی وہ باطن سے بھی بے پروا نہیں ہوتا بلکہ انسان جسے اللہ تعالیٰ نے اعزاز بخشا، فرشتوں کو اس کے سامنے سجدہ کرایا اور زمین و آسمان کو اس کے لیے مسخر کیا، کے اندر ان چیزوں کے پروان چڑھانے کی کوشش کرتا ہے جن سے عقل راجح فکر، صائب رائے، پختہ، اشیاء کے حقائق کا گہرا فہم اور حقائق کی تہہ اور جوہر تک پہنچ جانے والی تیز نگاہ وجود میں آتی ہے اور یہ بھی فراموش نہیں کرتا کہ انسان محض جسم اور عقل سے مرکب نہیں ہے بلکہ وہ ایک دھڑکنے والا دل، پھڑکنے والی روح، کھٹکنے والا نفس اور اس مادی دنیا اور اس کی بے حیثیت چیزوں سے بلند ہونے اور خیر، فضیلت اور نور کی بلندیوں کو طے کرنے پر اکسانے والا بلند شوق رکھتا ہے، اس لیے وہ جس طرح جسمانی اور عقلی تربیت پر توجہ دیتا ہے اسی طرح روحانی تربیت پر بھی توجہ دیتا ہے اور اس میں انتہائی درجے کے توازن کا خیال رکھتا ہے نہ کسی پہلو میں

افراط ہوتی ہے نہ کسی پہلو میں تفریط۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ سچی فرماں برداری، بے لوث حسن سلوک، بے پایاں رحم و کرم، کامل تہذیب اور گہری وفا داری کا نمونہ ہوتا ہے۔

وہ اپنی بیوی کے ساتھ حسن معاشرت اور خوش معاملگی سے پیش آتا ہے، اس کے ساتھ بڑی ذہانت اور سمجھداری سے برتاؤ کرتا ہے۔ اس کی نفسیات اور مزاج کا گہرا فہم رکھتا ہے اور اس کی اچھی طرح نگہبانی کرتا ہے۔

وہ اپنے بچوں کے سلسلہ میں اپنی عظیم ذمہ داری کا احساس رکھتا ہے، وہ ان پر اپنی محبت، پیار اور ہمدردی نچھاور کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت، ذہن سازی اور رہنمائی سے بھی غافل نہیں ہوتا اور ان تمام چیزوں سے آگاہ رہتا ہے جو ان کی شخصیات کو اسلامی نہج پر پروان چڑھانے میں موثر ثابت ہوسکتی ہیں۔

وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم رکھتا اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کو جوڑتا ہے، اسے اچھی طرح اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں رشتہ داری کا کتنا عظیم مقام ہے اسی لیے خواہ کیسے ہی حالات ہوں وہ صلہ رحمی کرتا اور رشتوں کو جوڑتا ہے۔

وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا نمونہ ہوتا ہے، ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا ہے، ان کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتا ہے، ان کی طرف سے آنے والی تکلیفیں برداشت کرتا ہے، ان کی خطاؤں سے چشم پوشی کرتا ہے اور خود ان میں جا پڑنے سے احتراز کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ اسلامی اخلاق سے آراستہ ہوتا ہے اور پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتا ہے، جس کی روح الامین سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے اتنی تاکید کی کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ گمان ہونے لگا کہ وہ اسے وراثت میں بھی حقدار قرار دے دیں گے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر پڑوسی کے بارے میں اس کی طرف سے کوئی برائی سرزد نہیں ہوتی اور نہ اس کے حق میں کوئی تقصیر ہوتی ہے بلکہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا اور نہ اس کی طرف سے بھلائی کے عوض صلہ یا شکریہ کا منتظر رہتا ہے۔

اپنے بھائیوں اور دوستوں کے ساتھ اس کا تعلق بہت ہی پاکیزہ، صاف ستھرا اور بے لوث ہوتا ہے، وہ ان سے صرف اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کرتا ہے۔ اس کی محبت، اخوت، صدق اور پاکیزگی کی بنیادوں پر مبنی ہوتی ہے جس کی پاکیزگی اور شفافیت مشکوٰۃ وحی اور تعلیم نبوی سے مستفید ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ اس کی محبت انسانی اخوت اور بشری تعلقات میں بے نظیر اور عدیم المثال ہوتی ہے۔

اس گہرے تعلق اور شدید محبت کی بنا پر ایسے پاکیزہ اور درخشاں اخلاق نمودار ہوتے ہیں، جن سے آراستہ ہو کر سچا مسلمان ''ایک عجیب انسان'' بن جاتا ہے، اس کے اندر اسلامی قدریں اور اسلامی اخلاق پروان چڑھتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے محبت کرنے لگتا ہے، ان کے ساتھ سخت مزاجی اور بے رخی سے پیش نہیں آتا، ان کا وفادار ہوتا ہے، ان کے ساتھ خیانت اور دغا بازی نہیں کرتا بلکہ ان کا خیر خواہ ہوتا ہے، ان کے ساتھ غداری، فریب کاری اور دھوکا دہی نہیں کرتا، نرمی سے پیش آتا ہے، سختی نہیں کرتا، بردبار، فراخدل اور عفو و درگزر کرنے والا ہوتا ہے، حقد و کینہ نہیں رکھتا۔ وہ سخی ہوتا ہے، اپنی ذات پر اپنے بھائیوں کو ترجیح دیتا ہے اور ہمیشہ ان کے لیے ان کی عدم موجودگی میں دعا کرتا ہے۔

رہے اس کے تمام لوگوں کے ساتھ معاشرتی تعلقات تو وہ تہذیب و ثقافت اور عظمت و شرافت پر مبنی ہوتے ہیں، ان میں وہ ان مکارم اخلاق سے آراستہ ہوتا ہے جن کے اختیار کرنے پر اسلام نے اسے اکسایا ہے، ان کی خوش خلقی بناوٹی یا وقتی نہیں ہوتی کہ جس کے پس پردہ اغراض اور مطالب و مقاصد پوشیدہ ہوں بلکہ وہ حقیقی، بے لوث اور دائمی ہوتی ہے جس سے آراستہ ہونے کا کتاب و سنت کی نصوص میں حکم دیا گیا ہے اور اسے دین قرار دیا گیا ہے جس پر انسان کا محاسبہ کیا جائے گا۔

چنانچہ وہ تمام لوگوں سے سچ بولتا ہے۔ دغا بازی، دھوکا دہی، مکروفریب اور غداری سے

احتراز کرتا ہے۔ کسی سے حسد نہیں کرتا، وعدہ کا پکا ہوتا ہے، حیا دار ہوتا ہے، عفو و درگزر کرنے والا، نرمی برتنے والا اور معاف کر دینے والا ہوتا ہے۔ خندہ رو اور خوش طبع ہوتا ہے۔ بردبار اور حلیم ہوتا ہے۔ گالی گلوچ، فحش گوئی اور بد کلامی سے اجتناب کرتا ہے۔ کسی پر ناحق فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا، انتہائی شرمیلا اور پردہ پوش ہوتا ہے، لایعنی چیزوں میں نہیں پڑتا۔ لوگوں کی غیبت کرنے اور ایک دوسرے کی چغلی کھانے سے دور رہتا ہے۔ جھوٹ بولنے اور بد گمانی کرنے سے اجتناب کرتا ہے، اگر کسی راز کا امین بنایا جاتا ہے تو اس کی حفاظت کرتا ہے اور اسے فاش نہیں کرتا، تواضع اور فروتنی اختیار کرتا ہے، متکبر اور گھمنڈی نہیں ہوتا۔ کسی کا مذاق نہیں اڑاتا، بڑے کی تعظیم کرتا ہے اور اہل فضل کا احترام بجا لاتا ہے۔ نیک لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، لوگوں کو فائدہ پہنچانے اور ان سے ضرر و تکلیف دور کرنے کی کوشش کرتا ہے مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کی جدو جہد کرتا ہے۔ حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیتا ہے، بیمار کی عیادت اور مزاج پرسی کرتا ہے۔ جنازہ کے ساتھ رہتا ہے، احسان کا بدلہ دیتا ہے اور اس پر شکریہ ادا کرتا ہے۔ لوگوں میں گھل مل کر رہتا ہے اور ان کی طرف سے ہونے والی تکلیفوں کو برداشت کرتا ہے، جہاں تک ممکن ہو لوگوں کی خوش کرنے اور ان کے دلوں میں سرور و فرحت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگوں کو خیر کی طرف رہنمائی کرتا ہے، تمام کاموں میں آسانی پسند کرتا ہے، فیصلہ کرنے میں عدل و انصاف سے کام لیتا ہے۔ نہ کسی پر ظلم کرتا ہے نہ ریا کاری اور دکھاوا کرتا ہے اور نہ اپنے کاموں اور کارناموں پر فخر کرتا ہے۔ ثابت قدمی اور استقامت کو اپنا شعار بناتا ہے اور خواہ کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں راہ حق سے منحرف نہیں ہوتا، کجی نہیں اختیار کرتا اور بہروپ نہیں بدلتا۔ بلند کاموں کو پسند کرتا ہے اور پست و رذیل کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔ تکلف سے بنا بنا کر نہیں بولتا، نہ لوگوں سے گردن ٹیڑھی کر کے گفتگو کرتا ہے۔ سخی اور فیاض ہوتا ہے۔ جن پر صدقہ کرتا ہے یا جن کے ساتھ

کوئی احسان کرتا ہے ان پر احسان نہیں جتاتا۔ مہمان نواز ہوتا ہے، اگر کوئی مہمان آجاتا ہے تو اسے ناگواری نہیں ہوتی اور دل تنگ نہیں ہوتا۔ جہاں تک ہو سکتا ہے دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دیتا ہے۔ تنگدست، نادار اور قرض دار کو مہلت دیتا ہے، پاک دامن اور محتاط ہوتا ہے، کسی کے سامنے دست سوال دراز نہیں کرتا، اوپر والا ہاتھ کو نچلے ہاتھ سے بلند سمجھتا ہے۔ دوسرے سے محبت کرتا ہے اور دوسرے اس سے محبت کرتے ہیں۔ وہ اپنی عادتوں کو اسلامی سانچے میں ڈھال لیتا ہے۔ کھانے پینے، سلام کرنے، لوگوں سے ملاقات کرنے، ان کے گھر جانے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور دیگر معاشرتی تعلقات میں اسلامی آداب کا خیال رکھتا ہے۔

یہ ہے مسلمان کی روشن، تاباں اور درخشاں تصویر جسے اسلام قرآن و سنت کے سانچے میں ڈھالتا ہے اور جس کا نفس اس شیریں سرچشمے سے سیراب ہوتا ہے اور اسے ربانی اور درخشندہ نور سے اپنی عقل، قلب اور روح کو نورانیت بخشتا ہے۔

بے شک انسان کو مکارم اخلاق کے اس بلند اور پاکیزہ معیار تک پہنچا دینا اور اسے زمین پر بہترین کردار کا چلتا پھرتا نمونہ بنا دینا ایک عظیم تہذیبی کارنامہ ہے جسے سرانجام دینے کی مختلف نظام، قوانین فلسفے اور نظریات (Ideolegies) کوشش کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ اتنا عظیم کارنامہ ہے جس کے سامنے دیگر تمام علمی اور مادی کارنامے جنھوں نے آج ہماری دنیا کو ڈھانپ لیا ہے اور جن کی روشنیوں اور رنگینیوں سے دل اور نگاہیں خیرہ ہو گئی ہیں، سب ہیچ ہیں۔ اس لیے کہ انسان اس دنیا کا گل سرسبد اور مقصد وجود ہے۔ اب تک جتنی بھی انتھک کوششیں کی گئی ہیں اور انسانی تہذیبیں وجود میں آئی ہیں ان کا مقصد انسان کی خوش بختی، خوشحالی، ترقی، تکریم اور عزت افزائی ہے اور انسان کی تکریم کا سبب اس کی انسانیت ہے۔ اسی لیے جن تہذیبوں نے محض انسان کی سفلی خواہشات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا اور اس کی انسانیت کو پروان چڑھانے، اس کا تزکیہ کرنے اور اس میں خیر کے

چشمے جاری کرنے کی طرف توجہ نہیں دی ہے وہ ناقص اور نامکمل تہذیبیں ہیں جن میں انسانی تہذیب کی اہم شرطیں بھی پوری نہیں۔ اس لیے کہ انھوں نے انسان کی انسانیت ہی سے بے توجہی برتی ہے حالانکہ یہی اس کا پوشیدہ جوہر اور اس کی سب سے قیمتی شے ہے۔

آج انسانی تہذیب نے جتنی ترقی کر لی ہے اور توپ، راکٹ، مواصلاتی سیارے، ریڈیو، ٹیلی ویژن، ویڈیو اور دیگر میدانوں میں جو کارنامے انجام دیے ہیں، وہ انسان کی انسانیت پر توجہ دینے اور اس کا اہتمام کرنے سے بے نیاز نہیں رہ سکتے، جب تک کہ انھیں انسان کی ترقی، خوش حالی اور اس کے نفس کے تزکیہ کے لیے مسخر نہ کر دیا جائے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰهَا ○ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا ○ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا ﴾ (الشمس: ۷۔۱۰)

”اور نفس انسان کی اور اس ذات کی قسم جس نے اسے ہموار کیا! پھر اس کی بدی اور اس کی پرہیز گاری اس پر الہام کر دی، یقیناً فلاح پا گیا وہ شخص جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اس کو دبا دیا۔“

انسانی معاشروں کی ترقی محض سائنس کی کامیابیوں اور کارناموں اور مادی دنیا میں ہونے والی ایجادات سے نہیں ناپی جاتی بلکہ اس کا اندازہ اس کے ساتھ ساتھ اس سے بھی اہم شے سے ہوتا ہے اور وہ ہے ان پر محبت و شفقت، ہمدردی و رحم دلی، ایثار و قربانی، استقامت و ثابت قدمی، عقیدہ، کردار اور معاملات کی پاکیزگی اور دیگر انسانی قدروں کی حکمرانی۔ چونکہ افراد ہی معاشروں کی اساس اور وہ بنیادیں ہوتی ہیں جن پر کوئی بھی اجتماعی ترقی مبنی ہوتی ہے اسی لیے بیدار انسانی معاشرے انسان کی تربیت پر زور دیتے ہیں، اس میں بھلائی اور تعمیر کے گوشے پروان چڑھاتے ہیں اور اس کے نفس سے بدی اور تخریب کے رجحانات نکال پھینکنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ وہ اچھا شہری بن سکے، اس لیے کہ اچھے شہریوں ہی سے مل کر ایک نیک، طاقت ور، ترقی یافتہ اور پاکیزہ معاشرہ وجود میں آتا ہے۔

اسلامی معاشرہ، اعلیٰ طرز کا کامل اور ترقی یافتہ معاشرہ ہوتا ہے، اس میں زندگی گزارنے والا انسان اعلیٰ اور بلند طرز کا مدنی الطبع اور معاشرت پسند انسان ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ اپنے برحق دین کے احکام اور تعلیمات حاصل کرتا ہے اور جن بلند پاکیزہ انسانی اخلاق کی طرف وہ دعوت دیتی ہیں اور جن سے معاشرتی معاملات میں آراستہ ہونے پر اکساتی ہیں، ان پر عمل پیرا ہوتا ہے۔

آج ہم ملکوں، قوموں اور افراد کی سطح پر مسلمانوں کی صفوں میں جو پسماندگی، افتراق و انتشار، بغض وعداوت اور بے تعلقی دیکھتے ہیں وہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی سے دور ہوگئے اور ایمان کے مضبوط تعلق کو بھلا بیٹھے ہیں۔ اخوت کے راسخ اور مستحکم رشتے توڑ چکے ہیں، اسی لیے ان کے ملکوں میں گمراہ کن جاہلی نعرے بلند ہونے لگے ہیں اور درآمد شدہ غیر ملکی اصول ونظریات نے یورش کر دی ہے چنانچہ مسلمانوں میں طرح طرح کے جھنڈے بلند ہوگئے، ان کے معاشروں میں آفتیں اور بلائیں گھس آئی ہیں اور ان کی حالت سیلاب کے جھاگ کے مثل ہوگئی ہے۔

مسلمانوں کی زندگی میں ایسا ہرگز نہ ہوسکتا تھا اگر مسلمان کی اصلی شخصیت محفوظ رہتی اور اس کے فکری اور روحانی سرچشمے صحیح سلامت رہتے لیکن دشمنان اسلام نے عالم اسلام پر یورش کر کے مسلمان شخصیت اور اس کے فکری اور روحانی سرچشموں دونوں کو نشانہ بنایا، حملہ کرنے والے اسلام اور مسلمانوں سے دونوں محاذوں پر برسرپیکار ہیں۔ ان کا پہلا مقصد یہ ہے کہ اس کے فکری اور روحانی سرچشموں کو آلودہ کر دیں یا ان سرچشموں سے ہٹا کر اسے دوسرے نامانوس سرچشموں سے وابستہ کر دیں۔

بہت سے مسلم ممالک میں وہ مسلمان کی شخصیت کو لرزہ براندام کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں، اسے اس کی اصلیت سے دور کر کے فکری وشعوری اور کردار کی غلامی کی دلدل میں پھنسا دیا ہے۔ اسے اس کے دین کی قدروں اور اخلاقیات سے عاری کر دیا ہے اور

ربانی پیغام سے بے بہرہ کر دیا ہے جس کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اسے تخلیق کیا گیا تھا اور جس کی بدولت وہ تاریخ میں داخل ہوا تھا اور اسے تاریخ انسانی میں ایک اہم مقام حاصل کیا تھا۔

مسلمان دوبارہ اپنی عافیت اور اصلیت اسی وقت حاصل کر سکتا ہے جب پورے صدق دل اور اخلاق سے زندہ و جاوید الٰہی نظام کی طرف رجوع کرے اور اس زندگی میں جس پیغام کا حامل ہے اس کی حقیقت کا گہرا فہم حاصل کرے اور عقیدہ، عبادت، کردار اور نظام کی حیثیت سے اس کا گہرا فہم حاصل کرنے کے بعد اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانے کی عظیم ذمہ داری سرانجام دے۔

امت اسلامیہ جو جاہلیت کے صحرا میں حیران و سرگشتہ پھر رہی ہے، غلامی و محکومی کی گھٹاٹوپ تاریکیوں میں غرق ہے اور عصبیت کے بیابانوں میں بھٹک رہی ہے، جس دن الٰہی نظام کے وسیع اور گھنے سایہ میں آجائے گی، اس دن وہ پھر متحد، مضبوط، باہم محبت کرنے والی، طاقتور، زبردست اور آزاد امت کی حیثیت سے نمودار ہو گی اور اس وقت نہ اس کا ہتھیار کند ہو گا، نہ اس کا جھنڈا سرنگوں ہو گا اور نہ اس کے لشکر کو شکست ہو گی۔ اس لیے کہ اس دن وہ ایمان کی علمبردار امت ہو گی اور اللہ رب العزت نے اپنی محکم کتاب میں اعلان کیا ہے کہ وہ ہمیشہ ایمان کی علمبردار امت کی مدد کرے گا:

﴿ وَ كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الروم : ٤٧)

''اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں۔''

❀......❀......❀



مثالی مُسلمان

دارالاندلس ®
اسلام کی نشرواشاعت کا عالمی مرکز
۴-لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان
Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com